دیوتا

اور

داسی

مصنف

رائیڈر ہیگرڈ



مترجم

مظہر الحق علوی

قیمت

سولہ روپیہ

ناشر

نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ لکھنؤ

ٹیلیفون { آفس :- ۲۴۵۵۹
رہائش :- ۴۵۳۳۴

باہتمام عزیز الرحمٰن الواعظ صفدر پریس میں چھپ کر شائع ہوئی۔
(بار اول نومبر ۱۹۷۸ء)

تمہید

کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دنیا کے جھمیلوں اور اپنی زندگی کے تفکرات میں بھی ان چیزوں اور نوادرات سے نہ صرف دلچسپی لیتے ہیں بلکہ ان کے درمیان سکون پاتے ہیں جو گزرے ہوئے دَور کی یادگار ہوتی ہیں اور جنھیں زمانے کا جوار بھاٹا ہمارے دَور کے ساحل تک لے آتا ہے۔ صدیوں پہلے کی یہ چیزیں، یہ نوادرات ان لوگوں کے لیے ایک بے بہا خزانہ ہوتا ہے اور یہ لوگ ایسے ٹوٹے پھوٹے برتن اور بے ڈھنگی اور بگڑی ہوئی مورتیاں اور زنگ آلود فانوس اپنے گھر میں سجا کر خوش ہوتے ہیں اور اپنے اس ذخیرے پر فخر کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کو نوادرات جمع کرنے کا جنون ہوتا ہے محض اس لیے کہ وہ دولت مند ہوتے ہیں اور اپنی دولت کا کوئی مصرف ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ یا اس لیے بھاری رقمیں دے کر وہ یہ نوادرات خریدتے ہیں کہ اپنے ہم رتبہ لوگوں میں سربلند ہو سکیں۔ ان کے خریدے ہوئے نوادرات اُن کی موت کے بعد ایک بار پھر نیلامی کی دکان میں پہونچ کر نیلام ہوتے اور کسی دوسرے امیر کے محل یا حویلی میں پہونچ جاتے ہیں حالانکہ ان دولت مند مجنونوں کو نہ تو ان نوادرات سے دلچسپی ہوتی ہے اور نہ ہی ان کی تاریخ سے کوئی واسطہ۔

لیکن چند لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی دلچسپی سطحی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے کمروں میں سجانے یا ہم رتبہ لوگوں میں سربلند ہونے یا محفل میں بیٹھ کر ڈینگ مارنے کے لیے پرانی چیزیں نہیں خریدتے بلکہ اس لیے خریدتے ہیں کہ حقیقت میں انھیں تاریخ سے اور قدیم تہذیب سے دلچسپی ہوتی ہے اور یہ چیزیں دیکھ کر پورا وہ دور، جس سے یہ چیز تعلق رکھتی ہو، زندہ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ لوگ امیر نہیں ہوتے چنانچہ جب انھیں روپے کی ضرورت ہوتی ہے وہ یہ چیز پھر کسی وقت اپنے ہی جیسے نوادرات جمع کرنے والے کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔

اس کتاب کے مؤلف کا تعلق اسی دوسرے گروہ سے ہے۔ اور اس نے اپنے ہی جیسے ایک نوادرات جمع کرنے والے سے یہ مسودہ حاصل کیا تھا جس کا جدید ترجمہ آپ ان صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہاں مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں یہ بتا دوں کہ یہ مسودہ میرے ہاتھ کس طرح آیا اور ساتھ ہی اس شخص کا بھی تعارف کرا دوں جس سے میرے "خرید و فروخت" کے تعلقات تھے۔

اس شخص کو مرے کئی سال گزر گئے اور اس کے نوادرات کا ذخیرہ بلکہ خزانہ، اس کی آخری وصیت کے مطابق، ایک مقامی عجائب گھر میں پہونچ گیا اور بقیہ چیزیں اور اس کی جائداد ایک "روحانی برادری" کی خاطر نیلام کردی گئی اور روپیہ اس "روحانی برادری" کو دے دیا گیا۔ یہ بھی مرنے والے کی وصیت تھی کیونکہ مرحوم بڑے میاں کسی قسم کے روحانیت والے تھے یا خدا جانے کسی صوفی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ چونکہ وہ شخص اب اس دنیا میں نہیں رہا اس لیے میں بے کھٹکے اس کا نام بتا سکتا

ہوں۔ اس کا پورا نام تو خدا جانے کیا تھا البتہ اس کا عامی نام "پونٹش" تھا۔

پونٹش بزاز تھا اور انگلینڈ کے مشرقی علاقے میں، جہاں کبھی کوئی جاتا نہ تھا، اس کی کپڑوں کی چھوٹی سی دکان تھی۔ پونٹش یہ دکان اپنے ایک معاون کی مدد سے چلا رہا تھا۔ اس کا یہ معاون یا اسسٹنٹ بھی اسی کی طرح بوڑھا اور اس کا ہم عمر ہی تھا اور اگر ان دونوں کی عمروں میں فرق ہوگا تو انیس بیس کا۔ پونٹش کی گزر بسر دکان کی آمدنی سے ہوتی تھی یا کسی "خانگی" ذریعہ سے یہ کوئی نہیں جانتا۔ یہ ایک راز تھا جسے بوڑھا پونٹش اپنے ساتھ قبر میں لے گیا۔ بہرحال یہ تو حقیقت تھی جب کوئی نادر یا قیمتی چیز خریدتا جاتا تھا تو اسے خریدنے کے لیے وہ اپنے ذخیرے میں کی کوئی چیز بیچنے پر مجبور ہو جاتا اور یہی وہ موقع ہوتا جب مسٹر پونٹش سے کپڑوں کے علاوہ کچھ اور خریدا جا سکتا تھا۔

•

میں بتا چکا ہوں کہ مجھے بھی پرانی چیزوں سے پیار ہے اور میری نظر بھی پونٹش کے ذخیرے پر رہتی تھی لیکن جانتا تھا کہ بوڑھا یوں تو کوئی چیز بیچنے کا نہیں الّا یہ کہ ایسا موقع آئے اور وہ کوئی چیز خریدنے کے لیے اپنے ذخیرے میں سے کچھ بیچنے پر مجبور ہو جائے۔ میں پونٹش کی اس عادت سے واقف تھا چنانچہ میں نے اس کے اسسٹنٹ یا معاون سے، جس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں، ایک معاہدہ کر لیا کہ جب بھی پونٹش صاحب پر بحرانی دور آئے اور "پیسے کی ضرورت" ہو تو وہ، یعنی اسسٹنٹ مجھے فوراً مطلع کرے چنانچہ اسی وعدے سے مجھے ایک دن ایک خط ملا جس کا مضمون تھا:۔

"جناب!
ہمارے بڑے میاں کا دل چینی کے ایک ٹوٹے ہوئے بت پر

آگیا ہے۔ حالانکہ قدیم چیزوں کا یا حسن کا میں پارکھ نہیں ہوں تاہم کہہ سکتا ہوں کہ ایسا بدصورت بت میں نے کبھی نہیں دیکھا چنانچہ اب اگر آپ وہ اونچی سی پرانی گھڑی اپنی من مانی قیمت پر یا کچھ اور کاٹھ کباڑ خریدنا چاہتے ہیں تو یہ موقع ہے فوراً آجایئے اور ہمارے معاہدے کے مطابق یہ بات اپنے تک ہی رکھئے گا۔

• کہ یہ اطلاع میں نے آپ کو دی ہے۔

آپ کا

"ٹام"

وہ ہمیشہ "ٹام" کے نام سے دستخط کرتا تھا غالباً اپنے آپ کو پُراسرار بنانے کے لیے۔ حالانکہ اس کا نام میرے خیال میں بٹرنی تھا۔

چنانچہ اس خط کا جواب میں نے بلا تاخیر یوں دیا کہ اپنی بائیسکل پر سوار ہو کر نہایت ہی خراب موسم میں مسٹر پوئش کی دکان تک کا طویل اور اکتا دینے والا سفر طے کیا۔ ٹام عرف بٹرنی نے، جو ایک موٹی عورت کے ہاتھ کسی قسم کے نہایت ہی پُراسرار زیرجامے پُراسرار طریقے سے فروخت کرنے کی کوشش کر رہا تھا، میری طرف دیکھا اور آنکھ ماری۔ دکان کے ایک تاریک گوشے میں اور ایک تپائی پر مسٹر پوئش بہ نفسِ نفیس براجمان تھے۔ پوئش مرجھایا ہوا اور پست قامت بوڑھا تھا، جس کی کمر جھک گئی تھی، سر گنجا تھا اور طوطے جیسی ناک پر سینگ کی فریم والی عینک ٹکی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ الو کی طرح معلوم ہوتا تھا جو اپنے گھونسلے کے سرے پر بیٹھا ہوا ہو۔ وہ کچھ نہیں کر رہا تھا اور کچھ نہیں دیکھ رہا تھا مطلب یہ کہ خالی خالی نگاہوں سے کہیں خلا میں گھور رہا تھا۔ بقول ٹام

ایسی حالت اس کی اس وقت ہوتی تھی جب وہ، بقول ٹام، ادواج خبیثہ سے رابطہ قائم کرتا تھا۔

"دکاندار" ٹام نے کرختگی سے کہا "تمھاری عبادتوں میں مخل ہونے کی معافی چاہتا ہوں بیٹی۔ لیکن چونکہ میرے چار ہاتھ نہیں ہیں اس لیے میں پوری بھیڑ کو نہیں نپٹا سکتا۔

بھیڑ سے مراد اس موٹی بوڑھی عورت اور مجھ سے تھی۔

مسٹر پوٹش اپنے اڈے، یعنی تپائی پر سے پھسل کر نیچے اترے اور گویا میدانِ عمل میں آگئے۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس کا یہ دوسرا گاہک کون ہے تو اس کے "بال کھڑے ہو گئے"۔ اس کے لیے اس سے بہتر الفاظ یا محاورہ نہیں مل سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم دونوں کے درمیان ایک قسم کا اندرونی اور روحانی رشتہ قائم تھا لیکن ظاہراً ہم دونوں ایک دوسرے کے حریف تھے۔ ایک نیلام میں دو دفعہ میں نے بھاری رقم دے کر وہ چیزیں خرید لیں جن پر پوٹش کا "دل آیا ہوا تھا"۔ اس کے علاوہ مجھ سے نفرت کرنا اس کا فرض تھا کہ ہر وہ شخص جو نوادرات جمع کرتا ہے ہر اس دوسرے سے، جو اس معاملے میں اس کا ہم عصر ہوتا ہے نفرت کرتا ہے۔ اور سب کے آخر میں یہ کہ میں نے کئی نوادرات کی، اس کی توقع کے خلاف بہت کم قیمت دی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اب میں نے "سودا کرنا" مدت ہوئی کہ ترک کر دیا تھا کیونکہ پوٹش جو قیمت کہہ دیتا تھا اس سے کم ایک کوڑی نہ لیتا تھا۔

"آپ کو کیا چاہیئے جناب؟" اس نے ترش روئی سے کہا "بنیان، جانگھئے، کالر یا موزے؟"

"موزے" میں نے اس خیال سے کہا کہ انھیں خریدنا اور سے جانا آسان ہو گا۔

اس پر پولش نے چند بے ڈول اور قابلِ اعتراض قسم کی اونی چیزیں کہیں سے نکال کر میری طرف پھینک دیں اور کہا کہ فی الحال بس یہی ہیں۔ اب مجھے اونی موزوں سے نفرت ہے اور یہ میں نے کبھی استعمال نہیں کیے۔ اس کے باوجود میں نے دو جوڑے موزے خرید لیے کہ انھیں اپنے بوڑھے مالی کو دے دوں گا، جس کے پیروں میں سردی سے دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ جب پولش موزوں کا پیکٹ بنا کر میرے ہاتھ میں تھما چکا تو میں نے بڑے ہی پیار بھرے لہجے میں اور اور بڑی رازداری سے پوچھا:۔

"اوپر کوئی نئی چیز آئی ہے مسٹر پولش؟"

"نہیں جناب" وہ بولا "میرا مطلب ہے کہ کچھ زیادہ چیزیں نہیں ہیں۔ اور اگر ہوں بھی تو اس گھڑی کے سلسلے میں آپ نے جو بنیوں کا رویہ اختیار کیا تھا اس کے بعد آپ کو دکھانے سے کیا فائدہ؟"

"کیا قیمت بتائی تھی آپ نے اس کی مسٹر پولش؟ پندرہ پونڈ؟"

"جی نہیں۔ سترہ پونڈ اور اب اس پر دس فی صدی زائد۔ اب حساب آپ ہی جوڑ لیں۔"

"ہم۔م۔م۔ ٹھیک ہے۔ ایک دفعہ اور وہ گھڑی دیکھ لوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا مسٹر پولش؟" میں نے بڑی خاکساری سے کہا۔

اس پر بڑے میاں منہ ہی منہ میں بڑبڑائے اور دام سے "دکان کا دھیان رکھنا" کہہ کر مجھے اوپر لے آئے۔

پولش جس مکان میں رہتا تھا وہ ڈھنڈار اور بے حد پرانا، ذالزابیتھ دور کا تھا حالانکہ جدید طرز کا تقاضا پورا کرنے کے لیے اس کی دیواروں پر نیا پلستر اور رنگ و روغن کر دیا تھا لیکن اس سے اس کی خوفناک بدہیئتی میں

اضافہ ہی ہوا تھا۔ آک کی لکڑی کا زینہ ہر چند کہ تنگ تھا لیکن اچھی حالت میں تھا۔ یہ زینہ دوسری منزل تک چلا گیا تھا جہاں کئی چھوٹے بڑے کمرے تھے۔ ان میں کے چند کمرے تختوں کی دیواریں کھڑی کر کے بنائے گئے تھے۔ چھت میں آک کے ہی موٹے شہتیر تھے اور ان پر اور چوبی دیواروں پر چونا پھیر کر انھیں سفید کر دیا گیا تھا۔ لیکن یہ چونا بھی غالباً پچھلی نسل کے دور میں پھیرا گیا تھا چنانچہ اب رنگ سفید نہیں البتہ مٹ میلا تھا۔

یہ سارے کمرے پرانے اور ہر قسم کے فرنیچر سے صحیح معنوں میں ٹھسا ٹھس بھرے ہوئے تھے۔ زیادہ تر فرنیچر خستہ حالت میں تھا۔ تاہم یہ سچ ہے کہ کوئی بھی نیلامی اس کی اچھی خاصی قیمت دے سکتا تھا۔ لیکن نیلامیوں کے لیے پوٹس نے "لکشمن ریکھا" کھینچ دی تھی اور ایک بھی نیلامی آک کے اس زینے پر قدم نہ رکھ سکتا تھا۔ یہ کمرے اٹاری کی چھت تک ایسے فرنیچر اور دوسری چیزوں سے بھرے ہوئے۔ کتابیں، ٹوٹے ہوئے فانوس، شکستہ جھاڑ اور پتہ نہیں کیا کچھ الم غلم ان کے فرش پر ڈھیر تھے۔ یہ ایک معمہ تھا کہ پوٹس سوتا کہاں تھا؟ یا تو وہ اپنی دکان میں کاؤنٹر کے نیچے سوتا ہوگا یا پھر اس بے حد پرانے اور کرم خوردہ پلنگ پر جو پتہ نہیں کون سے زمانے کا تھا اور اٹاری کے انتہائی سرے پر رکھا ہوا تھا۔ یہ دوسرا اندازہ زیادہ صحیح تھا کیونکہ بغیر ٹانگوں کی کرسیوں، پھٹے ہوئے پردوں اور فرسودہ کمبلوں کے جنگلوں میں سے ایک پگڈنڈی اس تاریخی پلنگ تک جاتی تھی۔

اس پلنگ سے ذرا دور اور دیوار سے لگی اور جیسے نشے میں آگے کی طرف جھکی ہوئی وہ گھڑی کھڑی تھی جسے میں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ دنیا کی ان پہلی گھڑیوں میں سے ایک تھی جس میں "ریگولیٹر" لگا ہوا تھا اور اس کا لنگر

چوبی تھا۔ اسے خود گھڑی ساز اپنی بنائی ہوئی دوسری گھڑیوں کا وقت "چیک" کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ یہ گھڑی مہاگنی کیس میں تھی جو اپنے وقت کی کاریگری کا بہترین نمونہ تھا۔ اتنی خوبصورت تھی یہ گھڑی کہ مجھے اس سے، صحیح معنوں میں "پہلی ہی نظر" میں عشق ہو گیا۔ ہر چند کہ اس کی سودے بازی یا قیمت پر مجھ میں اور پولش میں اختلاف ہو گیا تھا لیکن اب میں محسوس کر رہا تھا کہ اب میں اس گھڑی کے بغیر رہ نہ سکوں گا۔

چنانچہ میں دس فی صدی زائد یعنی پینتیس پونڈ قیمت سے زائد دینے کو تیار ہو گیا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ بوڑھے نے زیادہ منہ نہ پھاڑا۔ سودا چکا کر میں نے جانے کی تیاری کی۔ جب میں جانے کے لیے پلٹا تو میری نظر ایک صندوق پر پڑی جو زرد صنوبر کی طرح تقریباً کبھی نہ خراب ہونے والی لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ روم میں سینٹ پیٹر کے گرجا کے کواڑ اسی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں۔ اور آٹھ سو سال کے بعد آج بھی ویسے ہی نئے اور مضبوط ہیں جیسے کل ہی بنائے گئے ہوں۔

"جہیز کا صندوق" پولش نے میرے خاموش سوال کا جواب دیا۔

"اطالوی ہے اور میرے خیال میں سولہ سو چھیاسی کا ہے"

"شاید یا شاید ٹھیک ہے اور اطالوی کاریگر نے بنایا ہو اور تمہارے اندازے سے زیادہ پرانا ہے کیونکہ کسی نے اس پر گرم سلاخ سے ۱۵۹۲ لکھ دیا ہے لیکن بکاؤ نہیں ہے۔ ہاں جناب۔ فروخت کرنے کے لیے نہیں ہے۔ بے حد نادر اور شاندار چیز ہے۔ اندر دیکھو گے تو اس کی قدر و قیمت سمجھ سکو گے۔ کنجی کمانیوں دار تالے ہی سے بند کی ہوئی ہے۔ ایسا نقش کا کام میں نے اپنی عمر میں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ دیوی اور دیوتا اور پتہ نہیں کیا کچھ اور ان

سب کے بیچ میں حسن کی دیوی دیگر پھولوں کے درمیان بیٹھی ہوئی ہے اور اس نے کچھ نہیں پہن رکھا ہے ـــــ برہنہ ہے بالکل اور اپنے ہاتھوں پر دو انسانی دل پکڑے ہوئے ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جہیز کا صندوق ہے۔ کبھی اس میں دلھن کی ضرورت کی چیزیں ہوتیں، کپڑے اور چادریں اور خدا جانے کیا کچھ۔ خدا جانے یہ چیزیں اب کہاں ہوں گی۔ برسوں پہلے میں نے یہ صندوق ایک ایسے قدیم خاندان سے خریدا تھا جو کسی وجہ سے نارتھ لنک کی طرف ہجرت کر گیا۔ برسوں سے میں نے اس صندوق کو کھول کر نہیں دیکھا اور میرے خیال میں اب اس میں خاک دھول اور بیکار چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے"

یونہی بڑبڑاتے ہوئے اس نے پرانی کنجی تلاش کر لی۔ کمانی دار تالا مدت سے کھولا نہ گیا تھا چنانچہ اسے کھولنے میں پولس کو بڑی زور آزمائی کرنی پڑی۔ آخر کار وہ اسے کھولنے میں کامیاب ہو گیا اور ہم دونوں نے مل کر اسے کھولا۔ پولس نے غلط نہ کہا تھا۔ ایسی عمدہ نقاشی میں نے بھی پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

"اندھیرا سا ہے، ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا" پولس بڑبڑایا۔ "کھڑکیوں کے شیشے صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ میری بیوی کے مرنے کے بعد سے شیشے صاف نہیں کیے گئے اور اسے مرے بیس برس ہو گئے لیکن شکر ہے کہ اب موسم بہار کی سالانہ صفائی کا جھنجھٹ نہیں رہا۔ اُفوہ! اس صفائی میں میں نے کیا کیا چیزیں ٹوٹتے دیکھی ہیں بلکہ ایک دن تو میں نے غصے میں آکر اپنی بیوی سے کہہ بھی دیا تھا کہ دانا حکیم سچ ہی کہتے ہیں کہ عورتوں کے روح نہیں۔ پہلے تو وہ میری بات سمجھ ہی نہ سکی اور جب سمجھی تو ہم دونوں میں اس پر جھگڑا ہوا اور ایسا زور دار کہ اس نے ایک قدیم بت اٹھا کر میری طرف پھینکا

خوش قسمتی ہے میں نے اسے پکڑ لیا کیونکہ تم جانو جوانی میں میں کرکٹ کھیلا کرتا تھا۔ خیر۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہی اور خدا نے اسے جنت میں ایک ایسا مکان دیا ہوگا جو صاف ستھرا ہوگا۔ ونیس کو دیکھا؛ خوبصورت ہے کہ نہیں؛ ٹھیک سے دیکھ نہیں سکتے؛ ٹھہرو۔ میں لالٹین لے آتا ہوں۔ یہاں موم بتی جلانا خطرے سے خالی نہیں۔ بہت قیمتی چیزیں ہیں اس کمرے میں۔ دنیا کی دولت انھیں نہیں خرید سکتی۔ موم بتی کے بارے میں بھی میرے اور میری بیوی میں بحث ہو گئی تھی۔ تم اس تپائی پر بیٹھ کر کاریگری دیکھو۔ میں لالٹین لے کر آتا ہوں"

اور وہ مجھے کمرے میں چھوڑ کر لالٹین لینے چلا گیا اور میں نے صندوق کا معائنہ کیا تو دو ہی منٹ بعد وہ پرانی گھڑی میری نظروں سے گر چکی تھی اور یہ صندوق میرے حسن کے دربار کا سردار بن چکا تھا۔

صندوق میں بہت سی چیزیں تھیں۔ مثلاً کھڑکیوں کے پردے اور پرانے کپڑے اور یہ سب چیزیں سلامت تھیں۔ کیونکہ صنوبر کی لکڑی میں دیمک نہیں لگتی۔ اس کے علاوہ چند کتابیں تھیں اور کسی قسم کا ایک بنڈل یا پلندہ تھا جو کسی قسم کی دھاری دار شال میں لپٹا ہوا تھا۔ اس پلندے نے میرا شوق تجسس بیدار کر دیا۔ چنانچہ میں نے شال کے کونے ہٹا کر دیکھا۔ جو کچھ نظر آیا وہ یہ تھا کہ اس میں ایک اور لباس تھا جس کا رنگ شوخ تھا اس کے علاوہ جھلی کا ایک پیکٹ تھا جس میں ڈوری پروئی گئی تھی اور اس کا سرا غالباً سیلن سے خراب ہو گیا تھا۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس جھلی پر سیاہ حروف میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ کسی بے پروا کاتب نے ٹیڑھے میڑھے حروف میں اور

کسی قسم کی سستی اور گھٹیا روشنائی سے لکھا ہے جواب ماند پڑ گئی تھی۔

اس شال میں دوسری چیزیں بھی تھیں۔ مثلاً بدلیسی سرخ لکڑی کا حسن بوتیچہ لیکن اس سے زیادہ مجھے دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ کیونکہ عین اس وقت میں نے زینے پر پوٹس کے قدموں کی چاپ سنی اور وہ بنڈل جلدی سے صندوق میں رکھ دیا۔ وہ لالٹین لے کر آگیا اور اس کی زرد اور لرزاں روشنی میں ہم نے صندوق اور نقاشی کا معائنہ کیا۔

"بہت خوبصورت" میں نے کہا "البتہ ذرا فرسودہ ہے"

"جی ہاں" اس نے تلخی سے کہا "میرے خیال میں چار سو برس کے بعد آج بھی آپ اس صندوق کو بالکل نیا دیکھنا پسند کریں گے۔ اگر ایسا ہی ہے تو میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ ایسا ہی بالکل نیا صندوق آپ کو کہاں مل سکتا ہے۔ ایک آدمی ہے جو نوادرات کی نقل کر کے بیچتا ہے۔ اس صندوق کی ڈیزائن خود میں نے اسے بنا کر دی تھی۔"

"قیمت کیا ہے اس کی؟" میں نے بے تعلقی سے پوچھا۔

"میں نے کہا نہیں کہ یہ بکاؤ نہیں ہے؟ اور اگر تم اسے خریدنا ہی چاہتے ہو تو میرے مرنے کا انتظار کرو۔ اس کے بعد جہاں میری چیزیں نیلام ہوں گی وہاں یہ صندوق بھی نیلام ہوگا اس وقت خرید لینا لیکن نہیں میں بھولا یہ صندوق تو تمہیں اور جا رہا ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور صندوق کا معائنہ جاری رکھا پوٹس اچک کر تپائی پر بیٹھ گیا اور خالی خالی نظروں سے خلا میں تکنے لگا۔ اس پر ایک بار پھر "روحانی انہماک" کا دورہ پڑ گیا تھا۔

"ہم" آخر کار میں نے اس وقت کہا جب میری شائستگی نے

خود مجھ سے کہا کہ اب زیادہ دیر خاموش رہنا مناسب نہیں۔" اگر تم اسے بیچنا نہیں چاہتے ہو تو پھر اس کے معائنے میں وقت ضائع کرنا فضول ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمھیں کسی امیر گاہک کی تلاش ہے اور اگر ایسا ہے تو میں تمھیں الزام نہیں دیتا۔ مسٹر پوٹش! تم کسی مزدور کا انتظام کر کے گھڑی میرے یہاں پہونچوا دو اور قیمت کا چیک میں تمھیں دے دوں گا۔ اچھا تو اب میں چلتا ہوں کیونکہ مجھے دس میل کا فاصلہ بائیسکل پر طے کرنا ہے اور ایک گھنٹے بعد ہی رات ہو جائے گی۔

"بس جہاں ہو وہیں رک جاؤ" پوٹش نے کھوکھلی آواز میں کہا "میں کہتا ہوں اس معاملے کے مقابلے میں اندھیرے میں اور بغیر بتی کے دس میل کا سفر طے کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بس جہاں ہو وہیں رک جاؤ۔ میں کسی کو کچھ کہتے سن رہا ہوں"

چنانچہ میں ٹھہر گیا اور اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"پائپ رکھ دو" پوٹش نے محویت کے بھنور سے ابھر کر کہا "پائپ کا مطلب ہے تیلیاں اور یہاں تیلی جلانے کی اجازت نہیں"

چنانچہ میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور پوٹش مراقبے میں چلا گیا ور اس پر محویت کا یہ عالم اتنی دیر تک طاری رہا کہ اس جہازی پلنگ، پرانے صندوق اور خود پوٹش کے درمیان کھڑا ہوا میں یوں محسوس کرنے لگا کہ مجھ پر مسمریزم کا عمل کیا جا رہا ہے۔ آخر کار پوٹش اپنی تپائی پر سے اتر آیا اور وہی کھوکھلی آواز میں کہا:۔

"جوان! تم یہ صندوق خرید سکتے ہو۔ قیمت ہے پچاس پونڈ۔ خدا کے لیے تم چالیس پونڈ نہ کہنا۔ ورنہ اس کی قیمت ایک دم سے سو ہو جائیگی

"میں اسے ان تمام چیزوں کے ساتھ خرید سکتا ہوں جو اس میں ہیں" یعنی اسی قیمت پر؟"

"ہاں ان چیزوں کے ساتھ۔ ان چیزوں کے متعلق ہی مجھ سے کہا گیا ہے کہ تمہیں دے دوں"

"اب یہ کیا ہانک رہے ہو یار" میں نے پریشان ہو کر کہا۔ "اس کمرے میں تمہارے اور میرے علاوہ کوئی تیسرا ہے نہیں جو تم سے کچھ کہتا الّا یہ کہ ٹام نے کہا ہو جو نیچے کی منزل میں ہے"

"ٹام!" اس نے بے حد تلخی سے کہا "ٹام! شاید تمہاری مراد کوتے ہنکنی سے ہے جیسے پرندوں کو ڈرانے کے لیے باغ میں بٹھا دیتے ہیں کیونکہ کوتے ہنکنی کی کھوپڑی میں ٹام سے زیادہ عقل ہوتی ہے۔ توبہ۔ اکثر مرد کس قدر بے وقوف ہوتے ہیں۔ ارے بھائی یہ کمرہ اس وقت ان سے پٹا ہوا ہے"

"کن سے پٹا ہوا ہے؟"

"ان سے جنہیں تم اپنی جہالت سے بھوت کہو گے۔ لیکن میں انہیں روحیں کہتا ہوں"

"روحیں!؟"

"ہاں۔ ان کی جو انتقال کر گئے۔ اور ان روحوں میں اکثر تو بے حد حسین ہیں۔ ان کی طرف دیکھو" اور اس نے لالٹین اٹھا کر سنہری لوں کے ڈنڈوں کے انبار کی طرف اشارہ کیا۔ ان ڈنڈوں پر نقش و نگار تھے

"خدا حافظ پولٹس" میں نے جلدی سے کہا۔

"جہاں ہو وہیں رکے جاؤ" پولٹس نے کہا "اس وقت تم مجھے

پاگل سمجھ رہے ہو اور میری باتوں کا یقین نہیں کر رہے ہو۔ لیکن ایک دن تم بھی یقین کرنے لگو گے اور اپنی آنکھوں سے دیکھنے بھی لگ جاؤ گے یعنی اس وقت جب میری عمر کو پہونچو گے اور مجھ سے زیادہ صاف طور سے دیکھو گے کیونکہ اس کا بیج تمہاری روح میں حالانکہ اس وقت اسے تمہاری دنیوی خواہشات اور شیطان نے دبا رکھا ہے۔ جب تمہارے گناہ تم پر مصائب لے آئیں گے، مصائب کی بھٹی جب تمہاری خواہشات کو جلا دے گی اور جب تم روشنی تلاش کر لو گے اور روشنی میں رہو گے تب تم ان روحوں پر یقین کرو گے اور انھیں دیکھو گے۔"

اس نے یہ باتیں بڑی سنجیدگی سے کہیں۔ وہاں، ان پرانی چیزوں کے درمیان ــ جو کبھی ان لوگوں کی تھیں جو اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے ــ کھڑا ہوا اور اپنے ہاتھ میں لالٹین ہلاتا ہوا یولیس ٹی ایک دم سے مقدس سا بن گیا۔ اس کے چہرے پر اور بے ڈول جسم پر تقدس اتر آیا اور اس شخص کی طرح معلوم ہونے لگا جس نے روشنی تلاش کر لی ہو اور روشنی میں رہ رہا ہو۔

"تم میری بات کا یقین نہ کرو گے" یولیس ٹی نے کہا، "لیکن میں تمہارے سامنے وہ دہراتا ہوں جو ایک عورت مجھ سے کہہ رہی تھی۔ ایسی عورت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ کسی دوسرے ملک کی تھی، رنگ قدرے گیہواں تھا، عجیب طرح کا بیش قیمت لباس پہن رکھا تھا اور اس کے سر پر بھی کچھ تھا۔ ہاں۔ وہ ــ وہ ہے" اس نے کھڑکی کے گندے شیشے میں سے آسمان میں چمکتے ہوئے

ہلال کی طرف اشارہ کیا "ایسی خوبصورت تھی۔ اور کیا آنکھیں تھیں اس کی۔ ایسی آنکھیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھیں۔ بڑی بڑی اور خوبصورت جیسے ہرنی کی ہوتی ہیں۔ اور بڑی پُروقار جیسے ملکہ ہو اور بے حد شریف حالانکہ بدیسی ہے۔ میں پہلے کبھی کسی کی محبت میں گرفتار نہیں ہوا لیکن اب شاید اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ اور اگر تم دیکھ سکتے اسے تو تم بھی اس سے پیار کرنے لگتے اور میں سمجھتا ہوں کہ کسی نے اپنے وقت میں اس سے محبت کی ہو گی۔"

"کیا کہا اس خاتون نے تم سے؟" میں نے پوچھا کیونکہ اب مجھے لیوسؔ کی باتیں دلچسپ معلوم ہونے لگی تھیں۔

"لفظ بہ لفظ دہرانا تو بہت مشکل ہے کیونکہ اس نے جو کچھ کہا وہ ایک عجیب بولی میں کہا اور تمہارے لیے مجھے اس کا اپنے دماغ میں ترجمہ کرنا پڑے گا۔ البتہ اس کا لبِّ لباب یوں ہے کہ یہ صندوق اور اس میں جو کچھ ہے وہ تم لے جا سکتے ہو۔ اس نے بتایا کہ اس میں ایک تحریر ہے یا اس کا کچھ حصّہ ہے کیونکہ کچھ حصّہ خراب ہو گیا چنانچہ نہیں رہا۔ تمھیں اس تحریر کو پڑھنا یا کسی سے پڑھوانا اور پھر اسے چھپوانا ہے تاکہ دنیا بھی اسے پڑھے اس نے کہا کہ "ہوبرٹ" ایسا ہی چاہتا ہے اور یہ کام اس نے تمھارے سپرد کیا ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ اس نے "ہوبرٹ" ہی نام بتایا تھا اور ساتھ ہی کوئی عرف یا لقب بھی کہا تھا جو میں سمجھ نہیں سکا۔ بس اتنا ہی مجھے یاد ہے اور اس نے کچھ ایک شہر کے متعلق بھی کہا تھا ـــ کیا شہر تھا وہ ـــ ہاں سنہرا شہر اور اس آخری جنگ کے متعلق بھی کچھ کہا تھا جس میں ہوبرٹ

مارا گیا اور بڑی بہادری اور شان سے مرا۔ بے شک وہ یہ باتیں تفصیل سے بتانا چاہتی تھی کیونکہ یہ تفصیلات تحریر میں نہیں ہیں لیکن بیچ میں تم بول پڑے اور وہ چلی گئی۔ اور ہاں۔ اس کی قیمت پچاس پونڈ ہے۔ اس سے ایک کوڑی کم نہ لوں گا۔ لیکن اگر ابھی تمھارے پاس روپیہ نہ ہو تو بعد میں ادا کر دینا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم ایماندار آدمی ہو۔ قیمت دو یا نہ دو بہر حال یہ صندوق تمھارا ہو گیا۔"

"اچھی بات ہے" میں نے کہا "لیکن یہ صندوق مزدور کے ساتھ نہ بھیجنا۔ کل میں چھکڑا بھیج دوں گا۔ اب اس میں تالا لگا کے کنجی مجھے دے دو۔"

چنانچہ صندوق میرے گھر پہونچ گیا اور میں نے اس پیکٹ کا معائنہ کیا۔ اس میں دوسری بھی دلچسپ چیزیں تھیں۔ لیکن ان کا ذکر میں ضروری نہیں سمجھتا۔ شال میں پن کیا ہوا ایک خط تھا۔ جس میں نہ تو تاریخ ہی درج تھی اور نہ ہی کسی کے دستخط تھے۔ لیکن حروف کی نشست اور طرز تحریر سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ خط تقریبًا سات سال پہلے کسی خاتون نے لکھا ہے۔

خط یوں تھا:۔

"میرے والد مرحوم زبردست سیاح تھے۔ نئے نئے مقامات کا کھوج لگانے کا انھیں بہت شوق تھا۔ اپنی شادی سے پہلے وہ یہ چیزیں اپنے سفر سے لائے تھے۔ میرے خیال میں

اس وقت وہ جنوبی امریکہ کے سفر سے لوٹے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ یہ قیمتی لباس ایک مقبرے میں ایک عورت کی لاش پر تھا۔ انھوں نے کہا کہ یہ عورت زبردست اور عظیم رہی ہوگی۔ کیونکہ اس کے چاروں طرف دوسری عورتوں کی بھی لاشیں تھیں جو شاید اس کی خادمائیں ہوں گی۔ اور مرنے کے بعد ان کی لاشیں بھی ان کی آقازادی یا مالکن کے ساتھ رکھ دی گئیں۔ یہ سب لاشیں ایک میز کے گرد بیٹھی ہوئی تھی اور میز کے سرے پر ایک مرد کی لاش یا یوں کہوں کہ اس کا لبادہ یا تھا۔ یہ لاشیں میرے والد نے ایک جنگل میں کسی گم شدہ شہر کے کھنڈروں کے قریب ایک مقبرے میں دیکھی تھیں۔ جس پر زمانے کی گردشوں نے خاک کا ٹیلہ کھڑا کر دیا تھا۔ اس خاتون کی لاش پر جس پر اون کا کفن تھا یا شاید اسے محفوظ رکھنے کے لیے مینڈھے کے اون کے کفن میں لپیٹا گیا تھا۔ کسی قسم کے مسالے سے حنوط کیا گیا تھا۔ اس پر وہاں کے باشندوں نے بتایا کہ یہ خاتون شاہی خاندان کی ہوگی۔ دوسری لاشیں ڈھانچے ہی تھے۔ حالانکہ کھال ہڈیوں پر منڈھی ہی رہی تھی لیکن مرد کی لاش کی ڈاڑھی اور اس کے سر پر لانبے بال، جو سنہرے تھے، موجود تھے اور اس کے قریب ہی ایک زبردست تلوار رکھی ہوئی تھی جس کا دستہ صلیبی تھا۔ اس تلوار کو چھوا گیا تو وہ مٹی ہو گئی۔ البتہ اس کا دستہ اور اس پر کا سرخ نگینہ سلامت رہا۔ لیکن یہ بھی سیاہ پڑ گیا تھا۔ میرے والد نے بتایا کہ یہ چرمی پلندہ مرد کی لاش کے قدموں میں رکھا ہوا تھا۔ انھوں نے کہا کہ جن

لوگوں نے یہ مقبرہ اور یہ لاشیں اور لباس وغیرہ تلاش کیے
تھے انھیں والد نے انعام واکرام دیا اور ہاں زمرّد کا ایک ہار
بھی انھیں ملا تھا۔ انھوں نے کہا کہ ایسے مکمّل نوادرات پہلے کبھی
کسی کو نہیں ملے۔ اور لباس میں تو سچّے سونے کے تاروں کا
کام تھا۔ میرے والد نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ وہ یہ چیزیں کبھی
بھی بیچنا نہ چاہیں گے۔"

خط یہاں ختم ہو جاتا تھا۔

یہ خط پڑھنے کے بعد میں نے لباس کا معائنہ کیا جو اس قسم کا تھا کہ ایسا لباس میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ جن ماہروں کو میں نے یہ لباس دکھایا انھوں نے کہا کہ بے شک یہ جنوبی امریکہ کا ہے۔ بہت قدیم ہے اور ہار کی طرح غالباً "انکا پیرو" کی حکومت سے پہلے کا ہے۔ یہ لباس سرخ رنگوں سے پر تھا اور نمایاں رنگ لال تھا۔ ایسے رنگ میں نے ریڈ انڈین شالوں پر دیکھے تھے۔ یہ سرخ لبادہ ایسے سفید یا زرد استر پر پہنا جاتا تھا جس کے کنارے پر سرخ گوٹ ٹنکی ہوئی ہوتی تھی۔ جو چھوٹا صندوقچہ تھا اس میں زیورات بھرے ہوئے تھے جو سب کے سب سونے کے تھے۔ لیکن یہ سونا ماند تھا یعنی چمکیلا نہ تھا۔ سونے کا ایک ٹیکا تھا، ماتھے پر پہننے کا حلقہ تھا جس پر سونے کا ہی ہلال جڑا ہوا تھا اور زمرّد کی ایک مالا تھی۔ یہ زمرّد تراشے ہوئے نہ تھے۔ اور اب بہت زیادہ گھس گئے تھے اور سرخ سونے میں جڑے ہوئے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہی سمجھ میں نہ آئی۔ دو انگوٹھیاں تھیں اور ان میں کی ایک انگوٹھی پر ایک کاغذ لپٹا ہوا تھا اور اس کاغذ پر

چند سطور لکھی ہوئی تھیں۔ یہ تحریر اس خاتون کی نہ تھی جس کا خط میں اوپر نقل کر چکا ہوں بلکہ کسی مرد کی اور یقیناً اس خاتون کے باپ کی تھی۔ لکھا تھا :-

"یہ انگوٹھیاں عورت کی ممی کے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اتاری گئی ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ صورتِ حال کے پیشِ نظر یہ ممی ہم اپنے ساتھ نہ لا سکے"

یہ انگوٹھی سونے کی اور چوڑی تھی اور اوپر سے گول اور چپٹی تھی۔ کوئی علامت کندہ تھی لیکن کثرت استعمال سے گھس گئی تھی کہ پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ تحریر یا علامت کیا تھی۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ انگوٹھی "مہر" تھی لیکن یہ مہر کس زمانے اور کس ملک کی تھی۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ دوسری انگوٹھی چھوٹے سے چرمی بٹوے میں تھی جس پر سونے کے باریک تاروں سے کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ یہ شادی کی، لیکن غیر معمولی طور پر بڑی انگوٹھی معلوم ہوتی تھی۔ اس پر جو ڈیزائن تھی وہ ایسی تھی جیسے تارے ہوں جن سے شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ اور سب کے آخر میں تلوار کا دستہ تھا۔

تو ایسے تھے یہ زیورات ـــ بشرطیکہ ہم انہیں زیورات کہہ سکیں ـــ جن کی بطور زیورات کے تو کوئی قیمت نہ تھی البتہ جس سونے کے وہ بنے ہوئے تھے اس کی قیمت ہو سکتی تھی۔ رہی مالا تو اس کے زمرد ناقص ہو چکے تھے جیسے آگ میں جل کر یا اور کسی وجہ سے۔ اس کے علاوہ ان میں قدیم مصری زیورات کی سی نزاکت اور کاریگری بھی نہ تھی۔ چنانچہ صاف ظاہر تھا کہ یہ کسی غیر مہذب دور یا غیر مہذب قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے باوجود ان زمردوں کی میری نظر میں خاص قدر و قیمت تھی اور اب بھی ہے۔

اس کے علاوہ انہیں دیکھ کر مجھ پر روحانیت کا ویسا ہی دورہ پڑا جیسا کہ بوڑھے پولش پر پڑا کرتا تھا۔ یہ سرخ لبادہ جس پر سونے کے تاروں سے صلیبیں بنی ہوئی تھیں (یقیناً یہ عیسائی صلیبیں نہ تھیں) اور اس کے نیچے کا یہ اسکرٹ، یہ انگوٹھیاں، یہ مالا اور سر پر کا یہ ماتھا بند، جس پر ہلال تھا، کس نے پہنا ہوگا؟ یقیناً اس خاتون نے جس کی ممی اس مقبرے میں تھی۔ اور جس قوم کی وہ خاتون تھی اسے بھی صفحۂ ہستی سے مٹے شاید صدیاں گزر گئیں۔ اور میں نے سوچا کیا یہ ممی اسی خاتون کی تھی جسے پاگل پولش نے اپنے کمرے میں کھڑے دیکھا تھا۔ اور جو بقول اس کے بڑی پُروقار تھی اور جس کی آنکھیں ہرنی جیسی تھیں؟

نہیں یہ بکواس ہے۔ پولش خوابوں کی دنیا میں بستا تھا یہاں تک کہ وہ ان پر یقین کرنے لگا تھا اور یہ خواب یا یہ روحیں اس کے پاگل دماغ کی اُپج تھیں۔ تاہم اس عورت کا وجود تو بہر حال کبھی رہا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی چاہنے والا یا شوہر بھی تھا جس کے سنہرے بال تھے۔ اور اسی رنگ کی ڈاڑھی تھی۔ اس دور میں، جو یقیناً قدیم ہے، سنہرے بالوں اور سنہری ڈاڑھی والا مرد اس عورت کی، جو ایسا عجیب لباس پہنتی تھی، محبت میں کیسے گرفتار ہوا؟ اور وہ تلوار جس کا دستہ صلیب کی شکل کا تھا، یہ تلوار کہاں سے آئی؟ میرے خیال سے یہ تلوار نارو ی تھی۔ بعد میں قدیم چیزوں کے ماہر نے میرے اس خیال کی تصدیق کر دی۔ میں نے ناروے کے لوگوں کی مہم جوئی کی داستانیں پڑھی تھیں خصوصاً ایک بہادر نارو ی کی داستان مجھے اب تک یاد ہے جو کوئی آٹھ سو نو سو سال پہلے اس ملک کے ساحل پر اترا تھا جو اب

امریکہ کہلاتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ اس مہم جو کا نام "ایرک" تھا۔ تو کیا مقبرے میں جس سنہرے بالوں والے آدمی کی لاش تھی وہ ان مہم جو لوگوں میں سے کوئی ہو گا؟

اور سب کے آخر میں میں جھلی کے اس پلندے یا مسودے کی طرف متوجہ ہوا جس میں ان تمام سوالوں کا یا اکثر سوالوں کا جواب چھپا ہوا تھا لیکن اس وقت میں یہ نہ جانتا تھا۔ کافی موٹا پلندہ تھا۔ جھلیوں کو بڑے اناڑی پن سے کسی قسم کے تنکے کی ڈوری سے آپس میں سی دیا گیا تھا جس طرح کہ کتاب کے اوراق سیئے جاتے ہیں۔ اس پلندے یا مسودے کے آخری حصّے کے بہت سے صفحات سڑگل کر تیتر بتر ہو گئے تھے اور جو باقی تھے وہ بھی چھونے ہی مٹی بن جاتے تھے۔ پورا پلندہ ایک رسّی سے بندھا ہوا تھا۔

یہ رسی میں نے کھولی اور پلندے کی اوپری جھلی یا صفحہ، جس پر کچھ نہ تھا، اٹھایا تو دوسرے صفحہ پر کچھ سیاہ تحریر یا "کالے حروف" تھے۔ یہ حروف باریک اور بہت قریب قریب تھے۔ اور اتنے ماند پڑ گئے تھے کہ اگر میں "کالے حروف" پڑھنا جانتا تب بھی یہ تحریر نہ پڑھ سکتا۔ چنانچہ میری کوشش محض بیکار ثابت ہوئی۔ بے شک اسی تحریر میں اس معمہ کی کنجی تھی لیکن اسے نہ تو میں پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی کوئی اور۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ وہ ہرنی جیسی آنکھوں والی خاتون محض بیکار ہی پوشس کے سامنے آئی تھی۔ اور اس نے بیکار ہی پوشس کو یہ مسودہ مجھے دے دینے کی ہدایت کی تھی۔

چنانچہ اس وقت تو میں مایوس ہو گیا کیونکہ میں سائنس کے اثر سے واقف نہ تھا۔ بعد میں یہ پورا پلندہ اپنے ایک دوست کے پاس لے گیا جس نے پرانے مسودوں کو پڑھنے میں نہ صرف اپنی زندگی گزار دی تھی بلکہ اسی کے لیے بقیہ زندگی وقف

بھی کر دی تھی۔

"بہت مشکل ہے۔" اس نے پلندے کی طرف دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد کہا "تاہم کوشش کرتے ہیں۔"

وہ اٹھ کر الماری میں سے ایک بوتل نکال لایا تھا جس میں دودھیا رنگ کا کوئی سیّال بھرا ہوا تھا۔ اس بوتل میں اس نے ایک برش ڈبویا اور پھر اسے پلندے پر کی تحریر پر پھیرا۔ ایک منٹ بعد ہی میری حیرت زدہ آنکھوں نے دیکھا کہ وہ دھندلی تحریر ایک دم سے ابھر کر کالی اور نمایاں ہو گئی جیسے وہ آج کی جدید روشنائی سے لکھی گئی ہو۔

"ہُم۔ ٹھیک ہے۔ میرا خیال غلط نہ تھا" وہ سر ہلا کر بولا "یہ نباتاتی روشنائی ہے اور اس دوا میں یہ طاقت ہے کہ وہ اس قسم کی روشنائی سے لکھی ہوئی تحریر کو یوں ابھار دیتی ہے جیسے تحریر کل ہی لکھی گئی ہو۔ یہ تحریر پندرہ دن تک ایسی ہی صاف رہے گی اور پھر دھندلا جائے گی۔ میرے دوست تمہارا یہ مسودہ بے حد قدیم ہے، میرے خیال میں رچرڈ دوم کے زمانے کا۔ لیکن میں اسے آسانی سے پڑھ سکتا ہوں۔ دیکھو۔ اس کی ابتدا یوں ہے:۔

"میرا نام ہیوبرٹ ہسٹینگز ہے اور یہ میں اپنے وطن انگلینڈ سے، جہاں میں پیدا ہوا، بہت دور تاڈنٹیسو میں بیٹھا لکھ رہا ہوں۔ اب میں واپس اپنے وطن کبھی نہ جا سکوں گا۔ کیوں کہ میں ایک آوارہ گرد ہوں جیسا کہ میرے جدِ امجد تھور گریمر کی تلوار پر لکھا ہوا ہے کہ میں ایسا ہی بنوں گا۔ یہ تلوار میری والدہ نے مجھے اس وقت دی تھی جب کہ ہسٹینگز کو جلایا گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔"

اور یہاں میرا دوست خاموش ہو گیا۔

"تو پھر پڑھو یار!" میں نے بے چینی سے کہا۔

"میرے دوست!" وہ بولا "میرے اندازے کے مطابق یہ چند مہینوں کا کام ہے اور ایسے کاموں کی، لیے، معاف کرنا، مجھے اجرت دی جاتی ہے۔ اچھا اب سنو کہ کیا کرنا ہے اس سلسلے میں۔ اس پورے سودے کی تحریر صفحہ بہ صفحہ اتاری جائے گی اور اس سے پہلے کہ یہ ماند پڑ جائے اس کا فوٹو لے لیا جائے گا۔ اور پھر ماہر شخص — فلاں بن فلاں — یا فلاں بن فلاں — یہ دو نام مجھے یاد آ رہے ہیں، کو بلایا جائے اجرت دے کر اور پھر وہ ایک ایک صفحے کا ترجمہ کر دیں۔ بے شک خرچ زیادہ ہوگا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ جو کچھ خرچ کرو گے اس کا بدل تمھیں مل جائے گا کیونکہ یہ بڑی نادر اور قدیم تحریر ہے۔ لیکن ٹاؤنیٹیو کہاں ہے یا تھا؟"

"میں جانتا ہوں" میں نے جلدی سے جواب دیا "ٹاؤنیٹیو مملکت ہیرو کا قدیم اور مقامی نام ہے۔ لیکن یہ ہوبرٹ وہاں کیسے پہنچ گیا اور وہ بھی رچرڈ قدم کے زمانے میں؟ سب سے پہلے پیزارو نے اس کے سواحل پر قدم رکھا تھا چنانچہ اس حساب سے یہ ہوبرٹ اس سے چند صدیوں پہلے وہاں پہنچا ہے۔"

"اب یہ تمھیں معلوم کرنا ہے۔ اگر اس کا ترجمہ تم نے چھاپ دیا، بشرطیکہ وہ اس قابل ہوا، تو تم اس پر جو کچھ خرچ کرو گے وہ تمھیں واپس مل جائے گا۔"

چنانچہ یہ کام پورا ہوا۔ اس پر جو کچھ خرچ آیا وہ میں یہاں بتانا مناسب نہیں سمجھتا ہوں۔ چنانچہ اب اس کا جدید اور بامحاورہ ترجمہ میں اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اس کا مصنف ہوبرٹ ہیسٹنگز ہے اور وہ ظاہر ہے کہ ادیب نہ تھا۔ اس کے علاوہ اس نے جگہ جگہ "انڈین" الفاظ کا استعمال کیا ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسے "پیرو کی زبان" یا اس کی شاخ "چانکا بوئی" بولنا

کی عادت پڑ گئی تھی اور اتنی مدت تک وہ یہ بولی بولتا رہا تھا کہ اپنی مادری زبان بھول چلا تھا۔ جہاں تک میرا تعلق مجھے یہ داستان بے حد دردمندانہ، دلچسپ اور سنسنی خیز معلوم ہوئی اور امید ہے کہ آپ کو بھی ایسی ہی معلوم ہو گی۔

لیکن ہائے اس کا انجام کیا ہوا؟ اس سوال کا جواب تو صحیح یا غلط اندازے سے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مسودے کے آخری صفحات مٹی ہو گئے ہیں۔ اور انجام انہی آخری صفحات میں تحریر ہو گا۔ البتہ میں کہتا ہوں کہ اس آخری جنگِ عظیم کا، جس میں ہیوبرٹ مارا گیا، ذکر نہ ہو گا۔ کیونکہ خاتون گیولہ لکھنا نہ جانتی تھی۔ حالانکہ میرے خیال میں وہ اس جنگِ عظیم اور خود ہیوبرٹ کی موت کے بعد بھی برسوں تک (پتہ نہیں کتنے برسوں تک) زندہ رہی ہو گی۔

اس کا ایک، صرف ایک دھندلا سا اشارہ بوڑھے پولشن کے خواب سے ملتا ہے۔ لیکن خواب بہر حال خواب ہوتے ہیں۔



پہلی

کتاب

پہلا باب (۱)

تلوار اور انگوٹھی

میرا نام ہیوبرٹ ہسٹینگز ہے۔ اور یہ تحریر میں اپنے وطن انگلینڈ سے، جہاں میں پیدا ہوا، بہت دور سرزمین ٹاد نٹیسو میں بیٹھا لکھ رہا ہوں اور اب میں اپنے وطن کبھی نہ جا سکوں گا۔ کیونکہ میں ایک آوارہ گرد ہوں۔ میرے جدِ امجد تھور گرگمر کی تلوار کے دستے پر کی تحریر پر ایسا ہی تھا اور ایسا ہی ہوا۔ یہ تلوار، جس پر میرے جدِ امجد کی پیشین گوئی کندہ تھی، میری والدہ نے مجھے اس وقت دی تھی جب ہسٹینگز کی آتش زدگی کا واقعہ پیش آیا تھا۔ یہ آگ فرانسیسیوں نے لگائی تھی۔ یہ تحریر میں اس قلم سے لکھ رہا ہوں جو میں نے پہاڑی عقاب کے بازو کے پر سے بنایا ہے اور روشنائی میں نے اس بوٹی سے بنائی ہے جو خود میں نے تلاش کی ہے اور میرا کاغذ وہ جھلیاں ہیں جو میں نے مقامی مینڈھے کی کھال سے اور خود اپنے ہاتھوں سے بنائی ہیں۔ یہ جھلیاں جیسی بننا چاہئیں ویسی میں نہ بنا سکا حالانکہ یہ فن میں نے اس وقت سیکھا تھا جب میں لندن شہر کے "چیپ" میں تجارت کرتا تھا۔ میں اپنی اس حیرت انگیز اور سنسنی خیز سرگزشت کی ابتدا، ابتدا سے کرتا ہوں۔

میں ایک ماہی گیر کا بیٹا ہوں۔ میرے والد مچھلیاں پکڑنے والی کشتیوں کے مالک تھے۔ اور ہسٹینگز کے پرانے قصبے کے ایک مشہور تاجر تھے اور ایک دفعہ وہ تجارت کے سلسلے میں کہیں جا رہے تھے کہ ان کی کشتی الٹ گئی اور وہ غرق ہو گئے۔ خدا ان کی روح کو سکون بخشے۔ میں چونکہ ان کا اکلوتا بیٹا اور تنہا وارث تھا اس لیے ان کے انتقال کے بعد ان کا کام میں نے سنبھال لیا۔ اور ایک دن میں اپنے دو نوکروں کے ساتھ مچھلیاں پکڑنے گیا۔ اس وقت میری عمر تیئیس برس کی تھی اور میں تندرست اور مضبوط تھا۔ اور دھان پان نہ تھا۔ میرے بال لانبے، سنہرے، چمکدار اور گھونگھریالے تھے۔ میری آنکھیں بڑی بڑی خوبصورت اور نیلی تھیں جیسی کہ اب بھی ہیں حالانکہ اب، سورج اور گرمی کی اس سرزمین میں، وہ قدرے اندر کی طرف دھنس گئی ہیں اور ایک حد تک اُن کی رنگت بھی گہری ہو گئی ہے۔ میری ناک بڑی ہے اور نتھنے پھیلے ہوئے ہیں اور میرا دہن ضرورت سے زیادہ چوڑا ہے۔ حالانکہ میری والدہ اور چند دوسری عورتوں کا خیال تھا کہ میرا دہن بے ڈھنگا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ میرا ڈیل ڈول خاصا تھا ہر چند کہ میرا قد لانبا نہ تھا، میں ہٹا کٹا تھا، سینہ چوڑا تھا، بازو مضبوط تھے اور میں بہت طاقتور تھا، اتنا طاقتور کہ مجھے، جب میں جوان تھا، کوئی پچھاڑ نہ سکتا تھا۔

اب تو خیر میری رنگت حبشی جیسی ہو گئی ہے اور اس حد تک کہ اگر میں اپنے بال اور ڈاڑھی چھپا لوں تو لوگ مجھے ایک ریڈ انڈین سردار ہی یقین کر لیں۔ لیکن اس زمانے میں جس کا ذکر میں کر رہا ہوں، میرے نقوش دلفریب تھے غالباً اس لیے کہ میری صحت حیرت انگیز تھی۔ اور ایک دن کے لیے بھی میں کبھی بیمار نہ پڑا تھا۔ اور اسی مناسبت سے میں خوش مزاج بھی تھا اور ہر صحت مند آدمی ایسا

ہی ہوتا ہے۔ یہاں میں اتنا اور کہوں گا کہ میں بیوقوف نہ تھا بلکہ ان لوگوں میں سے تھا جو اس منزل کو بہر حال پا لیتے ہیں جس تک پہونچنے کا وہ ایک طرفہ ارادہ کر لیتے ہیں۔ اگر میں بیوقوف ہوتا تو آج ایک زبردست قوم کا بادشاہ اور ان کی ملکہ کا شوہر نہ ہوتا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اپنی سرگزشت لکھنے کے لیے آج میں زندہ بھی نہ ہوتا۔

لیکن میرے متعلق بس اتنا ہی کافی ہے اور ان دنوں کا ذکر بھی بہت ہو چکا جو اب ایک خواب معلوم ہوتے ہیں۔

تو آمدم برسر مطلب — میں کہہ رہا تھا کہ ایک دن میں اپنے دو نوکروں کے ساتھ — اور یہ دونوں بھی ملاح تھے — مچھلیاں پکڑنے گیا۔ یہ موسم گرما کی ایک خوشگوار شام تھی اور پروگرام یہ تھا کہ ہم رات بھر مچھلیاں پکڑیں گے اور پو پھٹتے ہی واپس آ جائیں گے۔ ہم سمندر میں اس جگہ پہنچے جو ہمارے لیے مخصوص تھی۔ اور وہاں پہنچ کر ہم نے جال پھینکا۔ اس رات قسمت ہم پر خاص مہربان تھی۔ کیونکہ صبح کے تین بجتے بجتے تو ہماری بڑی کشتی مختلف قسم کی مچھلیوں سے بھر گئی۔ اس سے پہلے کبھی ہم نے اتنی بہت سی مچھلیاں نہ پکڑی تھیں۔

یہاں اس اجنبی سرزمین پر بیٹھ کر جب اپنی جوانی کے واقعات پر غور کرتا ہوں تو ہر واقعہ چاہے وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو، ایک شگون ہی معلوم ہوتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آوارہ گرد اور جلا وطن بننے سے پہلے ہر واقعہ جو میرے ساتھ ہوا تھا اس میں ایک شگون ہی پوشیدہ تھا چنانچہ خلاف توقع اتنی بہت سی مچھلیوں کا ہمارے جال میں پھنسنا بھی ایک شگون ہی تھا۔ کیونکہ میری تو قسمت یہ رہی ہے کہ قسمت مجھ پر مسکراتی ہی میرا ماتھا چومتی ہے، یکایک میرے اچھے دن شروع ہو جاتے ہیں اور پھر دفعتہً میں

سب کچھ گنوا بیٹھتا ہوں اور میرے پاس کچھ نہیں رہتا۔ جس طرح کہ وہ ساری مچھلیاں گنوا بیٹھا۔

اور آج، جب کہ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں، میں شان و شوکت، پیار و محبت اور اخلاص، اختیارات کی دولت سے مالا مال ہوں۔ رہا سونا تو وہ اتنا ہے کہ کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھا ہو گا۔ آج میں دنیا کا امیر ترین شخص ہوں۔ جب میں آگے بڑھتا ہوں تو میری فوجوں کے سپاہی، جواب بھی مجھے دیوتا یقین کرتے ہیں، خوشی کے نعرے لگاتے ہیں اور ہاتھ بڑھا بڑھا کر ہوا کو چومتے ہیں جیسی کہ ان کا فردوں میں رسم ہے۔ میری خوبصورت ملکہ میرے سامنے جھک جاتی ہے اور میرے گھر کی خادمائیں میرے قدموں میں لوٹتی ہیں۔ سنہرے شہر کے لوگ دیوار کی طرف منہ پھیر لیتے ہیں، اور بچے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں کہ ان کی نظر میری تجلی کی تاب نہیں لا سکتی۔ اور جس راستے سے میں گزرتا ہوں اس پر دوشیزائیں پھول بچھاتی ہیں۔ میرا ایک اشارہ کسی کو زندگی بخش سکتا ہے۔ اور کسی کی زندگی ختم کر سکتا ہے۔ اور میرے منہ سے نکلا ہوا ادنیٰ سا لفظ بھی حکم خداوندی کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ اور دوسری بہت سی چیزیں میری ہیں میں آپ اپنی مرضی کا مالک ہوں، میں مختار کُل ہوں۔ کیونکہ میں "دیوتائے بحر" ہوں جو جانکا لوگوں کے لیے فتح و نصرت لے کر آیا۔ انھیں ان کے قدیم وطن میں لے آیا کہ یہاں وہ "انکا" لوگوں سے بے خوف ہو کر امن و سکون سے رہیں

اس کے باوجود اب بھی یہ حال ہے کہ جب میں اپنے قدیم محل کی چھت پر بیٹھتا ہوں یا تاڑوں کی چھاؤں میں اپنے باغ میں ٹہلتا ہوں تو اکثر مجھے وہ رات، جب میں نے اتنی بہت سی مچھلیاں پکڑی تھیں، اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب کچھ یاد آ جاتا ہے۔ اور میں ان واقعات پر غور کرنے لگتا ہوں

اور مجھے وہ فارغ البالی بھی یاد آجاتی ہے اور لنڈن شہر کے ایک چوٹی کے تاجر کے طور پر مجھے حاصل تھی۔ اور یہ بھی کہ بعد میں کیا ہوا۔ اور مجھے بلاتشے ایلی بھی یاد آجاتی ہے۔ جو مجھ سے اونچے خاندان کی خاتون تھی۔ اور جسے میں نے حاصل کیا تھا۔ اور پھر یہ بھی یاد آجاتا ہے کہ بلاتشے کو حاصل کرنے کے بعد کیا ہوا تھا اور یہ سب واقعات یاد کر کے میں خوفزدہ ہو جاتا ہوں کہ خدا جانے میری اس حالیہ حکومت، دولت و ثروت اور امن و سکون کے بعد مجھے کیا ملے گا؟ اب کیا لکھا ہے میری قسمت میں؟

ایک چیز تو بہر حال ملے گی ـــ موت ـــ جلد یا بہ دیر موت مجھے لینے آجائے گی۔ ابھی گزشتہ کل ہی ایک افواہ میرے کانوں تک پہنچی ہے بلکہ سچ کیوں نہ کہہ دوں کہ خود میرے جاسوس یہ خبر لائے ہیں کہ ٹاونٹیسو کا انکاکاری اوپانگی زبردست لشکر اکٹھا کر رہا ہے کہ ہمارا تعاقب کرے یا اس راستے سے آئے جس راستے سے جانکا لوگ اپنے قدیم وطن کو لوٹے ہیں۔ ہاں انکا کے مظالم سے تنگ آکر بھاگے ہیں۔ کاری بھیں، جانکا لوگوں کو، صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ وہی کاری جو کبھی میرے بھائی کی طرح تھا لیکن اب میرا جانی دشمن ہے کیونکہ میں نے آفتاب کی داسی کو اپنی بیوی بنالیا ہے اور کاری اپنی توہم پرستی کی وجہ سے اس بات کو نہ برداشت کر سکتا ہے اور نہ ہی میرے اس گناہ کو معاف کر سکتا ہے۔ جاسوسوں کا کہنا ہے کہ انکا کا لشکر ایک برس سے پہلے کوچ نہیں کر سکتا ہے اور ایک برس انھیں سفر کرتے اور ہمارے مقام تک پہنچنے میں لگ جائے گا۔ اس کے باوجود، چونکہ میں کاری سے واقف ہوں میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ لشکر کوچ کرے گا اور ہمارے وطن تک پہنچے گا اور پھر پہاڑوں کے درّوں میں ایک زبردست جنگ ہوگی

اور اس جنگ میں قیادت مجھے کرنی ہوگی جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں۔

شاید اس جنگ میں مَیں مارا جاؤں گا کیوں کہ میرے جدّ امجد تھور گریم کی تلوار پر جس کا نام "شعلہ بار" ہے، کسی نظم کا مصرع اسی معنی کا لکھا ہوا ہے:

"وہ فاتح ہوگا اور فتح کرتا چلا جائے گا

اور پھر مفتوح ہوگا

دور افتادہ ملک میں میرے ساتھ

ابدی نیند سوئے گا"

بہرحال اگر چانکا فاتح ہوئے تب بھی اس سے مجھے کیا واسطہ کہ میں مفتوح ہوں گا۔ اور پھر میری یہ موت کاری کے نیزے سے ہوگی۔ چنانچہ بڑی شاندار ہوگی اور فوری ہوگی۔ اگر کاری اور اس کے لشکر کو شکست ہوئی اور مجھے یقین ہے کہ سینٹ ہیوبرٹ کی مدد سے ایسا ہی ہوگا، تو پھر کیولہ اور اس کے بچے زندہ رہیں گے اور ان کا کوئی دشمن نہ ہوگا۔

موت! کیا ہے موت؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ ہم میں سے ہر ایک کی آخری امید ہے خصوصاً اس کی جو بے وطن اور آوارہ گرد ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ موت کے بعد نئی اور شاندار زندگی عطا ہوگی۔ اور اگر یوں نہیں ہے تو پھر موت ایک نیند ہے، گہری اور اٹوٹ۔ اس کے علاوہ کیا میری زندگی ایسی خوش گوار ہے یا میں اتنا خوش ہوں کہ موت سے خوفزدہ رہوں اور مرنے سے ڈروں؟ کیونکہ میری یہ تحریر پڑھ نہیں سکتی چنانچہ میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ نہیں۔ میں عیسائی ہوں لیکن میری بیوی اور بچے اور اس سرزمین کے سارے لوگ چاند اور ستاروں اور سورج کی پرستش کرتے ہیں میں سفید فام ہوں لیکن میری بیوی اور بچے تانبے کی سی

رنگت کے ہیں۔ حالانکہ یہ سچ ہے کہ میری سب سے چھوٹی بچی، جس کا نام میں نے اپنی والدہ کے نام پر گڈ ہوڈ رکھا ہے، تقریباً سفید ہے۔ ان کے دلوں کے اسرار میں معلوم نہ کر سکوں گا اور میرے دل کے اسرار انھیں معلوم نہ ہوں گے کیوں کہ ہمارے خون مختلف ہیں۔ تاہم خدا گواہ ہے کہ میں اپنے بچوں کو چاہتا ہوں اور گیوکہ تو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے۔

• ہائے! حقیقت تو یہ ہے کہ اس دنیا میں آدمی کو خوشی اور سکون میسر ہے ہی نہیں۔

یہ کاری کے لشکر کی آمد کی افواہ ہی ہے جس نے مجھے اپنی سرگزشت لکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ میں نہیں جانتا کہ میری موت کب مجھے آئے گی اور اس لیے بھی کہ میری داستان عجیب و غریب ہے۔ چنانچہ میں نے قلم اٹھایا ہے۔ حالانکہ جانتا ہوں کہ یہ حماقت ہے۔ کیونکہ کون پڑھے گا میری یہ داستان؟ کون جانے گا میری تاریخ؟ کسے پتہ چلے گا کہ لندن میں میں کیا تھا اور وہاں مجھ پر کیا بیتی اور یہاں، اس اجنبی سرزمین میں جہاں مجھ سے پہلے کسی سفید فام کے قدم نہ پہونچے تھے، مجھ پر کیا گزری؟ بہر حال مرنے سے پہلے میں یہ حکم دے دوں گا کہ یہ پلندہ میرے مقبرے میں اور میری لاش کے قدموں میں رکھ دیا جائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ میرا یہ مقبرہ اور میری لاش کے قدموں میں رکھی ہوئی یہ تحریر کسی آئندہ دور میں کسی کو مل جائے گی؟ شاید نہیں۔ اس کے باوجود میں اپنی سرگزشت منبط تحریر میں لا رہا ہوں۔ کیوں کہ میرے دل میں کوئی غیبی آواز مجھے ایسا کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔

•

•

تو اب میں ان دنوں کی طرف لوٹتا ہوں جو مجھے ماضی کے بطن میں اور بہت دُور معلوم ہوتے ہیں۔

خیر۔ تو چونکہ اس رات ہم نے بہت سی مچھلیاں پکڑی تھیں اور ہماری کشتی ان سے بھر گئی تھی اس لیے ہم نے کشتی کا رُخ پھیرا اور خوشی کے گیت گاتے ہسٹینگز کے ساحل کی طرف چلے۔ ابھی سویرا نہ ہوا تھا، روشنی ناکافی تھی، اور پھر سطح سمندر پر کہر تھا۔ اس کے علاوہ ہوا ساحل کی طرف سے بہہ رہی تھی یکایک ہم نے بہت سے لوگوں کے بولنے کی بادبانوں کے پھڑپھڑانے اور زنجیروں کے کھڑکھڑانے کی آوازیں سنیں۔ دفعتہً ہوا کے ایک نسبتہً تیز جھونکے نے کہر کے پردے کو ذرا دیر کے لیے چاک کر دیا اور ہم نے دیکھا کہ ہم جنگی جہازوں کے ایک زبردست بیڑے کے درمیان تھے۔ یہ فرانسیسی بیڑا تھا کیونکہ جہازوں کے مستولوں پر اسی ملک کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اس بیڑے کا رُخ ہسٹینگز کی طرف تھا۔ ان جہاز والوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا کیونکہ جہاز پر کے سپاہیوں نے ایک دم سے شور مچایا، ہمیں گالیاں دیں اور ہماری طرف تیر پھینکے اور ہم چھلنی ہونے سے بال بال بچ گئے۔

اور کہر ایک بار پھر اتر آیا اور ہم اس سے فائدہ اٹھا کر فرانسیسی بیڑے کے درمیان سے نکل گئے۔

کوئی ایک گھنٹے میں ہماری کشتی ہسٹینگز کے ساحل تک پہونچ چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ میرے ملازم کشتی کو باندھتے، میں پلیٹ فارم پر کود چکا تھا اور چیخ رہا تھا:۔

"اٹھو۔ اٹھو۔ فرانسیسی آگئے۔ اپنے ہتھیار اٹھاؤ۔ اٹھو — جاگو۔ انکے جنگی جہازوں کا زبردست بیڑا آرہا ہے اور ہم کہرے سے فائدہ اٹھا کر اس بیڑے کے درمیان سے نکل آئے ہیں۔"

چند ثانیوں بعد ہی خوابیدہ ساحل بیدار ہونے لگا۔ قریب کے مچھلی بازار اور دوسری طرف سے بلکہ ہر طرف سے ملاح اور دوسرے لوگ بھاگتے ہوئے آئے، ان کے پیچھے بچے تھے جن کے منہ حیرت سے کھلے تھے اور قریب و دور کے مکانوں کے دروازے کھلے اور ان میں سے عورتیں نکل آئیں اور ان کے بشروں سے سراسیمگی اور خوف عیاں تھا۔ ایک منٹ بعد ہی بھیڑ مجھے گھیر چکی تھی۔ اور ہر طرف سے مجھ پر اتنے نبت سے اور ایسے سوالوں کی بارش ہو رہی تھی کہ جواب میں میں چیخ چیخ کر ایک ایک بات دہرا رہا تھا۔

"ہوشیار — فرانسیسی آگئے۔ ہتھیار اٹھاؤ — میں کہتا ہوں ہتھیار اٹھاؤ —"

چند ثانیوں بعد ایک بوڑھا آدمی، جس کے سینے پر سرکاری بلاآویزاں تھا، بھیڑ میں راستہ بناتا ہماری طرف آنے لگا۔

"راستہ دو — راستہ دو — اپنے قصبے کے میئر کو راستہ دو۔"

ہجوم نے اِدھر اُدھر دب کر اس کے لیے راستہ بنا دیا اور اب بوڑھا میئر ہمارے سامنے کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے رابرٹ ہسٹنگر؟" اس نے پوچھا "آگ لگ گئی ہے کہ تم یوں چیخ چلا رہے ہو؟"

"جی ہاں۔ میئر صاحب!" میں نے جواب دیا "آگ اور قتل و غارت اور وہ سارے تحائف جو فرانسیسی انگلستان کے لیے لا سکتا ہے۔ فرانسیسی

بیڑا ہسیٹنگز کی طرف آرہا ہے۔ پچاس ایک جہاز ہیں اس بیڑے میں۔ کہرے فائدہ اٹھاکر ہم ان کے درمیان سے نکل آئے اس کے علاوہ انھوں نے مچھیروں کی کشتی کی طرف کچھ دھیان نہ دیا۔"

"کہاں سے آئے ہیں وہ؟" یمٹر نے وحشت زدہ ہوکر پوچھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا۔ لیکن ہم دوسری ماہی گیر کشتی کے قریب سے گزرے تھے اور ان کشتی والوں نے چیخ کر ہمیں خبردار کیا کہ فرانسیسی ساحلی بستیوں میں قتل و غارت کرتے ہسٹینگز کی طرف بڑھ رہے ہیں — اسے آگ لگانے اور تلوار پر لینے کی غرض سے۔ اور پھر وہ کشتی کہر میں غائب ہوگئی۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس کے کہ فرانسیسی ایک آدھ گھنٹے میں یہاں پہنچا چاہتے ہیں۔"

مزید سوالات پوچھے بغیر بوڑھا یمٹر پلٹ کر بستی کی طرف بھاگا اور تھوڑی دیر بعد ہی آل سنیٹ اور سینٹ کلیمنٹ کے گرجاؤں کے گھنٹے بج رہے تھے۔ اور منادی کرنے والے چیخ چیخ کر سارے مردوں کو چوک میں اکٹھے ہونے کا حکم سنا رہے تھے۔ میں نے اپنی کشتی اور اس میں بھری ہوئی مچھلیوں کی طرف آخری حسرت بھری نظر ڈالی اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ بستی کی طرف چل پڑا۔

اور تھوڑی دیر بعد ہی میں نیچے، لمبے، بوسیدہ اور لکڑی کے مکان کے سامنے تھا۔ اس کے صحن میں تیپے، لنگر، رسے اور ایسی ہی دوسری چیزیں، جن کی ضرورت مچھلیاں پکڑنے اور اس کی تجارت میں پڑتی ہے دھری ہوئی تھیں۔

مٹر میوبرٹ، اپنے دل میں ایک طرح کا خوف اور ساتھ ہی جوش لیے

کیوں کہ میں پہلی دفعہ جنگ میں شریک ہونے والا تھا، دوڑتا ہوا اس مکان کے قریب پہنچا اور لمحہ بھر کے لیے ایلم کے اس درخت کے سایہ میں ٹھہر گیا جو مکان کے دروازے کے سامنے اگ رہا تھا۔ اس درخت کی نچلی ٹہنیاں کاٹ دی گئی تھیں۔ کیوں کہ وہ کھڑکیوں کے سامنے تھیں اور روشنی کو اندر آنے سے روکتی تھیں۔ ایلم کا وہ درخت مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔ اول تو اس لیے کہ اس کے تنے میں ایک اسٹرلنگ پرندے نے اپنا گھونسلا بنایا تھا اور اس کے بچے کو میں نے پکڑ کر پنجرے میں بند کیا اور اسے بولنا سکھایا تھا۔ یہ مجھ سے اتنا ہل گیا تھا کہ جب میں کہیں باہر جاتا تو اس اسٹرلنگ کو اپنے شانے پر بٹھا لیتا۔ ایک دفعہ ایک بلی سے ڈر کر وہ میرے شانے سے اڑ گیا اور اس سے پہلے کہ میں اسے پکڑتا ایک عقاب نے اسے دبوچ لیا۔ بعد میں میں نے انتقاماً اس عقاب کو تیر سے مار گرایا تھا۔

اس کے علاوہ یہ درخت مجھے اس لیے بھی یاد ہے کہ اس صبح جب میں اس کے سائے میں کھڑا ہوا تھا تو وہ ہرا بھرا تھا۔ لیکن دوسرے دن آتش زدگی کے بعد جب میں نے اسے دیکھا تو وہ جلا ہوا اور لنڈ منڈ تھا۔ یہ تضاد میرے دماغ پر نقش ہو کر رہ گیا۔ اور جب بھی میں عروج کے بعد زوال یا خوشحالی کے بعد بدحالی یا زندگی کے بعد موت دیکھتا ہوں تو مجھے ایلم کا وہ درخت یاد آجاتا ہے۔

میرے تیز دوڑنے اور پھر اس درخت کے نیچے ٹھہر جانے کی وجہ یہ تھی کہ اس گھر میں میری بیوہ ماں رہتی تھی۔ میں جانتا تھا کہ فرانسیسی دوست نہیں دشمن بن کر آئے تھے کیوں کہ وہاں، سمندر میں، ان کا ایک تیر میرے

کان کے قریب سے گزرا تھا اس لیے میں چاہتا تھا کہ اس سے پہلے کہ فرانسیسی ہسٹینگز پر حملہ کریں میں اپنی ماں کو کسی محفوظ جگہ پہنچا دوں لیکن یہ آسان کام نہ تھا کیوں کہ وہ بڑھاپے کی وجہ سے بے حد کمزور ہو رہی تھیں اس درخت کے سائے میں گھڑی بھر کے لیے رکنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ میں نہ جانتا تھا کہ یہ بری خبر میں اپنی ماں کو کس طرح سناؤں کہ وہ خوفزدہ نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس سوال پر غور کرتے اور ایک فیصلہ کرنے کے بعد میں گھر میں داخل ہوا۔

دروازہ، دیوان خانے میں، جس کی حیثیت بستر اور شہتیروں کی اوٹ بھی تھی۔ کھلتا تھا۔ اب کمرے میں میری ماں کھانے کی میز کے قریب، جس پر ناشتہ چنا ہوا تھا، گھٹنوں کے بل جھکی اپنی عادت کے مطابق دعا میں مصروف تھی۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ اسی حالت میں وہ اونگھ گئی تھی۔ میں دروازہ میں کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اسے جگاؤں کہ نہیں؟ میری ماں بڑھاپے میں بھی بہت قبول صورت تھی — اس کی شادی کے کوئی بیس برس بعد میں پیدا ہوا تھا — اس کے بال سفید تھے اور چہرے کے نقوش دلفریب اور بشرے سے خاندانی شرافت عیاں تھی۔ کیونکہ وہ میرے والد سے اونچے خاندان کی فرد تھی اور اپنے خاندان سے جھگڑ کر اور اپنے عزیز و اقارب کی مرضی کے خلاف اس نے میرے والد سے شادی کی تھی۔

میرے قدموں کی چاپ سن کر وہ چونکی اور سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

"عجیب بات ہے" وہ بولی "کہ میں دعا مانگتے مانگتے سو گئی۔

گزشتہ رات تو میں بالکل بھی سو نہیں سکی۔ خدا معاف کرے۔ لیکن جب تم مچھلیاں پکڑنے جاتے ہو تو مجھے رات بھر بے چینی رہتی ہے۔ خیر تو ابھی ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ خفا نہ ہونا ہیوبرٹ سمندر نے میرے شوہر اور دو بیٹوں کو لے لیا ہے چنانچہ میں تمہاری طرف سے' اپنے آخری بیٹے کی طرف سے' متفکر رہتی ہوں تو یہ قدرتی بات ہے۔ ہیوبرٹ! مجھے سہارا دے کر اٹھاؤ۔ جوڑوں کے اس درد نے تو مجھے معذور ہی کر دیا ہے۔ حکیم نے کہا ہے کہ جوڑوں میں پانی بھر گیا ہے اور اس نے کہا ہے کہ ایک دن یہ پانی دل تک پہونچ جائے گا اور پھر ــــ قصہ ختم"

چنانچہ پہلے میں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور پھر اسے اٹھایا اور میز کے سامنے کرسی میں بٹھا دیا۔

"ماں!" میں نے کہا "تمہارا خواب سچا ہے۔ سنو۔ گرجا کے گھنٹے بج رہے ہیں۔ فرانسیسی ہسٹینگز کی ملاقات کو آ رہے ہیں۔ اور یہ میں جانتا ہوں کیونکہ اندھیرے اور کہر میں میں ان کے بحری بیڑے کے درمیان سے نکل کر آیا ہوں"

"اچھا!" ماں نے بڑے سکون سے کہا "لیکن مجھے خوف ہے کہ مصیبت جو آنے والی ہے وہ اس سے بھی بڑی ہے۔ مجھے خوف ہے کہ خواب کی تعبیر یہ نہ ہو کہ تم اپنے مرحوم بھائیوں کے پاس چلے گئے ہو۔ بہر حال فرانسیسی ابھی یہاں نہیں پہونچے ہیں اور تم' خدا کا شکر ہے' صحیح و سلامت آ گئے۔ چنانچہ کھاؤ اور پیو۔ کیونکہ ہم انگلستانی خالی پیٹ نہیں لڑ سکتے۔"

ایک بار پھر میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی کیوں کہ مجھے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ جب میں اور میری ماں کھانا کھا رہے تھے تو ہم نے لوگوں کے نعرے لگانے اور بھاگنے کی آوازیں سنیں۔

"ہیوبرٹ !" ماں نے کہا "تم چاہتے ہو کہ دوسروں کے ساتھ جلدی سے جا ملو اور ساحل پر پہونچ کر اپنی اس بڑی کمان سے دو فرانسیسیوں کو جہنم داصل کردو۔"

"ماں !" میں نے جواب دیا "میں جلد از جلد تمھیں بستی سے نکال کر ایک محفوظ جگہ پہنچا دینا چاہتا ہوں کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ فرانسیسی بستی کو آگ لگا دیں گے۔ بستی سے باہر مائنس راک میں ایک غار ہے جہاں میرے خیال میں تم محفوظ رہو گی۔"

"ہیوبرٹ ! یہ ہماری قوم کی اور خصوصًا ہمارے خاندان کی صدیوں سے خصوصیت رہی ہے کہ جب فرض مردوں کو پکارتا ہے تو عورتیں ان کے لیے پریشانی کا باعث نہیں بنتیں۔ اس کے علاوہ میرے اعضا میں درد ہے اور میں چل کر اور پھر پہاڑ کی ڈھلان پر چڑھ کر کسی بھی غار تک جانے کے قابل نہیں رہی چنانچہ میں یہیں ٹھہروں گی جہاں پچھلے پینتالیس سال سے رہ رہی ہوں پھر جو خدا کی مرضی ہو گی سو ہو گا۔ وہ چاہے گا تو زندہ رہوں گی اور چاہے گا تو مر جاؤں گی۔ تم جاؤ بیٹے۔ میری طرف سے بے فکر ہو کر اپنا فرض ادا کرو۔ ہاں۔ ٹھہرو۔ ہماری ملازماؤں کو بلا کر ان سے کہو کہ وہ بھاگ کر اپنے اپنے عزیزوں کے پاس پہونچ جائیں۔ وہ سب کی سب جوان ہیں چنانچہ تیز بھاگ سکتی ہیں فرانسیسی ان کی گرد کو بھی نہ پا سکیں گے۔"

چنانچہ میں نے آوازیں دے کر ملازماؤں کو بلایا۔ ان سب کے چہرے مارے خوف کے زرد ہو رہے تھے۔ تین منٹ بعد ہی وہ سب کی سب جا چکی تھیں ان میں سے ایک "جو بہت بہادر تھی" اپنی مالکن کے ساتھ ہی رہنا چاہتی تھی لیکن میں نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر روانہ کر دیا۔

ہسٹینگز کی دوسری عورتوں اور بوڑھوں کے ساتھ میں نے انھیں جاتے دیکھا، بہت دیر تک دیکھتا رہا اور پھر واپس اپنی ماں کے پاس آ گیا۔ عین اُسی وقت ایک زبردست شور اٹھا اور میں نے سمجھ لیا کہ بستی والوں کو فرانسیسی جہاز نظر آ گئے ہیں۔

"ہیوبرٹ!" میری ماں نے کہا "یہ کنجی لو۔ میری خواب گاہ میں ایک بڑا صندوق ہے۔ یہ اس کی کنجی ہے۔ اس صندوق میں ایک چیز کپڑے میں لپٹی رکھی ہے وہ لے آؤ"

میں وہ چیز لے کر واپس آیا جو کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی اور پتلی اور لمبی تھی۔ ماں نے چاقو سے اوپر کی ڈوریاں کاٹ کر کپڑا ہٹایا تو اس میں سے روپوں کی ایک پیٹی اور پرانی اور قدیم طرز کے نیام میں ایک تلوار تھی۔ نیام شارک مچھلی کے چمڑے کی تھی اور اس میں سونے کے تاروں کا کام تھا۔

"بے نیام کرو ہیوبرٹ" ماں نے کہا۔

اور میں نے تلوار کھینچ لی۔ اور اب میرے ہاتھ میں سنہری مائل فولاد کی دو دھاری تلوار چمک رہی تھی۔ ایسی تلوار میں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ کیوں کہ اس کے پھل پر عجیب سے نقش یا حروف کندہ تھے، جو میری سمجھ میں نہ آئے۔ حالانکہ میں پڑھنا لکھنا جانتا تھا۔ دستہ صلیب کی شکل کا تھا اور اس میں بھی سونے سے مرصع کاری کی گئی تھی اور دستے کے ماتھے پر سرخ بڑا سا لٹو تھا جو کثرت استعمال سے قدرے گھس گیا تھا۔ بہت ہی عمدہ اور خوبصورت ہتھیار تھا یہ۔

"ماں! اس تلوار کا کیا قصہ ہے؟"

"بیٹے! اس کالی کمان کے ساتھ" اور ماں نے اس بڑی کمان کی طرف اشارہ کیا

جو ایک طرف رکھی ہوئی تھی وہ جو تمہارے پاس ہے، یہ تلوار بھی کئی نسلوں سے ہمارے خاندان میں وراثتہً چلی آئی ہے۔ میرے والد نے بتایا تھا کہ یہ تلوار ان کے جدِّامجد جو ناروی تھے، تھور گریمر کی ہے۔ نارمن لوگوں سے پہلے جن وائیکنگ نے انگلستان فتح کیا تھا تھور گریمر ان کے ساتھ تھے۔ اس میں شک و شبہہ کی گنجائش نہیں کیوں کہ میرے والد کا خاندانی نام گریمر تھا اور تمہارے والد سے شادی سے پہلے میرا بھی خاندانی نام یہی تھا۔ اس کے علاوہ اس تلوار کا بھی ایک نام ہے — شعلہ بار — کہتے ہیں اس تلوار شعلہ بار سے تھور گریمر نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے اور بڑی بڑی جنگوں میں بڑے بڑے بہادروں کو قتل کیا تھا۔ یہ تھور گریمر سیاح یا آوارہ گرد تھا اور ایک دفعہ وہ سمندر پار ایک عجیب اور اجنبی سرزمین میں پہونچ گیا تھا اور وہاں بھی اس نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ آخری عمر میں وہ انگلستان لوٹ آیا اور یہیں مرا۔ وہ بھی بستر پر نہیں بلکہ کسی جنگ یا شاید جھگڑے میں۔ تو یہ ہے اس تلوار کا قصہ۔ اور ہاں۔ جنوب کے ایک عالم نے میرے دادا کو اس تلوار پر کی تحریر کا ترجمہ سنایا تھا جو یوں ہے :-

"وہ جو شعلہ بار اٹھائے گا، کارنامے انجام دے گا
اور محبت کے سائے میں رہے گا اور جنگ میں مارا
جائے گا
وہ طوفانی سمندروں کے سینے پر سفر کرے گا
اور اجنبی سرزمین میں اپنا گھر بسائے گا
وہ فاتح ہوگا اور فتح کرتا چلا جائیگا
اور پھر مفتوح ہو کر دور افتادہ ملک میں

میرے ساتھ ابدی نیند سوئے گا"

"تو یہ الفاظ ہیں جو مجھے یاد ہیں خصوصاً اس لیے کہ ان میں ایک طرح کی شعریت ہے اور اس لیے بھی کہ تھور گریمر اور اس کے پوتے کا بھی یہی حشر ہوا جس نے یہ تلوار تھور گریمر کے مقبرے سے اٹھائی تھی"

یہاں میں اس پوتے اور مقبرے کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا لیکن خاموش رہا کیونکہ وقت بہت کم تھا۔

"میں نے اس تلوار کو جان سے زیادہ سنبھالا ہے۔" ماں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "یہ میں نے نہ تمہارے والد کو دی اور نہ تمہارے بھائیوں کو اس خوف سے کہ کہیں اس پر لکھی ہوئی پیشین گوئی ان کے حق میں پوری نہ ہو کیوں کہ جنوب کے پرانے دور کے ساحر، جو ایسے ہتھیار بناتے تھے، مستقبل میں جھانک سکتے تھے۔ یہ ورثہ ایک حد تک مجھے بھی ملا ہے بیٹے اور میں بھی مستقبل معلوم کر لیتی ہوں۔ ہاں۔ یہ تلوار میں نے تمہارے والد اور بھائیوں کو نہ دی لیکن تمہیں دے رہی ہوں ہیوبرٹ۔ چنانچہ اب یہ تمہاری ہے۔ جاؤ جہاں یہ شعلہ بار تمہیں لے جائے۔ میں نہیں جانتی کہ تمہارے لیے کیا مقدر ہو چکا ہے لیکن اتنا تو یقین سے کہتی ہوں کہ تم بھی تھور گریمر کی طرح اجنبی سرزمین پر قدم رکھو گے اور بڑے کارنامے انجام دو گے۔ ہاں اس کا مجھے یقین ہے ایسا ہی ہو گا۔"

وہ دم لینے کے لیے رکی۔ چند ثانیوں کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

"ہیوبرٹ! شاید تم مجھے پھر نہ دیکھ سکو گے کیوں کہ میں سمجھتی ہوں کہ میرا آخری وقت آ گیا ہے۔ لیکن دیکھو غم نہ کرنا اور پریشان نہ ہونا۔ میں تو اور خوش ہوں کہ اپنے ان عزیزوں سے ملوں گی، جو مجھ سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور شاید تھور گریمر سے بھی وہاں ملاقات ہو گی۔ سنو ہیوبرٹ! میرے ساتھ

کوئی واقعہ ہو جائے یا، ہمارا یہ گھر نہ رہے تو تم یہاں ٹھہرنا نہیں، بلکہ لندن چلے جانا اور میرے بھائی جان گرتیمر کو تلاش کر لینا جو ایک دولت مند تاجر اور سُنار ہے اور "چیپ" نامی علاقے میں رہتا ہے۔ جب تم بچہ تھے تو وہ تم سے بہت پیار کرتا تھا چنانچہ وہ تمھیں جانتا ہوگا اور پہچان لے گا۔ چونکہ اس کے کوئی اولاد نہیں ہے اس لیے تمھارے وہاں پہونچنے پر وہ خوش ہوگا۔ میرے والد نے جان کو یہ تلوار اسی خوف سے نہ دی تھی کہ مبادا اس پر کی پیشین گوئی اس کے حق میں پوری ہو۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ جان ہمارے خاندان کے اس فرد کو خوش آمدید کہے گا جس کے ہاتھ میں یہ تلوار ہوگی۔ چنانچہ لو یہ تلوار اور اشرفیوں کی یہ تھیلی بھی، جو کبھی تمھارے کام آئے گی۔

"ہاں۔ ایک بات اور۔ یہ انگوٹھی لو۔ تلوار اور کمان کے ساتھ یہ بھی ہمارے خاندان میں وراثتہً چلی آرہی ہے۔ اس پر بھی کچھ لکھا ہوا تھا۔ لیکن مدت ہوئی کہ مٹ گیا۔ لو۔ اسے پہن لو۔ شاید یہ انگوٹھی کسی دن تم کسی اور کو دو گے۔ جس طرح کہ میں نے دی تھی۔"

اس ساری داستان پر حیرت کرتے ہوئے میں نے انگوٹھی پہن لی۔ اور میری حیرت بجا تھی کیوں کہ یہ ساری باتیں میری ماں نے اس دن اور اس گھڑی سے پہلے مجھے نہ بتائی تھیں۔

"یہ انگوٹھی میں نے تمھارے والد کو اپنی منگنی کے دن دی تھی" ماں نے کہا، "اور جب سمندر نے انھیں لے لیا اور پھر جب ان کی لاش ملی تو یہ انگوٹھی میں نے ان کی لاش کی انگلی سے اتار لی تھی۔ اب یہ انگوٹھی میں تمھیں دے رہی ہوں کیونکہ آج شام تک تمام ہم دونوں کی نشانی اس دنیا

تب رہ جاؤ گے۔

"سنو!" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے کہا "منادی سارے مردوں کو اپنے اپنے ہتھیاروں کے ساتھ چوک میں جمع ہونے کو کہہ رہا ہے کہ سب مل کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ تمھاری کمر سے تلوار باندھتے ہوئے ایک بات اور کہنا چاہتی ہوں۔ ہیوبرٹ میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔ تمھاری رگوں میں ناروی خون ہے اور ہم ناروی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھاتے اور میری دعا ہے کہ تم کامیاب اور شاد کام رہو اور تھوڑے ہی عرصے میں یادگار کارنامے انجام دو۔

"ہیوبرٹ! تم جوان اور قبول صورت ہو اور ایسے مرد ہو جسے ہر عورت پسند کرے گی اور مجھے خوف ہے کہ تم بھی جنس مخالف کی طرف غیر معمولی کشش محسوس کرو گے کہ یہ کشش بہادر اور جوان مردوں کو قدرت عطا کرتی ہے۔ ہیوبرٹ! عورتوں کی طرف سے محتاط رہنا اور اگر انتخاب کرو تو ایسی عورت کا کرو جو جھوٹی نہ ہو اور وفادار ہو۔ ہائے تم بہت دُور جاؤ گے۔ ہاں میں تمھاری آنکھوں میں دیکھ رہی ہوں کہ تم دور افتادہ اور اجنبی سرزمین میں جاؤ گے۔ لیکن تمھارا دل انگلستان ہی میں رہے گا۔ میرا ماتھا چومو اور جاؤ۔ ہیوبرٹ! تم زائد تر اور بھینسے کی کھال کی پوستین بھول رہے ہو۔ آج ان دونوں کی ضرورت تمھیں پڑے گی۔ جاؤ ۔۔ خدا تمھارا حافظ و ناصر ہو۔ نہیں ۔۔ یہ کیا ۔۔ آنسو! نہیں ۔۔ روؤ نہیں۔ مبادا میری آنکھیں بھی پرنم ہو جائیں اور یہ میں نہیں چاہتی کیوں کہ میں اٹاری کی کھڑکی میں سے تمھیں جنگ کرتے دیکھنا چاہتی ہوں"

•

دوسرا باب (۲)

خاتون بلا نشے

غرضکہ میں بوجھل دل لئے رخصت ہوا کیوں کہ مجھے یاد تھا کہ جب میرے والد اور میرے بھائی غرق ہو گئے تھے تو اسی وقت، حالانکہ اس وقت میں بچہ تھا، ماں نے میرا مقدر بھی ایک حد تک معلوم کر لیا تھا کہ ایسا ہی ہوگا اور میں اس خیال سے کانپ رہا تھا کہ کہیں خود ماں کے متعلق بھی اس کا کہنا سچ نہ ہو۔ میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا تھا۔ بے شک وہ بڑی سخت عورت تھی۔ لیکن وسیع القلب تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سختی اس کا خاندانی ورثہ تھا اور اس کے آخری الفاظ تو بڑے ہی عالی ظرفانہ تھے۔ لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی میں خوش تھا۔ کیوں کہ مجھے ایک تلوار تحفے میں ملی تھی جو اس بہم جو شخص کی تھی جس کا خون میری رگوں میں گردش کر رہا تھا اور آج میں اس تلوار کو استعمال کرنے والا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں تھور گیمیر کی روح کو نہ شرماؤں گا۔ اور میں نے یہ عجیب بات سوچی کہ کیا یہ تلوار بھی خوش ہوگی؟ کیا اسے بھی احساس ہوگا کہ اتنی طویل نیند سے اب وہ بیدار ہوئی ہے کہ دشمنوں کا خون پیئے۔

ایک دوسری بات بھی تھی جس کی وجہ سے میں خوش تھا۔ یعنی یہ کہ میں زندہ رہوں گا۔ فرانسیسیوں کے ہاتھوں مارا نہ جاؤں گا اور طویل

غم پاؤں گا۔ یہ میری ماں نے کہا تھا اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اس زندگی میں مجھے پیار ملے گا ــــ اور سچ تو یہ ہے کہ اس جذبے سے میں کچھ کچھ واقف ہو گیا تھا کیوں کہ میں جوان اور قبول صورت تھا اور لڑکیاں مجھ سے بھاگتی نہ تھیں۔ ہاں میں زندہ رہنا چاہتا تھا، میں مہم جو بننا چاہتا تھا، میں کارنامے انجام دینا چاہتا تھا اور میں کسی حسینہ کا پیار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس سارے معاملے میں ایک بات ایسی بھی جو میرے ذوق کے مطابق نہ تھی۔ یعنی میری ماں کا یہ حکم کہ میں لندن جاؤں اور وہاں اپنے ماموں کی دکان میں بیٹھوں اور سُناریوں تاہم میں نے سنا تھا کہ لندن میں دیکھنے کے قابل بہت سی چیزیں ہیں اور یہ تو بہر حال سچ ہی ہے کہ لندن ہسٹینگز کے مقابلے میں اچھا ہوگا۔

ہمارے گھر کے باہر کا راستہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا، اکثر مرد چوک کی طرف جا رہے تھے اور ان سے ان کی عورتیں اور بچے لپٹے رو رہے تھے۔ اور دوسرے ــ بوڑھے، بیویاں، لڑکیاں اور بچے بستی چھوڑ کر جا رہے تھے۔ وہ دونوں ملاح، جو ہمارے ملازم تھے اور جو میرے ساتھ مچھلیاں پکڑنے گئے تھے، باہر میرا انتظار کر رہے تھے۔ یہ دونوں میرے بچپن سے ہمارے یہاں ملازم تھے۔ بڑے عمدہ ماہی گیر تھے۔ اور ساتھ ہی جنگجو بھی تھے۔ ان میں سے ایک کا نام جیک گرلور تھا اور دوسرے کا ولیم ٹب۔ ولیم ٹب فرانسیسی جنگوں میں شریک ہو چکا تھا۔

"ہم جانتے تھے کہ تم آؤ گے آقا" ولیم نے کہا "اسی لیے ہم یہاں ٹھہرے رہے "

ولیم کبھی تیر انداز رہا تھا چنانچہ وہ تیر کمان اور ایک چھوٹی تلوار سے

مسلح تھا اس کے برخلاف جیک کے پاس صرف کلہاڑی تھی اور ایک چاقو تھا جو مچھلیاں صاف کرنے کے استعمال میں آتا تھا۔

میں نے سر ہلایا اور ہم تینوں چوک میں پہونچے جو مردوں سے گویا اُبل رہا تھا۔ یہ لوگ ہسٹینگز اور اپنے خاندان کو بچانے کے لیے یہاں جمع ہوئے تھے۔ ہمیں وہاں پہونچے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ فرانسیسی جہاز کنارے سے ذرا ہی دور دریا کنارے پر لنگر انداز ہونے لگے اور فرانسیسی ملاح چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر یا کود کر کنارے کی طرف آنے لگے۔

چوک میں بڑی ابتری اور بے ترتیبی تھی کیوں کہ فرانسیسیوں کا یہ حملہ خلافِ توقع تو چاہیے نہ ہو لیکن ایسا اچانک تھا کہ کسی نے بھی مقابلے کی تیاری پہلے سے نہ کی تھی۔

میئر اور دوسرے لوگ اِدھر اُدھر بھاگ کر احکامات صادر کر رہے تھے آخر میں یہ ہوا کہ ہر آدمی نے وہ کیا جو اس کی سمجھ میں آیا۔ کچھ لوگ کنارے کی طرف بھاگے اور دشمن کی طرف تیر پھینکنے لگے کچھ بھاگ کر گھروں میں ہو رہے اور بقیہ شش و پنج کے عالم میں کھڑے رہے ان کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیا کریں۔ میں اور میرے دونوں ساتھی ان لوگوں میں تھے جو کنارے کی طرف بھاگے تھے۔ وہاں پہونچ کر میں نے اپنی بڑی کمان سے چند تیر برسائے اور دشمن کے ایک آدمی کو گرتے دیکھا۔

لیکن یہ فرانسیسی بہرحال تربیت یافتہ سپاہی تھے اور افسروں کے ماتحت تھے اس کے برخلاف نہ تو ہم تربیت یافتہ تھے اور نہ ہی ہمارا کوئی افسر تھا۔ چنانچہ ہمارے تیروں کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور نہ ہی ہم

انھیں خوفزدہ کر سکے۔ فرانسیسی صفیں بنا کر آگے بڑھے اور ہمیں پسپا ہونا پڑا۔ میں جہاں تک ممکن تھا جما رہا اور اپنی تلوار شعلہ بار سے اس فرانسیسی سے لڑتا رہا جو سب سے آگے تھا۔ میں نے موقع دیکھ کر اس کے سر پر وار کیا۔ لیکن میرا وار اس کے بازو پر پڑا اور اس کا بازو کٹ کر گرا۔ اور پھر دوسرے فرانسیسی مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مجھے اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنا پڑا۔

پتہ نہیں کس طرح میں اس بھیڑ میں شامل ہوگیا جو اس ٹیلے کی ڈھلان پر چڑھ رہی تھی، جس پر چھوٹا سا قلعہ تھا۔ فرانسیسی ہمارے پیچھے ہی چلے آ رہے تھے۔ ہم لوگ قلعہ میں پہونچ گئے۔ لیکن دروازے کے پہلو میں بھاری سلاخوں کی جو جالی تھی وہ زنگ آلود ہو چکی تھی۔ چنانچہ بند نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ قلعے کی دیوار بھی جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی تھی۔

یہاں ہمیں بہت سی عورتیں ملیں جو اس خیال سے قلعے میں آگئی تھیں کہ یہاں وہ محفوظ رہیں گی۔ ان عورتوں میں ایک بے حد حسین اور عالی خاندان دوشیزہ بھی تھی، جسے میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اس کے باپ کا نام سر رابرٹ ایس — تھا اور میرے خیال میں وہ پونتی کے قلعے کا گورنر تھا اور اس دوشیزہ کا نام بلانشے تھا — خاتون بلانشے۔ ایک دفعہ میں نے بلانشے سے بات بھی کی تھی۔ لیکن اس موقع کے ذکر کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔ پھر یہ داستان طویل بھی ہے۔ البتہ یہ ضرور بتا دوں کہ اس وقت اس کی بڑی بڑی اور خوبصورت آنکھوں نے مجھ پر سحر سا کر دیا تھا۔ اور بلانشے اپنی آنکھوں کے اس سحر سے واقف تھی اور اسے استعمال کرنا بھی جانتی تھی۔ بلانشے کی رنگت سرخ و سفید تھی۔ بدن نازک نازک اور خوبصورت تھا، قد متناسب تھا، ہر ادا دل لبھانے والی تھی اور آواز

بے حد شیریں تھی ۔ ایسی خوبصورت لڑکی کم سے کم میں نے تو پہلے کبھی نہ دیکھی تھی اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ وہ مغرور نہ تھی ۔ ہم دونوں نے چند باتیں ہی کی تھیں کہ اس کا باپ، جو اپنی سنگدلی اور دولت جمع کرنے کی ہوس لئے پورے علاقے میں مشہور تھا، وہاں آگیا اور بلانشے کو تقریباً گھسیٹتا ہوا لے گیا ۔ یہ سر رابرٹ بڑا ہی لالچی تھا اور اس کی زندگی کا مقصد بس دولت سمیٹنا تھا پھر وہ کہاں سے اور کسی بھی ذریعے سے حاصل کی جائے ۔ بڑا ہی مغرور اور گھمنڈی تھا وہ ۔ چنانچہ وہ اپنی بیٹی کو ڈانٹنے لگا کہ وہ ایک اونی، ذلیل اور ہیچ ماہی گیر سے کیوں باتیں کر رہی تھی ۔ یہ واقعہ چند مہینوں پہلے ہوا تھا ۔

اور اب میں نے اسے یہاں قلعے میں دیکھا اور معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت وہ اکیلی بھی تھی ۔ حیرت ہے کہ اس نے بھی مجھے پہچان لیا اور بھاگ کر میرے پاس آئی اور مجھ سے التجا کرنے لگی کہ میں اس کی حفاظت کروں ۔ اس کے بعد اس نے مجھے ایک طویل کہانی سنائی، جس کے سننے کا میرے پاس وقت نہ تھا، کہ وہ کس طرح اپنے باپ سر رابرٹ کے ساتھ ہسٹینگز آئی ۔ اور ان کے ساتھ جوان نواب زادہ ڈیکے رائے بھی تھا، جو غالباً اس کا کوئی عزیز تھا اور وہ رات ان تینوں نے یہیں ہسٹینگز میں ہی بسر کی ۔ اور یہ کہ جب وہ واپس بیونسی جا رہے تھے تو کس طرح وہ اپنے باپ اور ڈیکے رائے سے بھیڑ میں الگ ہو گئی ۔ کیوں کہ اس کا، بلانشے کا گھوڑا بھڑک کر بھاگا تھا اور یہ کہ کس طرح لوگوں نے اسے بازو سے پکڑ کر اس قلعے میں پہونچا دیا تھا اور کہا تھا کہ یہ محفوظ ترین مقام ہے اور اس کے باپ کا بیونسی کی حفاظت کے لئے وہاں لوٹنا بے حد ضروری تھا وغیرہ وغیرہ

"تو پھر خاتون بلانشتے! تم یہیں رہو" میں نے اس کی بات کاٹ کر جواب دیا "اور میرے قریب ہی رہو۔ جہاں تک ممکن ہوگا میں تمھاری حفاظت کروں گا۔ چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے"

اور حقیقت میں وہ اس سارا دن میرے قریب ہی بلکہ مجھ سے چپکی رہی جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

اور اس بلندی پر سے ہم نے ہسٹینگز کو جلتے دیکھا۔ فرانسیسی لٹیروں نے بستی میں جگہ جگہ آگ لگا دی تھی اور بستی کے سارے ہی مکان چوبی تھے۔ اس لیے انھوں نے آگ فوراً پکڑ لی۔ اس کے علاوہ ہم نے خوفناک مناظر دیکھے اور دہشت ناک چیخیں سنیں۔ گھروں میں لوگوں کو زندہ جلایا جا رہا تھا، سڑکوں پر انھیں قتل کیا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ وحشی حملہ آوروں نے بچوں کو بھی نہ بخشا۔ کیوں کہ بعد میں میں نے بہت سے بچوں کی لاشیں دیکھیں۔ اور تھوڑی دیر بعد ہی غلیظ دھوئیں کے بادلوں میں سے فرانسیسیوں کے دستے نکل کر قلعے کی طرف بڑھتے نظر آئے وہ قلعہ پر حملہ کرنے آرہے تھے، وہ تین سو یا اس سے زیادہ تھے اور ہم صرف پچاس تھے، میرا مطلب ہے جو جنگ کرنے کے قابل تھے اور ان میں سے بھی اکثر کے پاس پورے ہتھیار نہ تھے اور پھر بوڑھے تھے اور عورتیں اور بچے تھے۔ دوسرے لوگوں کا کیا بنا یہ میں نہیں جانتا۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہے کہ ہر طرف سے احکامات صادر ہوئے تھے اور کچھ لوگ ادھر اور کچھ ادھر بھیجے گئے تھے اور کچھ میرے خیال میں بے مالک کی بھیڑوں کی طرح بھاگ گئے تھے۔

فرانسیسیوں نے قلعے پر دھاوا بول دیا اور اپنے ساتھ لائے ہوئے

شہتیروں سے دروازہ توڑنے لگے۔ ہم میں سے جس کے پاس کمانیں تھیں انھوں نے دشمن پر تیر چلائے۔ لیکن ہمارے تیر اچٹ گئے کیونکہ فرانسیسیوں کی زرہیں نئی اور عمدہ تھیں۔ لیکن ہم میں سے بہت کم لوگوں کے پاس کمانیں تھیں۔ اس کے علاوہ ہم جب بھی فصیل پر سے سر ابھارتے تو دشمن ہم پر تیروں کی ایسی باڑھ مارتے کہ ہم ان کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ خصوصاً اس لئے کہ ہم زرہیں پہنے ہوئے نہ تھے۔ پہنتے کہاں سے کہ ہمارے پاس زرہیں تھی ہی نہیں۔ فرانسیسیوں نے آخرکار دروازہ، اور ایک طرف سے، جہاں سے وہ کمزور تھی، دیوار توڑ دی اور اندر گھس آئے۔ جہاں تک بن پڑا ہم نے ان سے جنگ کی۔ میں نے شعلہ بار سے دو فرانسیسیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ میرے قریب ہی میرا ساتھی جیک لڑتا ہوا مارا گیا۔

آخرکار جو بچ رہے تھے انھیں اور ان کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو بھی فرانسیسیوں نے قلعے سے باہر ڈھکیل دیا۔ ہمارے زخمیوں کو ظالم دشمن نے قتل کر دیا، ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا اور جو عورت اور لڑکی انھیں جوان اور حسین معلوم ہوئی اسے پکڑ لیا۔ انھوں نے خاتون بلانشے کو خصوصیت سے پکڑنے کی کوشش کی کیوں کہ وہ سب سے زیادہ حسین تھی لیکن خوش قسمتی سے میں نے اُسے بچا لیا۔

ہوا یوں کہ ہم ان لوگوں میں سے تھے جو سب کے آخر میں قلعے سے نکلے اور سچ تو یہ ہے کہ میں ایسا کرنا نہ چاہتا تھا۔ کیوں اب میرا خون گرم ہو گیا تھا چنانچہ میں چند دوسرے بہادروں کے ساتھ مل کر اس وقت تک جنگ کرتا رہا جب تک ہمیں ڈھکیل نہ دیا گیا۔ میں نے خاتون بلانشے سے کہا کہ وہ دوسری عورتوں کے ساتھ آگے بھاگ جائے لیکن وہ اس کے لیے

تیار نہ ہوئی اور کہا کہ وہ میرے علاوہ اور کسی پر اعتبار نہیں کر سکتی اور یہ کہ وہ میرے ساتھ رہے گی اور میرے ساتھ ہی مرے گی۔

چنانچہ یوں ہوا کہ ایک دیوقامت فرانسیسی، جس کی نظر پہلے سے ہی بلانشے پر تھی، اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا لپک کر آگے آیا اور بلانشے کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے ساتھ گھسیٹ لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں اس پر ٹوٹ پڑا اور وہ مجھ سے لڑنے لگا۔ اس کی زرہ بھی عمدہ تھی اور اس کے پاس ڈھال بھی تھی جب کہ میرے پاس ڈھال نہ تھی لیکن میرے پاس لمبی تلوار تھی اور اس کے پاس جنگی کلہاڑا تھا اور میں جانتا تھا اگر وہ اپنے کلہاڑے سے مجھ پر وار کرنے میں کامیاب ہو گیا تو میرا خاتمہ ہو جائے گا کیوں کہ میری چرمی پوستین وار کو ہلکا نہ کر سکتی تھی۔ لہٰذا میں اس کے کلہاڑے سے دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا اور یہ میرے لئے مشکل نہ تھا کیوں کہ میں جوان اور پھرتیلا تھا اور اچھل کر ادھر ادھر ہو جاتا تھا۔ اس کے برخلاف فرانسیسی زرہ کے بوجھ کی وجہ سے آسانی اور پھرتی سے ادھر ادھر نہ گھوم سکتا تھا۔ چنانچہ آخر میں یہ ہوا کہ میں نے اس کے بازوئے زرہ کے جوڑ پر تلوار مار کے ایک چرکا لگا دیا اس پر وہ فرانسیسی میں گالیاں بکتا جنگلی بھینسے کی طرح مجھ پر جھپٹا۔

میں اچھل کر ایک طرف ہو گیا اور جب وہ اپنے ہی زور میں میرے قریب سے گزر رہا تھا تو میں نے پوری قوت سے اس کے تلوار ماری۔ تلوار اس کی گردن اور شانے کے درمیان پڑی اور اس تلوار، جس کا نام شعلہ بار تھا، کی کاٹ ایسی غضب کی تھی کہ وہ زرہ کو اور پھر اس کے نیچے گوشت اور ہڈی کو کاٹتی ہوئی ریڑھ کی ہڈی تک اتر گئی۔ وہ ڈھیر ہو کر گرا گرتے وقت اس کی زرہ

نے جو آواز پیدا کی تھی وہ مجھے اب تک یاد ہے۔

اور پھر ہم ڈھلانی راستے پر بھاگے۔ میرے ایک ہاتھ میں خون آلود تلوار تھی اور دوسرے میں بلانکشے کا ہاتھ تھا۔ اور میرے ساتھ بھاگتی ہوئی بلانکشے اپنی خوبصورت آنکھوں سے میرا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

آخر کار ایک بار ہم پھر بستی میں تھے اور اس راستے پر بھاگے جا رہے تھے جو میرے گھر کی طرف جاتا تھا۔ ہمارے دائیں بائیں مکان جل رہے تھے اور ہمارے پیچھے فرانسیسیوں کا ایک اور گروہ بھاگا آ رہا تھا۔ دھواں ہماری آنکھوں میں گھس کر سوزش پیدا کر رہا تھا اور ہم راستے میں پڑی ہوئی لاشوں یا زخمیوں سے ٹھوکریں کھا رہے تھے۔

بائیں طرف سر گھمایا تو ہماری نظر اس ایلم کے درخت پر پڑی جس کا ذکر میں کر چکا ہوں اور جو میرے گھر کے سامنے اُگ رہا تھا۔ اس درخت کے پیچھے میرا گھر جل رہا تھا اور میں نے کچھ اور بھی دیکھا اٹاری کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس میں میری ماں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور شعلے اس کے گرد محراب سی بنا رہے تھے اس کے علاوہ وہ گا رہی تھی کیونکہ میں نے اس کی آواز بھی سنی اور گیت کے وحشتناک الفاظ بھی حالانکہ یہ عجیب بات تھی کہ اس وقت، جب کہ موت شعلوں کے روپ میں اسے آغوش میں لینے کے لئے بڑھ رہی تھی، وہ گا رہی تھی۔ ماں نے مجھے دیکھا اور پہچان بھی لیا کیونکہ اس نے دونوں ہاتھ میری طرف ہلائے اور اور پھر سمندر کی طرف اشارہ کیا۔ کیوں؟ یہ اس وقت میں سمجھ نہ سکا۔ میں بھاگتے ہوئے ٹھہر گیا کہ اپنی ماں کو بچالوں حالانکہ گھر کے سامنے کا حصہ دھڑا دھڑ جل رہا تھا اور اس میں گھسنا خود موت کے منہ میں جانا تھا۔ لیکن اس کی پروا نہ کر کے میں اندر گھس پڑا ہوتا لیکن عین اسی وقت گھر کی

کی چھت گر کر اندر کی طرف بیٹھ گئی اور چنگاریوں کا فوارہ سا اٹھا۔ یہ آخری دفعہ میں نے اپنی ماں کو دیکھا تھا۔ حالانکہ بعد میں ہم نے اس کی لاش تلاش کر کے دوسری لاشوں کے ساتھ دفنا دی۔

ایک سکنڈ بھی وہاں ٹھہرنا خطرناک تھا۔ کیونکہ فاتح فرانسیسی بستی میں بکھر رہے تھے اور اس طرف آرہے تھے اور وہ تیر برسا رہے تھے۔ اور جو شخص بھی انہیں مل رہا تھا اسے بے دریغ قتل کر رہے تھے۔ ہم مائنس راس کی تقریباً عمودی ڈھلان پر بھاگے جا رہے تھے۔ میں تو میدان کی طرف بھاگ گیا ہوتا لیکن بلانشے تھکن سے چور تھی اور بھاگ نہ سکتی تھی۔ دو دفعہ وہ خوف اور تھکن سے نڈھال ہو کر بیٹھ گئی اور مجھ سے التجا کرنے لگی کہ اسے چھوڑ کر نہ جاؤں اور سچ تو یہ ہے کہ میں خود بھی اسے چھوڑ کر جانا نہ چاہتا تھا چنانچہ آخر کار میں اور ولیم بُل جو ہمارے ساتھ تھا اسے اٹھا کر بدقت تمام اس غار میں لے آئے جس کا ذکر میں کر چکا ہوں اور جہاں میں اپنی ماں کو پہنچانا چاہتا تھا۔ یہ کام مشکل تھا اور سست بھی کیونکہ ڈھلان جیسا کہ میں نے کہا عمودی تھی اور ہم قدم قدم پر ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ چند فرانسیسیوں نے ہمیں دیکھ لیا اور ان کا ایک گروہ ہمارے پیچھے لگ گیا۔ ان تعاقب کرنے والوں میں سے اکثر شاید جانتے تھے کہ ہمارے ساتھ جو خوبصورت عورت تھی وہ کون تھی کیوں کہ ہسٹینگز میں بہت سے جاسوس تھے جنہوں نے انھیں اس کی خبر دے دی ہوگی اور اب وہ بلانشے کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتے تھے۔

وجہ کچھ بھی ہو بہر حال فرانسیسی ہمارے تعاقب میں آئے۔ چند

دوسری عورتیں بھی ہمارے ساتھ ہو گئی تھیں۔ غالباً اس لئے کہ وہ زیادہ چل نہ سکتی تھیں یا شاید اس لئے کہ ان کا خیال تھا کہ میں اور ولیم انھیں بچا لیں گے۔

ہم غار تک پہونچ گئے اور عورتوں کو غار میں ڈھکیل کر میں اور ولیم اس کے دہانے پر تیار اور منتظر کھڑے رہے۔ ولیم کے پاس کمان نہ تھی اور میرے پاس اب صرف تین تیر باقی رہ گئے تھے اور میں ان تیروں کو ٹھیک سے استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا کیوں کہ میں قبیلے کا بہترین تیر انداز تھا اور میرا نشانہ کبھی خطا نہ کرتا تھا۔ میں نے تینوں تیر نکالے اور اپنا دم درست کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ فرانسیسی چلاتے اور ہمیں دھمکاتے چلے آرہے تھے۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ وہ "حسینہ" کو بہر حال حاصل کر لیں گے۔

"وہ میری ہو گی" ایک دیو ہیکل بولا۔

یہ فرانسیسی سب سے آگے تھا۔ اس کی ناک بیٹھی تھی اور دہانہ چوڑا تھا اور وہ مجھ سے صرف پچاس گز دور تھا۔

میں اٹھا، میں نے دل ہی دل میں سینٹ ہیوبرٹ کو، جن کے نام پر میرا نام رکھا گیا تھا، یاد کیا، چلّے میں تیر جوڑ کر چلّہ اپنے کان تک کھینچا اور نشانہ لے کر تیر چھوڑ دیا۔ تیر سنسناتا ہوا چلا اور دیو قامت فرانسیسی کے بڑے منہ میں گھس کر اس کی زبان کو گردن سے ٹانک دیا۔

وہ تیورا کر گرا۔ میں نے خوشی کا نعرہ لگایا اور اس کے پیچھے آتے ہوئے دوسرے فرانسیسی کو نشانہ بنا کر دوسرا تیر چھوڑا۔ یہ دوسرا فرانسیسی بھی الٹ کر پیچھے آتے ہوئے اپنے ساتھی پر گرا۔

میں نے تیسرا اور آخری تیر چڑھایا اور منتظر رہا۔ ان دونوں کے پیچھے جو فرانسیسی تھا وہ موٹا اور پست قامت تھا اور شاید نائٹ تھا کیوں کہ وہ زرہ پہنے ہوئے تھا اور اس کی ڈھال پر مرغا بنا ہوا تھا۔ یہ شخص اپنے دو ساتھیوں کا حشر دیکھ چکا تھا اس لئے آگے بڑھتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ لیکن پیچھے آنے والے اسے ڈھکیل رہے تھے۔ چنانچہ اس نے کمر سے جھک کر ڈھال اپنے سر پر کر لی، اپنی کھوپڑی اور جسم بچانے کے لئے اور پھر تیزی سے آگے بڑھا۔

میں اس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک کہ میرے اور اس کے درمیان پچیس گز سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ میں منتظر تھا کہ ناہموار زمین کی وجہ سے وہ کہیں نہ کہیں ٹھوکر کھائے گا اور سنبھلنے یا اپنا توازن برقرار رکھنے کے لئے ذرا دیر کے لئے اپنے سر پر سے ڈھال ہٹائے گا اور وہ موقع ہوگا میرے تیر چلانے کا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ آخرکار ایک بار پھر میں نے سینٹ ہیوبرٹ کو یاد کر کے چلّہ کھینچا یہاں تک کہ وہ میرے کان کو چھو گیا اور پھر میں نے تیر چھوڑا۔ تیر ڈھال پر پڑا اور خدا کی قسم ڈھال کو پھاڑ کر اس کی زرہ پر لگا اور اسے چیرتا ہوا فرانسیسی کے بدن میں پیوست ہو گیا اور وہ مردود بھی اس دنیا سے رخصت ہوا۔

"واہ! بہت ہی عمدہ نشانہ تھا آقا" ولیم نے کہا "مسٹینگز میں اور کوئی ایسی کمان نہیں ہے جو ایسا شاندار نشانہ لگا سکے۔"

"ہاں برا نہ تھا" میں نے کہا "لیکن یہ آخری تیر تھا۔ اب ہمیں تلوار اور کلہاڑی سے اس وقت تک جنگ کرنی ہے جب تک کہ دشمن ہمارے ٹکڑے نہیں اڑا دیتا۔"

ولیم نے سر ہلایا اور غار میں عورتوں نے رونا شروع کر دیا۔ میں نے کمان کا چلّہ اتار ا اور غالباً عادت سے مجبور ہو کر اسے اس کے خول میں رکھ دیا۔ میرا خیال تھا کہ اب میں قیامت تک اپنی اس کمان کو استعمال نہ کر سکوں گا بلکہ اب اسے شاید دیکھ بھی نہ سکوں گا۔

یکایک گھاٹ پر لنگر انداز فرانسیسی جہازوں میں سے بگلوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ غالباً یہ بگل کسی خطرے کا اعلان کر رہے تھے۔ ہماری طرف بڑھتے ہوئے فرانسیسی ٹھٹک گئے، پھر پلٹ کر بھاگے۔ میں اور ولیم غار کے دہانے کے قریب سے ہٹ کر آگے بڑھے اور ایک پتھر پر چڑھ کر ہم نے سمندر کی طرف دیکھا اور میں نے دیکھا کہ مشرق کی طرف سے بہت سے جہاز چلے آ رہے تھے اور ان کے مستولوں پر جو جھنڈے لہرا رہے تھے وہ انگلستان کے تھے۔

"ہمارا بیڑا ہے ولیم" میں نے کہا۔

"کاش کہ یہ پہلے آگیا ہوتا" ولیم نے جواب دیا "پھر بھی غنیمت ہے کہ اب بھی آگیا۔"



اور یوں ہم بچ گئے اور یوں ہوا کہ ان فرانسیسی لیٹروں کو اپنے اس حملے سے کچھ زیادہ فائدہ نہ ہوا کیوں کہ انگلستان کے بیڑے نے ان کے اکثر جہاز جلا دئیے اور ان کے بہت سے سپاہی یا تو مارے گئے یا جہازوں کے ساتھ جل مرے۔ لیکن اس جنگ کا، جو انگلستانی اور فرانسیسی بیڑوں میں ہوئی میری اس داستان سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے یہاں اس کی تفصیلات

بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

خیر تو اب جب کہ جنگ ختم ہوگئی اور خطرہ ٹل گیا تو میں حد درجہ کی تھکن اور کمزوری محسوس کرنے لگا اور میرے دماغ میں صرف ایک خیال جل رہا تھا — میں نے اپنی ماں کو جلتے دیکھا تھا۔

لیکن پھر وہ واقعہ ہوا جس نے میری اداسی دور کر دی اور ایک بار پھر میری رگوں میں خون، جو جیسے گاڑھا اور ٹھنڈا ہوگیا تھا، گرم ہوکر گردش کرنے لگا۔

میں غار کے دہانے کے قریب چٹان سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور میرے ہاتھ میں شعلہ بار تھی جو میں نے فرانسیسیوں سے آخری جنگ کرنے کے لیے بے نیام کرلی تھی اور میں اپنی ماں کے متعلق جسے میں نے جلتے دیکھا تھا، سوچ رہا تھا اور میرے دل میں غم اترتا جارہا تھا کہ اپنے آپ کو محفوظ دیکھ کر بلانشے غار سے باہر آئی اور مجھے مخاطب کر کے مجھے عجیب اور پیار بھرے القاب سے نوازنے لگی۔ اس نے مجھے ہیرو کہا، اپنی جان کا محافظ کہا اور پتہ نہیں اور کیا کچھ کہا۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اوّل تو اس لئے کہ میری سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیا جواب دوں۔ اور دوم اس لئے کہ میرے سینے میں درد ہو رہا تھا وہاں قلعے کے قریب ایک فرانسیسی کو میں نے مار گرایا تھا لیکن مرنے سے پہلے اس نے اپنی کلہاڑی سے مجھ پر وار کیا تھا جو میرے سینے پر پڑا تھا اس وقت تو میں نے کچھ محسوس نہ کیا تھا لیکن اب پسلیاں درد کر رہی تھیں — مجھے یوں خاموش دیکھ کر بلانشے آگے بڑھی۔ میری گردن میں اپنی نازک بانہیں ڈال دیں اور ایک بوسہ میرے بائیں گال پر ثبت کر دیا اور پھر میرے

ہونٹ بھی چوم لئے۔ اور یوں شکریہ ادا کرنے میں وہ اپنی شرم وحیا بھی، جو ایک دوشیزہ میں قدرتی ہوتی ہے، بھول گئی۔ بعد میں ولیم نے مجھ سے کہا کہ بارے احسان مندی کے وہ ایسی خود فراموش ہو گئی تھی تو اس نے ولیم کے ہونٹ کیوں نہ چومے، حالانکہ اس کی جان بچانے میں اس کا حصہ بھی تھا۔

یہ بوسے میرے لئے شراب کی طرح تھے کہ ان کا نشہ میں یہ سطور لکھتے وقت بھی محسوس کر رہا ہوں۔ ہم اپنی طویل عمر میں ہر چیز تو بھول سکتے ہیں لیکن نرم گرم ہونٹوں کا پہلا لمس نہیں بھولتے پھر یہ ہونٹ کتنے ہی جھوٹے اور بے وفا کیوں نہ ہوں۔

میرا جوان خون سنسنانے لگا اور میرا جی چاہا کہ میں یہ بوسے مع سود کے لوٹا دوں اور میں ایسا کرنے ہی والا تھا کہ میں نے ایک کھردری آواز سنی جو عجیب سی گالیاں بک رہی تھی اور میں نے ان عورتوں کی بھی آوازیں سنیں جو ہمارے ساتھ غار میں تھیں۔ وہ اپنی پریشانیاں بھول کر ہنس رہی تھیں اور آپس میں فقرے بازی کر رہی تھیں جیسی کہ ان عورتوں کی عادت ہوتی ہے اور عموماً وہ اس وقت کرتی ہیں جب وہ مرد اور عورت کو بوسے لیتے دیکھتی ہیں۔

"خدا کی قسم!" کھردری آواز نے کہا "کون ہے یہ مردود جو میری بیٹی کے ساتھ ایسی بے تکلفی برت رہا ہے جیسے ابھی ایک گھنٹہ پہلے ان کی شادی ہوئی ہو؟ لڑکے! اپنے ہونٹ میری بیٹی کے ہونٹوں پر سے ہٹا لو۔ ورنہ میں انہیں کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

میں نے گردن گھما کر دیکھا اور دم بخود رہ گیا۔ بزنستے کا باپ

بھورے رنگ کے گھوڑے پر سوار کھڑا تھا اور اس کے ساتھ بہت سے مسلح سپاہی تھے جو ایک کالی آنکھوں والے اور لا تیے نوجوان افسر کے ماتحت معلوم ہوتے تھے۔ اس افسر نے نہایت ہی نفیس لباس زیب تن کر رکھا تھا اور اس کے جوتوں کی نوکیں اتنی زیادہ مڑی ہوئی اور اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں کہ میں سوچنے لگا کہ اس نے انھیں رکابوں میں کس طرح داخل کیا ہو گا اور اگر اسے گھوڑے پر سے اتار دیا گیا تو وہ کس طرح چل سکے گا؟

میں سناٹے میں آ گیا تھا اس لئے کوئی جواب نہ دے سکا۔ لیکن ولیم نے، جو حالانکہ جاہل تھا لیکن جس کے منہ میں زبان تھی اور جو حاضر جواب بھی تھا میری طرف سے جواب دیا۔

"اگر آپ معلوم کرنا ہی چاہتے ہیں سر رابرٹ ایلی" وہ بولا "تو میں بتاتا ہوں کہ جو یہ ہے یہ میرے شریف اور قابل پرستش آقا ہیوبرٹ ہیسٹنگز ہیں جہازوں کے مالک، ذاتی مکان کے مالک، اور تاجر۔ یا وہ مالک تھے لیکن اب شاید ان کے جہاز اور مکان جل گئے اور مکان کے ساتھ ان کی والدہ بھی اور یہ بھی کہ اب ہسٹینگز میں ایک مدت تک کوئی تجارت اور بیوپار نہ ہو گا"

"ہو گا" رابرٹ ایلی نے مزید گالیاں بک کر کہا "لیکن وہ میری بیٹی کے بوسے کیوں لے رہا تھا۔؟"

"شاید اس لئے کہ انھیں جو کچھ ملا تھا اس کا عوض چکا رہے تھے۔ کہ ایماندار تاجر ایسا ہی کرتے ہیں یا شاید اس لیے کہ دنیا کے کسی بھی مرد سے زیادہ میرے آقا کو آپ کی بیٹی کے بوسے لینے کا حق حاصل ہے کیونکہ اگر میرے آقا نہ ہوتا تو آپ کی بیٹی اب تک یا تو مر چکی ہوتی یا فرانسیسیوں کی دل بستگی کا سامان بن چکی ہوتی"

اور اب نوجوان افسر نے کہا :۔

" اس قابلِ پرستش تاجر کے پاس کچھ اور ہو یا نہ ہو بہرحال ایک ترچی تو اس کے پاس ہے ہی ۔"

" آپ نے بالکل ٹھیک کہا لارڈ ڈیلے رائے " دلیم نے بڑے سکون سے جواب دیا " کیوں کہ جب مجھے اچھا گیت مل جاتا ہے تو پھر میں اسے گانا پسند کرتا ہوں ۔ اب آپ جا کر ان تین لاشوں کو معائنہ کیجئے جو ڈھلان پر پڑی ہیں۔ ان کے جسموں میں جو تیر پیوست ہیں ان پر آپ کو میرے آقا کی علامت نظر آ جائے گی اور قلعے میں جائیے وہاں آپ کو ایک نگمٹے نائٹ کی لاش ملے گی جس کی گردن نصف سے زیادہ کٹ چکی ہوگی اور یہ تلوار بھی لے جائیے اور دیکھئے کہ یہ اس زخم میں فٹ ہو جاتی ہے کہ نہیں ! اور دوسری لاشوں کا پتہ بھی میں دوں گا اور یہ تمام لاشیں اس خاتون کو بچانے کے لئے گرائی گئی ہیں۔ ہاں جائیے کہ آپ کا لباس نفس ہے اور اس پر دشمن کے خون کا ایک داغ بھی نہیں ہے اور پھر واپس آکر ترچی کی بات کیجئے جناب ! "

" بشت " لارڈ ڈیلے نے حقارت سے کہا اور اپنے شانے اچکائے " ایک خاتون ہراساں ہو کر ایک عام بلکہ تیج آدمی پر مجبوراً اعتبار کرنے لگی تو اس کے دل میں دھوئے اٹھے اور ذلیل کی آنکھیں ہو گئیں "

یہ الفاظ نہ تھے بلکہ تیر تھے جو میرے دل میں اتر گئے چنانچہ میں، جو یہ سب جیسے خواب کے عالم میں سن رہا تھا، ایک دم سے بیدار ہو گیا ۔ اس کے علاوہ میں نے سنا تھا کہ یہ ڈیلے رائے، جو اپنی شرافت اور اعلیٰ النسبی کا ڈھول پیٹ رہا تھا، حقیقت میں شہزادے کی کسی داشتہ کے پیٹ سے تھا ۔ چنانچہ بادشاہ نے اسے خطاب اور جاگیر سے نواز دیا تھا اور شہزادہ سر رابرٹ کا

کا دور کا عزیز تھا لہٰذا اسی مناسبت سے وہ سر رابرٹ کا بھانجا یا شاید بھتیجا بنا ہوا تھا۔

"جناب!" میں نے کہا "کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ بہتر طور پر جانتے ہیں کہ ہم دونوں میں زیادہ ذلیل اور نیچ کون ہے، میں یا خود آپ؛ خیر خاندان اور حسب نسب کی بات جانے دیجئے۔ کم سے کم اس وقت تو میرے ہاتھ میں وہ تلوار ہے جو میرے جدامجد مقبور گریمر کی ہے جو اپنے دور کا عظیم ترین آدمی تھا اور یہ میرے صحیح النسب ہونے کا ثبوت ہے، ماں کی طرف سے بھی اور باپ کی طرف سے بھی بہرحال آج میں جنگ کر چکا ہوں اور اس سے اکتا بھی گیا ہوں اور تھکا ہوا بھی ہوں لیکن آپ نے جنگ میں حصہ لیا ہی نہیں، ممکن ہے اس میں آپ کا قصور نہ ہو، اور آپ زرہ بکتر پہنے ہوئے ہیں اور میں چونکہ ایک عام ذلیل انسان ہوں اس لئے میرے پاس زرہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ چنانچہ اب آپ اپنے گھوڑے سے ذرا اتر آیئے کہ ہم دونوں میں دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ آیئے اور میرے جسم پر اپنی تلوار سے میری ذلالت اور اپنی شرافت کا ثبوت لگا دینے کی کوشش کیجئے میں نیچ سہی لیکن اس سے تو آپ کو انکار نہ ہوگا کہ میں بھی آپ ہی کی طرح گوشت و پوست کا بنا ہوا ایک انسان ہوں۔"

میرے ان الفاظ نے غالباً ڈیلے رائے کو غیرت یا شاید جوش دلایا اور معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے گھوڑے سے اترنے والا ہے کہ اب پہلی دفعہ بلانشے نے زبان کھولی۔ اس نے پہلے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اپنے گھوڑے پر جیسے پریشان سا بیٹھا تھا اور پھر اس نے ڈیلے رائے کی طرف گھوم کر کہا:۔

بھائی! پاگل نہ بنو۔ میں سچ کہتی ہوں اس جوان نے آج دو دفعہ میری جان اور عزت بچائی ہے اس لئے اب اگر میں نے اس کے ہونٹ چوم کر اس کا شکریہ ادا کیا تو

تو کیا برا کیا؛ کہ ایک عورت اسی طرح اپنی احسان مندی کا ثبوت دے سکتی ہے"

ڈیلے رائے شش و پنج میں پڑ گیا حالانکہ وہ اپنا ایک مڑی ہوئی نوک والا جوتا میز میں سے نکال چکا تھا کہ دفعتہً سر رابرٹ نے اپنی کمزوری آواز میں کہا :۔

"بھتیجے! بہتر ہوگا کہ تم اس جوان لڑاکا مرغے کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ کیونکہ اس کا یہ خون آلود کانٹا مجھے تو دہشت ناک معلوم ہوتا ہے" اور سر رابرٹ نے شغلہ بار کی طرف دیکھا "بے شک یہ مرغا تھکا ہوا ہے لیکن اب بھی کیا تم ایک دولایتی رسید کرنے کا دم رکھتا ہو"

اور پھر میری طرف گھوم کر انھوں نے کہا :۔

"جوان! تم نے خوب جنگ کی اور بڑی بہادری کا ثبوت دیا حالانکہ اکثر سپاہی اپنی بہادری کا ثبوت اس سے کم دے کر نائٹ کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ تمھاری اس بہادری کا شکریہ ایک دوشیزہ نے اپنے طور پر ادا کیا تو اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں۔ میں اس لڑکی کا باپ ہوں اس لئے میں بھی تمھارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ ہماری ملاقات پھر ہوگی، تب تک کے لئے خدا حافظ! بیٹی! میرے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ہمیں فوراً بیوسنی کی طرف روانہ ہونا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ فرانسیسی دماغوں میں کیڑا رینگے اور وہ ہمارے قلعے کی طرف متوجہ ہو جائیں"

اور ایک منٹ بعد ہی وہ جا چکے تھے اور میں نے اپنے دل میں درد کی ٹیس محسوس کر کے دیکھا کہ بلانشے نے میری طرف ہاتھ ہلایا اور پھر گھوم کر ڈیلے رائے سے تیز تیز باتیں کرنے لگی۔ وہ شاید اسے سرزنش کر رہی تھی

تیسرا باب (۳)

لندن میں

بلانشے اور اس کے پیچھے وہ دوسری عورتیں، جو غار میں پناہ گزیں تھیں، نظروں سے اوجھل ہو گئیں میں نے اور ولیم نے اس چشمے کے پانی سے، جو وہاں سے دور نہ تھا، پیاس بجھائی اور پھر ہم ان تین لاشوں کی طرف چلے جنھیں میں نے مار گرایا تھا کہ اپنے تینوں تیر لاشوں میں سے نکال لوں اس لیے کہ کیا پتہ کب اُنکی ضرورت پڑ جائے۔ لیکن میں یہ تیر حاصل نہ کر سکا کیونکہ ان میں سے ایک تیر ٹوٹ گیا اور دوسرے دو تیر دو لاشوں کے گوشت اور ہڈیوں میں اس طرح پیوست تھے کہ کوئی سرجن ہی انھیں نکال سکتا تھا۔

مجبوراً ہم نے انھیں یونہی چھوڑا اور اس سے پہلے کہ یہ لاشیں دفن کی جاتیں بہت سے لوگ انھیں دیکھنے آئے اور حیرت کرنے لگے کہ میں نے تین تیروں سے تین دشمنوں کو مار گرایا اور آخری تیر تو زرہ بکتر کو توڑتا ہوا بدن میں ترازو ہوا تھا۔ اس پر لوگوں نے اور بھی زیادہ حیرت کا اظہار کیا۔

یہاں میں یہ بتا دوں کہ اس لاش کی زرہ ولیم نے اپنے قبضے میں کر لی کیونکہ وہ اسی کے ناپ کی تھی۔ اس کے علاوہ دوسرے دن قلعے میں واپس پہونچ کر میں نے اس سپاہی کی زرہ، جس کو میں نے شعلہ بار سے قتل کیا تھا، اپنے قبضے میں کر لی۔ یہ بہت عمدہ زرہ تھی اور چار آئینے میں سونا جڑا ہوا تھا اور اس کے جوڑ بھی سونے کی زنجیروں سے جوڑے گئے تھے۔ اس کی

ڈھال پر اس کے امتیازی نشان کے طور پر تین دندانے دار تیر بنے ہوئے تھے۔ حالانکہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس نائٹ کا کیا نام تھا۔ اس زرہ کو، جس کی قیمت بہت زیادہ ہوگی، ہسٹینگز کے پیٹر نے مجھے اپنے پاس ہی رکھنے کی اجازت دے دی کیونکہ اس نائٹ کو میں نے قتل کیا تھا۔ اور یہ میرا جائز حق تھا اور اس وقت میں کیا جانتا تھا کہ مستقبلِ قریب میں یہ زرہ میری کیسی زبردست خدمت انجام دے گی۔

اس وقت تک شام ہو چکی تھی اور رات کا اندھیرا اترنے والا تھا۔ اور غار کے دہانے پر سے ہم نے دیکھا کہ ہسٹینگز کا وہ حصہ جو سینٹ لیونارڈ گاؤں کے قریب تھا، جلنے سے بچ گیا تھا۔ چنانچہ ہم سمندر کے کنارے ہی کنارے اس طرف چلے۔ کیونکہ بستی کا ایک حصہ اب بھی سلگ رہا تھا اور ہم اس طرف سے اور بستی میں سے ہو کر جاتے تو خوف تھا کہ جلتی ہوئی لکڑیاں، تختے یا شہتیر ہم پر گرتے یا ہم آگ کی تپش سے جھلس جاتے۔ راستے میں ہمیں دو تین لوگ ملے اور ان سے ہمیں معلوم ہوا کہ بستی میں کیا کچھ ہو گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ فرانسیسیوں کے مقتولوں کی تعداد زیادہ تھی کیونکہ انگریز بھیڑیے کی آمد کی خبر سن کر جب فرانسیسی بھاگے تو اکثر افراتفری میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے۔ اور مارے گئے۔ اکثر اپنے جہازوں تک نہ پہونچ سکے اور انگریزی سپاہیوں نے انھیں اپنے جہازوں سے روند کر غرق کر دیا لیکن خود ہسٹینگز کو جو مالی نقصان پہونچا تھا اس کی تلافی ممکن نہ تھی کیوں کہ نصف سے زیادہ شہر جل چکا تھا یا جل رہا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگ، میری ماں کی طرح، اس آگ میں زندہ ہی جل گئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو بوڑھے تھے، بیمار تھے۔ یا زچائیں تھیں بستر سے اٹھنے کے قابل نہ

تھیں۔ ساحل پر اور گھاٹ پر لوگوں کی بھیڑ تھی۔ یہ سب کے سب اداس اور غمزدہ تھے اور اس منحوس شام کو صرف عورتیں اور بچے ہی نہیں بلکہ مرد بھی رو رہے تھے۔

میرا گھر بھی جل چکا تھا۔ چنانچہ میں اس پادری کے پاس پہونچا جو میرے والد کا دوست تھا۔ ولیم میرے ساتھ تھا۔ پادری نے ہم دونوں کو خوش آمدید کہا اور وہاں ہم نے کھانا کھایا اور آرام کیا۔ پادری نے میری صحیح سلامت واپسی پر خدا کا شکر ادا کیا اور میری ماں کے انتقال پر مجھے صبر کی تلقین کی اور مجھے دلاسہ دیا۔

اس رات میں سو نہ سکا اور یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ جب آدمی بہت زیادہ تھکا ہوا ہو تو اسے نیند نہیں آتی۔ اس کے علاوہ یہ میری عمر میں پہلی جنگ تھی چنانچہ جب بھی میری آنکھ جھپکتی میں بار بار ان سپاہیوں ہی کو دیکھتا جنھیں میں نے اپنی تلوار اور تیروں سے قتل کیا تھا۔

بہرحال میں خوش تھا کہ زندہ تھا اور حیرت ہے کہ اب میں ایک عجیب طرح کی کپکپی محسوس کر رہا تھا۔ یہ کپکپی اور یہ خوف میں نے جنگ میں محسوس نہ کیا تھا۔ خدا جانے ایسا کیوں تھا؟

اور آخر میں وہ شہزادی تھی جس کی یاد مجھے ستا رہی تھی اور جسے قسمت ایسے عجیب طریقے سے میرے پاس لے آئی تھی۔ اس کی خوبصورت اور بڑی بڑی آنکھوں نے میرا دل چھید دیا تھا اور لاکھ کوشش کے باوجود میں اس کے خیال کو اپنے دل سے نکال نہ سکتا تھا، اس کی آواز اب میرے کانوں میں گونج رہی تھی اور اس کے بوسے اب بھی میرے رخساروں اور ہونٹوں پر جل رہے تھے۔ یہ خیال میرے دل پر برمے چلا رہا تھا کہ

اب شاید اس سے میری ملاقات کبھی نہ ہوگی یا اگر ہوئی تو اس سے گفتگو نہ کر سکوں گا کیونکہ بہر حال میں اس سے کم رتبہ تھا۔ اس کے علاوہ اس کے والد کا غصہ مجھ پر تھا اور پھر اس کے چچا زاد یا خدا جانے ماموں زاد بھائی ڈیلے رلائے کے دل میں میرے خلاف رشک و رقابت کی آگ بھڑک اٹھی ہو۔ اور کہتے ہیں کہ اسے بادشاہ اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھتا تھا۔

لیکن میری ماں نے کیا نصیحت کی تھی مجھے: یہی کہ میں یہ بستی چھوڑ کر لندن چلا جاؤں اور وہاں اپنے ماموں، جان گریر کو تلاش کر دوں جو سنار اور تاجر ہے اور اس سے کہوں کہ اپنے کاروبار میں وہ مجھے شریک کر لے۔ مجھے اپنے یہ ماموں یاد تھے۔ کوئی سات آٹھ برس پہلے، جب لندن میں پلیگ پھیلا تھا، وہ ہمارے یہاں چند دنوں کے لئے آئے تھے۔ وہ ایک ہفتے سے زیادہ ہمارے یہاں نہیں رہے تھے کیونکہ انھوں نے کہا تھا کہ سمندری ہوا نے ان کے پیٹ میں تکلیف پیدا کر کے بدہضمی کی شکایت پیدا کر دی ہے اور یہ کہ وہ "تندرست پیٹ" کے ساتھ پلیگ سے مرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ انھیں اپنے پیٹ کی نہیں بلکہ اپنے دھندے کی زیادہ فکر تھی۔

میرے یہ ماموں بوڑھے تھے اور عجیب آدمی تھے۔ ان کی صورت شکل میری ماں سے بہت حد تک ملتی جلتی تھی۔ البتہ ان کی ناک ہونٹوں پر قدرے جھکی ہوئی تھی، آنکھیں کالی اور چھوٹی تھیں اور سر گنجا تھا۔ جس پر وہ مخمل کی ٹوپی اوڑھے رہتے تھے۔ سخت گرمیوں میں بھی انھیں سردی لگتی تھی۔ چنانچہ وہ سموری کوٹ پہنے رہتے تھے جو خاصا پرانا تھا۔ ہر چند کہ وہ پکے عیسائی تھے لیکن لگتے تھے یہودی جیسے۔ اس پر وہ بہت ہنستے

اور کہتے تھے کہ یہ اچھا ہی ہے کہ اس سے انھیں بیوپار میں خاصا منافع اور آسانی رہتی ہے کیوں کہ لوگ یہودیوں سے ڈرتے ہیں اور ان سے قیمت وغیرہ کے معاملے میں حجت نہیں کرتے۔

مجھے یہ بھی یاد آیا کہ جب وہ، یعنی ماموں یہاں تھے تو انھوں نے کتابوں اور میرے علم کے معاملے میں میرا امتحان لیا تھا اور مجھے یاد ہے کہ میں انھیں مطمئن نہ کر سکا تھا۔ پھر انھوں نے ہمارے سامان اور کشتیوں وغیرہ کی قیمت آنک کر میری ماں کے سامنے اعلان کیا تھا کہ ہمیں دھوکا دیا جارہا ہے اور یہ کہ اگر ہم ہوشیاری سے کام لیں تو اس وقت جتنا کماتے ہیں اس سے دگنا کما سکتے ہیں۔ جاتے وقت انھوں نے مجھے سونے کا ایک سکّہ دیا کہ زندگی مایا کا کھیل ہے اور یہ بھی اور یہ کہ جب وہ اس دنیا میں نہ رہیں تو میں ان کی روح کے لیے دعا کروں۔ کیوں کہ دوسری دنیا میں یقین ہے کہ انھیں دعاؤں کی ضرورت پڑے گی اور پھر انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں سونے کا یہ سکّہ کسی کو سود پہ قرض دے دوں۔ لیکن میں نے یہ کیا کہ اس سے ایک نہایت ہی خونخوار قسم کا کتا خرید لیا اور پھر اس کتے نے قصبے کے چند شرفا کو کاٹ لیا اور ان شرفا نے اس کی شکایت میئر سے جڑ دی۔ چنانچہ اس بے چارے کتے کو مار ڈالا گیا، جس کا میں نے کئی دنوں تک سوگ منایا۔

یہ سب باتیں مجھے یاد آئیں تو مجھے احساس ہوا کہ ماموں جان مجھے پسند تھے حالانکہ وہ دوسرے لوگوں سے مختلف تھے۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ میں کیوں نہ ان کے پاس چلا جاؤں، کیوں کہ مجھے لندن کی ایک دکان میں بیٹھنا پسند نہ تھا۔ اس لیے کہ مجھے سمندر اور کھلی فضائیں پسند تھیں اور اس لیے بھی کہ وہ مجھ سے پوچھیں گے کہ میں نے ان کے دئیے ہوئے سکّے کا

کیا کیا اور اس پر میرا مذاق اڑائیں گے کہ اس سے میں نے ایک کتا خریدا تھا۔ لیکن میری ماں نے مجھے انھیں کے پاس جانے کو کہا تھا اور یہ اس کا آخری حکم تھا، یہ اس کی گویا وصیت تھی جس پر عمل کرنا میرا فرض تھا۔ اس کے علاوہ ہمارا گھر اور کشتیاں جل چکی تھیں اور انھیں دوبارہ بنانے اور خود اپنی زندگی بھی بنانے کے لئے مجھے سخت محنت کرنی تھی۔ اور سب کے آخر میں یہ کہ لندن میں بلانتشے ایلی کو میں نہ دیکھ سکوں گا کہ وہ وہاں ہوگی ہی نہیں اور یوں میں اسے رفتہ رفتہ بھول جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے لندن جانے کا فیصلہ کیا اور پھر نیند نے مجھے آلیا اور میں سو گیا۔

دوسرے دن میں نے پادری سے، جو میرے مرحوم باپ کا دوست تھا، سارا ماجرا بیان کر کے مشورہ طلب کیا اور اس نے کہا کہ ماں کی آخری خواہش پوری کرنا میرا فرض ہے۔ اور مجھے لندن چلے جانا چاہیے۔ کیونکہ اکثر دفعہ مرنے والے کے آخری الفاظ خود خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور اس میں ہماری تقدیر پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میرا بلانتشے ایلی کو بھول جانا ہی مناسب ہوگا جو رتبہ میں اور خاندان میں مجھ سے بہت بلند ہے چنانچہ اس سے میل جول رکھنا میرے لیے خطرے سے خالی نہیں بلکہ میری موت کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کے علاوہ میں اپنے ماموں کی مدد سے اپنی بگڑی قسمت بنا سکوں گا۔ پادری نے کہا کہ وہ، ماموں جان، دولت مند ہیں۔ ایسا اس نے سنا ہے اور یہ کہ وہ ماموں کے نام ایک خط اپنی طرف سے لکھ دیں گے۔

چنانچہ یوں معاملہ طے ہو گیا۔

تاہم ہسٹینگز کو خیرباد کہنے میں چند دن نکل گئے۔ اوّل تو مجھے میرے جلے ہوئے گھر کی راکھ کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار تھا کہ اس میں سے میں اپنی ماں کی لاش تلاش کر سکوں۔ بہرحال جیسے میں ماں کی لاش ملی انھوں نے بتایا کہ وہ جل کر کوئلہ نہ ہوئی تھی جیسی کہ توقع تھی لیکن یہ لوگوں نے کہا ہے اس کے متعلق میں خود یقین سے

کچھ کہہ نہیں سکتا کیونکہ میں اس کی لاش دیکھنے کی جرأت نہ کرسکا خصوصاً اس لئے کہ میں اسے اس طرح یاد رکھنا چاہتا تھا جیسی وہ زندگی میں تھی۔ خیر۔ اسے سینٹ کلیمنٹ کے قبرستان اور میرے والد کے پہلو میں دفن کردیا گیا اور میں اس کی قبر پر کھڑے ہوکر بہت دیر تک روتا رہا۔

وہ سارا دن میں نے سفر کی تیاری میں گزار دیا۔ اب اسے اتفاق کہئے یا قسمت کی خوبی کہ میرا گھر تو جل گیا تھا لیکن صحن کے انتہائی سرے پر جو اصطبل تھا وہ جلنے سے بچ گیا تھا۔ اس اصطبل میں ایک گھوڑا تھا اور ایک گھوڑی۔ یہ دونوں جانور ہرچند کہ خوفزدہ تھے لیکن انہیں کوئی نقصان نہ پہونچا تھا۔ اس کے علاوہ اسی اصطبل میں اور بہت سی چیزیں بھی تھیں۔ مثلاً جال، خشک مچھلیاں، جو پیپوں میں بھری ہوئی تھیں اور پتہ نہیں کیا کچھ۔ یہ گھوڑے تو میں نے اپنے لئے رکھ لئے البتہ وہ زمین جس پر ہمارا گھر تھا اور اردگرد کی زمین میں نے ولیم کے نام کردی اور ولیم نے وعدہ کیا کہ وہ جب کبھی قابل ہوگا تو ان کی قیمت ادا کردے گا۔

دوسرے دن صبح میں لنڈن کے لئے روانہ ہوا۔ میں اپنے بھورے گھوڑے پر سوار تھا۔ وہ زرہ، جو میں نے فرانسیسی نائٹ کی لاش پر سے اتاری تھی، اور میرا دوسرا سامان گھوڑی پر لدا ہوا تھا۔ مجھے خدا حافظ کہنے والا کوئی نہ تھا سوائے ولیم کے کیونکہ ہسٹینگز والے خود اپنی تباہی اور اپنے عزیز واقارب کا، جو مارے گئے تھے، ماتم کررہے تھے اور یہ اچھا ہی ہوا کیونکہ میں خود اپنا آبائی وطن چھوڑنے کے خیال سے اس قدر غمزدہ تھا کہ اگر کوئی میرا دوست یا شناسا مجھے الوداع کہنے آیا ہوتا اور دو بول تسلی کے کہتا تو میں اپنے آنسو نہ روک سکتا۔ ایک بلند ٹیلے پر پہونچ کر جب میں رکا اور گھوم کر ہسٹینگز کے کھنڈروں کی طرف دیکھا تو یکایک تنہائی کا احساس مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ میری ہمت جواب دے گئی اور مستقبل کا خوف میرے دل میں اتر گیا اور میں نے سوچا

کہ میں بد قسمت ہوں۔ میں بد قسمت پیدا ہوا تھا اور بد قسمت ہی مروں گا اور میرا انجام شاید قید خانے میں، ہو گا یا پھانسی کے تختے پر یا پھر میں ایک عام آدمی یا ایک غریب ماہی گیر رہ کر افلاس اور دکھوں میں زندگی گزاروں گا۔ بچپن سے ہی اداسی اور مایوسی کے دورے مجھ پر پڑا کرتے تھے لیکن یہ دورہ پچھلے تمام دوروں سے زیادہ شدید تھا۔

آخر کار سورج طلوع ہوا اور اس کے ساتھ ہی میری ہمت خود کر آئی اور اب میں نے یوں سوچا کہ میں جنگ میں مر سکتا تھا لیکن میں زندہ ہوں جوان ہوں اور تندرست ہوں۔ اس کے علاوہ میرے پاس تلوار ہے، کمان ہے اور بہترین زرہ ہے اور بیس یا زیادہ سونے کے سکے ہیں (میری ماں نے مجھے تھیلی دی تھی لیکن اس میں جو سکے تھے وہ میں نے اب تک شمار نہیں کئے تھے) اس کے علاوہ مجھے امید تھی کہ ماموں مجھے خوش آمدید کہیں گے اور میرے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر میں فوج میں بھرتی ہو جاؤں گا اور وہاں میری قدر ہو گی کیونکہ میں تلوار چلانا جانتا ہوں۔

چنانچہ میں دل ہی دل میں سینٹ ہیوبرٹ کو یاد کر کے لمبی ڈھلان کی چوٹی پر پہونچا اور وہاں ایک گروہ کے سامنے تھا جو اپنی کلائیوں پر باز بٹھائے ہیونسی کے دلدلوں کی طرف شکار کو جا رہا تھا۔ یہ لوگ ابھی دور تھے کہ میں نے انھیں پہچان لیا۔ یہ سر رابرٹ ایلی، ان کی بیٹی بلانشے ایلی اور بادشاہ کا بھتیجا لارڈ ڈیلے برائے اور ان کے خادم تھے۔ میں نے سوچا کہ ان سے کترا کر نکل جاؤں لیکن پھر خیال آیا کہ بادشاہ کی بنائی اس شاہراہ پر سفر کرنے کا مجھے بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ ان لوگوں کو۔ اس کے علاوہ خودداری نے بھی مجھے اکسایا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے بغیر بے پروائی

سے ان کے قریب سے نکلا چلا جاؤں۔ ہاں اگر وہ میری طرف متوجہ ہوئے تو پھر دیکھا جائے گا۔ ان لوگوں نے بھی مجھے دیکھ لیا کیونکہ میں نے سردار بڑھے کو اپنی کھردری اور بلند بانگ آواز میں کہتے سنا:۔

"لو۔ وہ ماہی گیر لڑکا آ رہا ہے سامنے سے۔ بیٹی! اس کے قریب سے خاموشی سے گزر جانا"

اور میں نے ڈھیلے رائے کو بھی بڑبڑاتے سنا:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کا مال غنیمت بیچنے جا رہا ہے۔ ایسے لوگ اور کر بھی کیا سکتے ہیں"

بلانشتے نے نہ تو اپنے باپ کو کوئی جواب دیا اور نہ ڈھیلے رائے کو بلکہ وہ اپنے سامنے نظریں جمائے اپنی کلائی پر بیٹھے ہوئے باز سے باتیں کرتی رہی چونکہ اب وہ مطمئن اور بے خوف تھی، یعنی خطرہ گزر چکا تھا چنانچہ اس وقت وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین معلوم ہوتی تھی۔

چنانچہ یوں ہم ملے اور قریب سے گزر گئے۔ میں نے بے پروائی اور بے تعلقی سے ان کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔ ابھی میں کوئی دس گز دور گیا تھا کہ میں نے بلانشتے کی چیخ سنی:۔

"ہائے میرا باز"

میں نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ بلانشتے کی کلائی پر بیٹھا ہوا باز کسی طرح آزاد ہوگیا تھا یا شاید اسے "قصداً" آزاد کر دیا گیا تھا اور چونکہ اس کے سر پر ٹوپی چڑھی ہوئی تھی اس لئے وہ زمین پر جا پڑا تھا اور ایک کتا اسے بھنبھوڑ رہا تھا۔ وہ سب کے سب یکایک باز اور کتے کی طرف متوجہ ہوگئے اور تب بلانشتے نے سر گھما کر میری طرف دیکھا اپنا ہاتھ اٹھا کر اس کی پہلی دو انگلیاں

اپنے ہونٹوں پر رکھیں اور یہ بوسہ میری طرف اچھال دیا۔

میں نے جلدی سے جھک کر اسے سلام کیا اور دھڑکتا دل لئے آگے بڑھ گیا۔ چند لمحوں تک تو میرا وجود خوشی سے معمور ہو گیا کیونکہ میں اس ہوائی بوسے کا مطلب سمجھتا تھا۔ اور پھر ماہ اپریل کے بادل کی طرح غم میرے دل پر اتر آیا۔ محبت کا جو زخم میرے دل میں تھا اور مندمل ہو رہا تھا وہ کھل گیا میں بلانسٹے کو بھولنے لگا تھا یا کم از کم اسے اپنے خیالات میں سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا جیسا کہ میرے باپ کے دوست پادری نے کہا تھا لیکن اس ہوائی بوسے پر سوار ہو کر وہ ایک بار پھر میرے دل میں آ بیٹھی تھی۔ اور اب اسے بھولنا، کم سے کم بہت دنوں تک بھولنا ممکن نہ تھا۔

آخر کار میں لندن پہونچ گیا۔ لوگوں کی ایسی بھیڑ میں نے کبھی نہ دیکھی تھی بہرحال میں جیپ کا راستہ پوچھتا ہوا ایسی جگہ پہونچا جہاں سڑک تنگ تھی اور اس کے دونوں طرف دکانیں تھیں جن میں ضرورت کی ہر چیز بک رہی تھی اور یہاں میں ہپیوں سے بھرے ہوئے ایک چھکڑے کے پیچھے رک کر دہشت کے عالم میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

دائیں طرف ایک عمارت تھی جو دوسری عمارتوں کی قطار میں نہ تھی۔ بلکہ قدرے پیچھے کی طرف یعنی دب کر تھی اور اس مکان کے سامنے چھوٹا سا پائیں باغ تھا۔ لیکن اس کی دیکھ بھال کی طرف سے بے پروائی برتی گئی تھی کیونکہ پودے جھاڑیوں میں تبدیل ہو گئے تھے اور گھاس بے تحاشہ بڑھ گئی تھی۔ یہ کوئی تجارتی کوٹھی معلوم ہوتی تھی کیونکہ اس کے پھاٹک کے کھمبے پر ایک تختی لٹک رہی تھی جس پر ایک کشتی کی تصویر بنی ہوئی تھی جس کا

پچھلا اور اگلا حصہ اوپر اٹھا ہوا تھا اور اس کے پہلو پر ڈھالیں بنی ہوئی تھیں۔

جب میں اس تختی کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس پر بنی ہوئی کشتی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ یہ کس قسم کی کشتی ہے اور اس میں کون لوگ سفر کرتے ہوں گے کہ ایک شخص، پائیں باغ کی روش پر چلتا ہوا آیا اور پھاٹک پر اپنے دونوں ہاتھ ٹیک کر میری طرف دیکھنے لگا۔

یہ شخص بوڑھا اور عجیب سا تھا جس نے ایک پرانا گون پہن رکھا تھا۔ ٹوپی اس نے اپنے ماتھے پر بہت نیچے تک کھینچ رکھی تھی چنانچہ میں اس کی سفید بکرا داڑھی اور کالی چمکدار آنکھیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کی نظر میرے دل میں یوں اتر رہی تھی جیسے موچی کی سوئی چمڑے میں اتر جاتی ہے۔

"جوان!" اس نے کہا "اپنے یہ ٹٹو لئے میرے دروازے کے سامنے کیوں منڈلا رہے ہو؟ یہ زرہ بیچنا چاہتے ہو جو اس دوسرے گھوڑے پر لدی ہوئی ہے؟ اگر ہاں تو معاف کرنا میں ایسی چیزوں کی خرید و فروخت نہیں کرتا۔ حالانکہ یہ زرہ عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن آگے بڑھ جاؤ بھائی۔"

"جی نہیں" میں نے جواب دیا "میں کچھ بھی بیچنے نہیں آیا ہوں۔ البتہ تاجروں کے اس چھتے میں شہد کی ایک مکھی کو تلاش کر رہا ہوں جو مل نہیں رہی ہے۔"

"تاجروں کا چھتا! واہ! جیب کے تاجر تمہارے اس لقب سے بہت خوش ہوں گے۔ بڑی عزت افزائی کی ہے یہ تم نے ان کی۔ کیوں بے گاؤں کے گنوار! کسی بھڑ نے ڈنک مار دیا ہے تجھے؟ کون سی بھڑ کی تلاش ہے تجھے؟ ٹھہرو! میں بتاتا ہوں۔ ہم م۔ م۔ ایک بوڑھے بدمعاش کی تلاش ہے تمہیں جس کا نام ہے — ہاں — جان گریمر جو سونا، چاندی اور ہیرے، جواہرات

کی تجارت کرتا ہے اور جسے اپنی خوبیوں کے باعث اس وقت جیل میں ہونا چاہئے۔"

"ہاں۔ انھیں کی تلاش ہے مجھے" میں نے جواب دیا۔

"اور یقیناً یہ اس بدمعاش کی عزت افزائی ہوگی" بوڑھے نے مسکرا کر کہا "تو بھائی میں اس کا دوست ہوں اور اس سے بھی یہ چھبتے والا لطیفہ کہوں گا۔"

"لیکن اگر آپ مجھے یہ بتا دیں کہ جان گریمر کہاں ملیں گے تو یہ مناسب ڈھونڈوں بات ہوگی۔"

"ایک وقت میں ایک کام۔ چنانچہ وقت آنے پر یہ بھی بتا دیا جائے گا۔ اچھا جوان! پہلے تو خود تم یہ بتاؤ کہ یہ ۔۔ ایسی شاندار زرہ تم نے کہاں سے حاصل کی ہے؟ اگر چرائی ہے کہیں سے تو بہتر ہوگا کہ اسے کہیں چھپا دو۔"

"چرائی ہوئی!" میں نے خفتے ہو کر کہا "آپ نے مجھے لندن کا لباطی سمجھ رکھا ہے کیا؟"

"بالکل نہیں ۔۔ بالکل بھی نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی بہت جلد لندن کے لباطی بن جاؤ گے۔ تم جا تو جوان! قسمت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ خیر۔ اب اگر تم نے یہ زرہ چرائی نہیں ہے تو پھر تم نے اس سپاہی کو قتل کیا ہے جس نے یہ زرہ پہن رکھی تھی کیونکہ اس پر خون کے داغ میں دیکھ رہا ہوں۔ چنانچہ جوان! تم خونی ہو۔"

"خونی" میں نے سہم کر کہا۔

"بالکل ایسے ہی جیسا کہ جان گریمر ایک بدمعاش ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو ۔۔۔ تم نے اس فرانسیسی نائٹ کو، جس نے یہ زرہ پہن رکھی تھی، ہسٹینگز کے ٹیلے والے قلعے میں قتل کر دیا تھا اور پھر وہاں، غار کے دہانے پر کھڑے ہو کر اپنے تین تیروں سے تین دوسرے فرانسیسیوں کو واصل جہنم کر دیا تھا۔"

میرا منہ حیرت سے کھل گیا اور میں اس کی صورت تکنے لگا۔

" اپنا منہ بند کرو جوان۔ کہیں مکھی نے لات ماردی تو دانت ٹوٹ جائیں گے۔ تم سوچ رہے ہوگے کہ یہ ساری باتیں مجھے کیسے معلوم ہوئیں ؟ اچھا سنو میرے دوست جان گریمر کے پاس ایک جادو کا گولا ہے جو اس نے ایک مشرقی کے پاس سے خریدا تھا۔ اس گولے میں میں نے یہ سب کچھ دیکھا "

اور یہ کہتے ہوئے اس نے جیسے اتفاقاً یا بے خیالی میں اپنے سر پر سے گون کی ٹوپی پیچھے کھسکا دی اور اب میں نے اس کا جھرّیوں پڑا چہرہ دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ اس کے منہ کا ایک کونا نیچے کی طرف ذرا سا جھکا ہوا تھا اور یہ منہ ایک بار پھر میں نے پہچان لیا حالانکہ میں نے اسے برسوں پہلے دیکھا تھا۔

" آپ ۔۔ جان گریمر ! " میں بڑبڑایا۔

" ہاں ۔ ہیوبرٹ ہسٹینگز ۔ میں ہی وہ بدمعاش ہوں جس کا نام جان گریمر ہے اب یہ بتاؤ بھانجے کہ تم نے سونے کے اس سکے کا کیا کیا، جو میں نے تمہیں بارہ برس پہلے دیا تھا ؟ "

میں نے سوچا کہ جھوٹ بول دوں کیونکہ بڑے میاں سے میں ڈرتا تھا لیکن پھر ارادہ بدل کر میں نے سچ سچ بتا دیا کہ اس سے میں نے ایک کتا خرید لیا تھا۔ یہ سنتے ہی ماموں نے ایک قہقہہ لگایا :۔

" خدا کرے کہ یہ شگون نہ ہو کہ تم سونے کو آئندہ سے اتنا ہی بیکار اور بے مصرف سمجھو گے کہ اس سے کتے ہی خریدتے رہو گے بہر حال میں خوش ہوں کہ تم نے سچ کہہ دیا حالانکہ تم جھوٹ بولنا چاہتے تھے۔ تمہاری یہ بات پسند آئی۔ نوجوان ! تم اس بدمعاش کے گھر میں، جس کا نام جان گریمر ہے، قیام کر کے اس کی عزت افزائی کرو گے "

" آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں شاید ؟ " میں نے کہا

" شاید ۔ لیکن بھانجے! مذاق ہی مذاق میں بہت سی باتیں سچ کہہ دی جاتی ہیں ۔ ممکن ہے کہ تم فی الحال نہ جانتے ہو ۔ بلکہ یقیناً نہیں جانتے ۔ لیکن آگے چل کر جب تم دنیا دیکھ لوگے تو خود تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم سب بدمعاش ہیں ۔ ہاں بیٹے ۔ ہر آدمی اپنے طور پر بدمعاش ہی ہے کہ ہم اگر دوسروں کو دھوکا نہیں دیتے تو اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں ۔ مایا ۔ سب جھوٹی مایا ہے ۔ بس مایا ہی مایا ہے "

اور پھر میرے جواب کا انتظار کئے بغیر میرے عجیب وغریب ماموں جانِ کرم نے اپنی جیب سے ایک سیٹی نکال کر بجائی اور فوراً ہی چراغ کے جن کی طرح ایک تگڑا ملازم کہیں سے نکل کر سامنے آگیا ۔

" ان گھوڑوں کو اصطبل میں لے جاؤ " ماموں نے اس ملازم سے کہا ۔ " اور ان کی ایسی دیکھ بھال کرو گویا یہ تمھارے ہی ہیں ۔ باربرداری کے گھوڑے پر سے سامان اتار کر اس کمرے میں رکھ آؤ جو ہم نے اپنے اس بھانجے کے ہیو برٹ ہسٹینگز کے لیے تیار کر رکھا ہے "

ایک لفظ کہے بغیر وہ تگڑا ملازم گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے چلا ۔

" ڈرو نہیں " ماموں نے ہنس کر کہا " ہر چند کہ میں بدمعاش ہوں لیکن کتا کتے کو نہیں کھاتا ۔ چنانچہ تمھاری چیزیں میرے یہاں محفوظ ہیں اور میرے ملازم بھی انھیں ہاتھ نہ لگائیں گے ۔ آؤ "

اور انھوں نے ایک چرمی بٹوے میں سے کنجی نکال کر وہ دروازہ کھولا جس کے کواڑوں میں آہنی لٹو سے لگے ہوئے تھے ۔

دوسری طرف دکان تھی جس میں قیمتی چیزیں رکھی ہوئی تھیں ۔ قالین اور سونے کے زیورات ۔

"یہ پرندے پکڑنے کا دانہ ہے" انھوں نے اپنا ہاتھ گھما کر کہا، "خصوصاً مادائوں کو پھانسنے کے لئے۔ کیا سمجھے؟ عورتیں ــ بھائی ــ عورتیں۔"

پھر میرا ماموں مجھے دکان میں سے ایک گزرگاہ میں اور وہاں سے اس کمرے میں لے آیا جو دائیں طرف تھا۔ یہ کمرہ بڑا نہ تھا لیکن ایسی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا کہ میں حیرت زدہ رہ گیا۔ بیچ میں آگ کی اور کالے رنگ کی میز تھی جس کی ٹانگوں پر کندہ کاری کی گئی تھی۔ اس پر چاندی کے پیالے اور بیچ میں سونے کی، کم سے کم مجھے تو سونے کی ہی معلوم ہوئی، شمعدان رکھی ہوئی تھی چھت سے بھی چاندی کے ہی جھومر لٹک رہے تھے جن میں موم بتیاں جلادی گئی تھیں کیوں کہ اب شام رات میں تبدیل ہو رہی تھی۔ کمرے میں بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ آتشدان بھی تھا اور اس کی چمنی بھی تھی حالانکہ چمنی اس زمانے میں عام نہ تھی۔ اور بہت کم گھروں کے آتشدانوں میں پائی جاتی تھی آتشدان بھی ٹھنڈا نہ تھا بلکہ اس میں چھوٹی چھوٹی خشک لکڑیاں سلگ رہی تھیں اور دیواروں پر ریشمی اور خوبصورت پردے لٹک رہے تھے۔

میں حیرت سے اس سجاوٹ کو دیکھ رہا تھا کہ میرے ماموں نے اپنا گون اتار لیا اور میں نے دیکھا کہ وہ پرانے لیکن کسی قسم کے قیمتی لباس میں ملبوس تھے۔ انھوں نے مجھ سے بھی "ہلکے ہو جانے" کو کہا۔ میں نے بھی اپنا اوپری لباس اتار دیا۔ اور اب انھوں نے سر سے پیر تک مجھے کئی دفعہ دیکھا۔

"ہم ــ م ــ م ــ مکمل ترین جوان" انھوں نے سر ہلا کر جیسے اپنے آپ سے کہا۔ "اور اس عمر کا اور ایسا جوان بننے کے لئے میں اپنا سب کچھ دے ڈالنے کے لئے تیار رہوں۔ اس کے یہ مضبوط ہاتھ پائوں اور یہ آہنی پٹھے میرے خیال میں اس کے باپ کی طرف سے اسے ملے ہیں۔ کیونکہ میں تو بچپن سے ہی دبلا پتلا رہا ہوں کہ میرا باپ بھی

ایسا ہی تھا۔ بھانجے! تم نے ہسٹینگز میں جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کی پوری داستان میں نے سن لی ہے، خدا سمجھے فرانسیسیوں سے، اور مجھے تم پر فخر ہی یہ دوسری بات ہے کہ میں تم پر اسی طرح فخر کرتا رہوں گا یا نہیں۔ یہاں آؤ۔"

میں آگے بڑھ کر ان کے قریب اور سامنے کھڑا ہو گیا اور انھوں نے اپنے خشک ہاتھ سے میرے گھونگھریالے بال پکڑ کر میرا سر جھکایا اور میرا ماتھا چوم کر بولے:۔

"خدا نے مجھے تو کوئی اولاد نہیں دی اور ہمارے قدیم خاندان گھرانے کی نشانی صرف تم رہ گئے ہو۔ خدا کرے کہ تم ہمارے خاندان کا نام روشن کرو۔"

پھر ماموں نے مجھے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور خود انھوں نے میز پر رکھی ہوئی چاندی کی چھوٹی سی گھنٹی اٹھا کر بجائی۔ باہر انھوں نے سیٹی بجائی تھی تو اس کے جواب میں ملازم فوراً حاضر ہو گیا تھا اسی طرح اس گھنٹی کے جواب میں بھی فوراً گویا لبیک کہا گیا۔ اس سے میں نے سمجھ لیا کہ ماموں جان گرمر کے نواب ٹھاٹھ ہیں اور ان کی خدمت کے لیے کافی ملازم موجود ہیں۔ بہرحال ابھی گھنٹی کی آواز کمرے میں گونج ہی رہی تھی کہ ریشمی پردہ ہٹا کر دو جوان، سرو قد اور نازک اندام لڑکیاں ہاتھوں میں کھانے کی کشتیاں لئے ہوئے کمرے میں آ گئیں۔

"خوبصورت لڑکیاں ہیں بھانجے۔ چنانچہ تم ان کی طرف یوں دیکھ رہے ہو تو اس میں تعجب کی بات نہیں" لڑکیاں جب دوسری چیزیں لینے چلی گئیں تو ماموں نے کہا " حالانکہ میں بوڑھا ہوں۔ لیکن ایسی جوان اور خوبصورت لڑکیاں اپنی خدمت میں رکھنا پسند کرتا ہوں۔ اندر کے کام کے لیے لڑکیاں اور باہر کے کام کے لیے مرد۔ کیا سمجھے؟ یہ قدرت کا قانون ہے میاں۔ اور جس دن یہ قانون بدل گیا یا بدلا گیا وہ دن بڑا ہی منحوس ہو گا۔ تاہم میں تمھیں یہ مشورہ دوں گا کہ جنس مخالف کی طرف سے ہوشیار رہنا اور ان لڑکیوں

کو چومنا نہیں جس طرح تم نے بلانشے ایلی کو چوما تھا مبادا تمھارا یہ بوسہ میرے گھر کو رنڈی خانہ اور میری خادماؤں کو داشتاؤں میں تبدیل کر دے ۔“

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں حیرت زدہ بھی تھا اور شرمندہ بھی کہ ماموں کو یہ سب باتیں معلوم تھیں۔ یہ سب باتیں انھیں کیسے معلوم ہوئیں ؟ یہ عقدہ بعد میں کھلا۔ میرے والد مرحوم کے پادری دوست نے، جس نے مجھے ماموں کے پاس چلے جانے اور بلانشے کو بھول جانے کا مشورہ دیا تھا، ہسٹینگز کی آتش زدگی کے دوسرے دن ایک خط میں ساری تفصیلات لکھ کر یہ خط ایک پیغامبر کے ہاتھ ماموں کو بھجوا دیا تھا۔

بہرحال ماموں کو میرے جواب کا انتظار بھی نہ تھا۔ انھوں نے گویا مجھے اپنی ”زیر نگرانی“ کھلانا پلانا شروع کیا۔ گوشت لذیذ پکا تھا اور ماموں نے اصرار کر کے مجھے بھوک سے زیادہ کھلا دیا۔ شراب بھی ایسی عمدہ تھی کہ ایسی شراب میں نے پہلے کبھی نہ پی تھی۔ خود انھوں نے بہت کم کھایا لیکن شراب زیادہ پی۔

”کھانے پینے کا مزہ بس جوانی میں ہی ہے۔ کیا کھل کر بھوک لگتی ہے کہ بس“ انھوں نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا ”بھانجے اگر تم میری عمر کو پہنچے، اور خدا تمھاری عمر دراز کرے، تو تمھاری بھوک بھی مر جائے گی جیسی کہ میری مر گئی ہے مایا۔ سب مایا ـــ بزرگوں نے کہا ہے کہ دنیا مایا کا کھیل ہے ۔“

جب میرا پیٹ حلق تک بھر گیا اور ایک لقمے کی بھی گنجائش نہ رہی تو ماموں جان گریمر نے ایک بار پھر چاندی کی گھنٹی بجائی اور ایک بار پھر وہی دونوں خوبصورت خادمائیں حاضر ہوئیں اور قابیں اور بچا کھچا اٹھا کر لے گئیں۔

ان کے چلے جانے کے بعد ماموں آتش دان پر جھک گئے اور اپنے دونوں ہاتھ گرماتے رہے۔ یکایک انھوں نے کہا :۔

" اچھا اب مجھے میری بہن کی موت کی تفصیلات اور اپنی بقیہ داستان سناؤ۔"

چنانچہ میں نے فرانسیسیوں کے جہازوں کی آمد سے لے کر اپنے لندن پہنچنے تک کے حالات بیان کر دئے۔

" تم احمق تو نہیں ہو" جب میں خاموش ہوا تو وہ بولے " اور تم ایک اچھے داستان گو بھی ہو کہ واقعات اس طرح بیان کرتے ہو کہ پورا نقشہ نظر کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ یہ بھی خدا کی دین ہے میاں۔ تو یہ ہے پوری داستان بہت بہادر تھی تمھاری ماں خدا اسے غریق رحمت کرے۔ اور تم بھی بڑے بہادر ہو۔ اپنے جدِ امجد تقود کریم کی طرح جس کی تلوار اب تمھارے پاس ہے اچھا۔ اب کیا ارادہ ہے تمھارا؟ یہاں' لندن میں کیوں آئے ہو؟"

" اس لیے کہ ماں کا حکم تھا کہ میں لندن آپ کے پاس چلا جاؤں اور اپنی قسمت بناؤں۔"

" قسمت! قسمت کیا ہوتی ہے میاں! دولت اور تندرستی ہی بہترین قسمت ہے بشرطیکہ جس کے پاس یہ دونوں چیزیں ہوں اور وہ ان کا صحیح مصرف جانتے ہوں۔ اور پھر خوبصورت چیزیں بھی خوشی کا باعث ہوتی ہیں اور انھیں جمع کرنا مسرت ہے۔ لیکن یہ سب بھی آخر میں کچھ نہیں کیونکہ ہم خالی ہاتھ دنیا میں آئے تھے اور خالی ہاتھ ہی جائیں گے۔ مایا ــــ سب مایا ہے"

چوتھا باب (۴)

کارِی

چنانچہ یوں اپنے ماموں جان گریمر کے گھر میں، جو سُنار تھے اور شہر لندن میں میری نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ میرے ماموں صرف سنار نہ تھے بلکہ برتن بولا تھے۔ وہ نہ صرف قیمتی چیزیں بناتے اور ان کی تجارت کرتے تھے۔ بلکہ وہ امرا کو سود پر روپیہ بھی قرض دیتے تھے بلکہ بادشاہ رچرڈ اور اس کے درباری بھی ماموں سے سود پر قرض لیتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے جہاز بھی تھے جو ہالینڈ، فرانس، اسپین، اور اٹلی کی بندرگاہوں تک جاتے تھے۔ بظاہر وہ غریب اور مفلس معلوم ہوتے تھے لیکن بہ باطن بڑے دولت مند تھے۔ اور ان کی یہ دولت دن رات بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ ان کی بڑی بڑی زمینیں تھیں خصوصاً لندن سے باہر جہاں، یقین تھا کہ ان کی زمینوں کی قیمت مستقبل قریب میں زیادہ بڑھ جائے گی۔

"میاں! دولت کا تو یہ ہے کہ پھیل جاتی ہے۔ کیا سمجھے؟" وہ کہتے "مال و ذخیرہ کو کیڑا لگ جاتا ہے اور اگر کیڑا نہیں لگتا تو زمانہ اسے گھس گھسا کر برابر کر دیتا ہے اور یہ چیزیں چور بھی چرا سکتے ہیں لیکن زمین۔ وہ جوں کی توں رہتی ہے۔ چنانچہ میاں! پھیلتے اور بڑھتے ہوئے شہر کے قریب زمین خریدو اور کاشت کے لئے اسے احمقوں کو کرائے پر دے دو یا ان احمقوں کے ہاتھ بیچ دو جو وہاں بڑے بڑے مکان بنانا اور نوکروں

کا فاصلہ رکھنا چاہتے ہوں۔ یوبرٹ بیٹے! مکان روپیہ کھاتا ہے اور جتنا بڑا گھر ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ روپیہ کھائے گا۔ کیا سمجھے؟

اپنے ساتھ اور اپنے گھر میں رکھنے کے لئے انھوں نے کچھ نہ کہا تھا مگر یا خاموش سمجھوتے یا یوں کہو کہ رضامندی سے میں نے ان کے گھر میں ہی قیام کر دیا۔ جس دن میں لندن پہونچا اس کے دوسرے دن صبح ہی ایک درزی آیا اور میرا ناپ لے گیا۔ وہ ماموں کے بلانے پر ہی آیا تھا اور ماموں اپنے حکم سے میرے لئے خود اپنی پسند کے کپڑے سلوا رہے تھے۔ اس کے علاوہ ماموں نے مجھے اجازت دے دی کہ میں اپنا کمرہ اپنے ذوق اور پسند کے مطابق سجاؤں۔ وہ دوسرا بڑا کمرہ بھی، جو گھر کے پچھواڑے تھا، مجھے ہی سجانا تھا کہ اس کمرے میں، انھوں نے کہا، میں کام کروں گا۔ اب یہ انھوں نے مجھے نہ بتایا کہ مجھے کیا کام کرنا تھا۔

ایک دو دن تک تو میں بیکار بیٹھا کھڑکی سے لندن کا نظارہ کرتا رہا اور میری ملاقات ماموں سے صرف کھانے کے اوقات میں ہی ہوتی رہی۔ کبھی تو کھانا ہم دونوں اکیلے ہی کھاتے اور کبھی ملاح، جہازوں کے کپتان، تاجر اور پڑھے لکھے کلرک ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے۔ ماموں ان سب کے ساتھ گویا بڑی بلندی پر سے اور ایک حاکم کی طرح باتیں کرتے۔ میں نے اندازہ لگا لیا ــــ اور بعد میں میرا اندازہ صحیح ثابت ہوا ــــ کہ یہ سب کے سب ماموں کے تنخواہ دار ملازم تھے۔ لیکن رات کو تو بہر حال ہم اکیلے ہی ہوتے اور تب ماموں میرے سامنے اپنے علم کا دریا بہاتے اور میں خاموشی سے سنا کرتا۔ چھٹے دن، اس بیکاری سے اکتا کر اور ہمت کر کے میں نے پوچھا کوئی ایسا کام ہے جو میں کر سکوں؟

"ہو ہو ہو۔ تم چاہو کرنا تو کام تو بہت ہیں" وہ بولے "اچھا بیٹھو۔ قلم اور کاغذ اٹھاؤ اور میں جو لکھاؤں لکھتے جاؤ۔"

اور انھوں نے مہپا نیہ سے شراب منگوانے کے لئے ایک خط لکھوا دیا۔ جب میں خط لکھ چکا تو انھوں نے اسے غور سے پڑھا۔

"ہم۔م۔م۔ اچھا لکھا ہے" انھوں نے خوش ہو کر کہا "اور خط بھی، ہر چند کہ ذرا کچا ہے، صاف ہے۔ میرا خیال تھا کہ ہسٹینگز میں رہ کر تم نے مچھلیاں پکڑنا ہی سیکھا ہوگا اور دوسرے معاملات میں نرے کورے ہی ہو گے۔ ہاں تو کام۔ ایں؛ تو میاں ایسا بھی کام ہے بہت سا جو میں کسی دوسرے منشی کو دے نہیں سکتا کہ وہ میرے راز دوسروں کے سامنے ظاہر کر دے۔ جان لو بچا بچہ" انھوں نے قدرے کرخت لہجے میں کہا گیا "کہ ایک بات سے مجھے سخت نفرت ہے اور اسے میں کبھی معاف نہیں کرتا۔ غداری یا دوسرے لفظوں میں نمک حرامی۔ میری یہ بات یاد رکھنا ہیوبرٹ۔ اس وقت بھی جب تم اپنے معشوق کی باہوں میں ہو اور اس وقت بھی جب نشے میں ہو۔"

اور یوں بڑبڑاتے اور پند و نصائح کے دریا بہاتے ہوئے ماموں نے ایک آہنی صندوق کھول کر اس میں سے ایک پلندہ نکال کر مجھے دیا اور کہا کہ اسے اپنے "کام کرنے" کے کمرے میں لے جاؤں اور اس کی نقل اتار دوں۔ میں نے اس حکم کی تعمیل کی تو معلوم ہوا کہ یہ ان کے مال، سامان اور جائداد کی فہرست تھی۔ سارا دن میں اس کی نقل کرتا رہا یہاں تک کہ میری آنکھوں کے سامنے لال پیلے دھبے ناچنے لگے اور میرا سر گھومنے لگا۔ لیکن میں اس پر بہر حال فخر محسوس کر رہا تھا کہ ماموں نے

مجھ پر اتنا اعتبار کیا کہ مجھے اپنی جائداد وغیرہ سے واقف کردیا شام ہونے تک میں یہ کام پورا کرچکا تھا اور جب خادمہ مجھے کھانے پر بلانے آئی تو میں نے اصل پلندہ اور نقل اپنے چغے میں چھپا لی۔

جب ہم کھانے بیٹھے تو ماموں نے پوچھا کہ اس دن میں نے کیا کیا دیکھا اور میں نے جواب دیا کہ ٹیڑھے میڑھے حروف اور ہندسوں کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا۔ اور انھیں اصل مسودہ اور اس کی نقل دے دی ماموں نے نقل کی ایک ایک سطر اصل سے ملا کر دیکھی۔

"ہم۔م۔م۔ خوب۔ شاباش" آخرکار انھوں نے کہا "صرف ایک غلطی ہے اور وہ بھی تمھاری نہیں میری ہے۔ اس کے علاوہ تم نے دو دن کا کام ایک دن میں پورا کر دیا ہے۔ تاہم یہ مناسب نہیں کہ تم ایسے کاموں میں سر کھپاتے رہو خصوصاً اس لئے کہ تم کھلی ہوا کے پنچھی ہو۔ لہٰذا کل میں تمھیں دوسرا کام سپرد کروں گا۔ کیونکہ تمھاری طرح تمھارے گھوڑے کو بھی ورزش کی ضرورت ہے۔

چنانچہ وہ "دوسرا کام" انھوں نے میرے سپرد کیا۔ اور دوسرے دن میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ماموں کے دو تگڑے نوکروں کے ساتھ لندن سے باہر گیا جائداد کی دیکھ بھال کروں، کرائے داروں کے مویشیوں کا اندازہ لگاؤں اور اس جنگل کا معائنہ کروں جہاں سے وہ جہاز بنانے کے لیے آک کے درخت کٹوانا چاہتے تھے۔ نوکروں نے میرا تعارف کرایہ داروں سے کرایا اور شام ہوتے ہوتے میں سارا کام نبٹا کر واپس آ گیا۔ اور جب میں نے اپنی مکمل رپورٹ پیش کی تو ماموں بہت خوش ہوئے کیونکہ معلوم ہوا کہ پچھلے پانچ برس سے وہ اپنی جائداد دیکھنے

گئے تھے۔

دوسرے دن انھوں نے مجھے بندرگاہ کی طرف روانہ کیا جہاں جہازوں میں ان کا، ماموں کا مالِ تجارت بھرا جا رہا تھا۔ اس کے بعد کے دن وہ مجھے قالینوں کے بازار میں لے گئے، اس کے بعد کے دن اس بازار میں جہاں سمور فروخت ہوتا تھا۔ اور انھوں نے میرا تعارف ایک ایک تاجر سے کرا دیا۔

چنانچہ یوں ہوا کہ ایک ہی برس میں میں جان گریمز کے بیوپار سے واقف ہو چکا تھا اور دو برسوں میں ان کی تجارت خود سنبھال چکا تھا اس سبق کا آخری حصّہ باقی تھا جس سے ماموں نے مجھے واقف کیا۔ یعنی نوابوں لارڈوں، زمینداروں حتیٰ کہ خود سرکار کو روپیہ سود پر قرض دینے کا گر۔ یہ وہ بلند رتبہ لوگ تھے جو ماموں سے چپکے ہی چپکے قرضہ لینے آتے تھے اور جب قرض لینے آتے تھے تو ماموں کے سامنے خاکساری سے جھک جھک جاتے تھے۔ اور جب بازار میں مل جاتے تھے تو ہمارے سلام کا جواب سر کے ہلکے اشارے سے دے کر فخر سے گردن اکڑائے آگے بڑھ جاتے تھے۔ ماموں کی مڈبھیڑ جب کسی ایسے "شریف" سے ہو جاتی تو وہ، یعنی ماموں احترام سے جھک جاتے، اپنی نظریں نہ اٹھاتے اور مجھ سے بھی ایسا ہی کرنے کو کہتے اور جب وہ "اعلیٰ رتبہ" نواب آگے بڑھ جاتا تو ماموں مسکرا کر کہتے :۔

"دیکھا اسے ہیوبرٹ ; میرے دام میں پھنسی ہوئی مچھلی۔ سنہری مچھلی۔ ان مچھلیوں کی چمک دمک دیکھی ; لیکن کنارے پر کی کیچ میں یہ مچھلیاں تڑپتی نظر آئیں گی۔ بہت جلد تڑپتی نظر آئیں گی۔ مایا ہے۔ مایا کا کھیل ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے اپنے دور میں اس مایا کو سمجھ لیا تھا۔"

چنانچہ یوں ہمارے شب و روز گزرنے لگے اور میں زیادہ سے زیادہ دل لگا کر

محنت کرنے لگا اور جب بھی مجھے فرصت ملتی میں تیر اور تلوار کی مشق کرتا۔ سنیچر یا اتوار کے دن میں جائداد پر جاتا اور کبھی کبھار رات بھی وہیں گزار دیتا ایک دو دفعہ ماموں کے سامانِ تجارت کے ساتھ ہالینڈ اور کالیاس کا بھی چکر لگا آیا۔

ماموں کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے اٹھارہ مہینے ہوئے تھے کہ ایک دن انھوں نے مجھ سے کہا :-

" ہیوبرٹ! تم ہل چلاتے ہو، بیج ڈالتے ہو، کٹائی بھی کرتے ہو لیکن اس میں سے اپنا حصّہ نہیں لیتے "

" میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا "

" مطلب یہ کہ تم آمدنی میں سے جتنا چاہو لے سکتے ہو اور خرچ کر سکتے ہو۔ میں کبھی حسابِ طلب نہ کروں گا "

چنانچہ یوں ہوا کہ یکایک میں امیر بن گیا۔ یہ اور بات تھی کہ میں بہت کم خرچ کرتا تھا۔ کیونکہ میری ضروریات محدود تھیں، میں سادہ زندگی گزار رہا تھا اور پھر ماموں کا اصول تھا اور اس کی انھوں نے مجھے نصیحت بھی کی تھی کہ اپنی دولت کی " نمائش " نہ کرنا کہ اس سے حاسد لوگ حسد کرنے لگتے ہیں۔ اور دشمن بن جاتے ہیں۔

چنانچہ اس وقت سے ماموں نے اپنے آپ کو تجارت کی ذمہ داریوں سے الگ کر لیا اور سب کچھ میرے سپرد کر دیا خصوصاً اس لئے بھی کہ بڑھاپے نے انھیں کمزور کر دیا تھا تاہم وہ مجھے مشورہ ضرور دیتے تھے لیکن گوشہ نشینی ان کے بس کا روگ نہ تھا چنانچہ وہ دکان میں بیٹھنے لگے۔

" یہ پرندے پھانسنے کا جال ہے جسے پھیلا رکھنا ضروری ہے " انھوں نے کہا

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب آدمی بوڑھا ہوکر ملازمت سے یا کاروبار سے الگ ہوجاتا ہے تو پھر اس کی زندگی کے بھی دن بہت کم باقی رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ میرے ماموں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ وہ دِن بہ دِن کمزور ہوتے چلے گئے اور تیسرے موسم سرما کی ایک شام کو جب میں گھر پہونچا تو ماموں بستر علالت پر تھے۔ اور نئے سال کے پہلے دن وہ اپنے پیدا کرنے والے کے پاس پہونچ گئے۔

آخری گھڑی تک ان کا دماغ صاف اور وہ خود ہوش میں رہے۔ جس دن صبح ان کا انتقال ہوا اس کی رات کو تو وہ بہت زیادہ بشاش تھے۔ کھانے سے فارغ ہوکر میں ان کے پاس پہنچا تو وہ "سلیمان دانا" کا مسودہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کے یہ اقوال انھیں بہت پسند تھے۔

"اور میں نے سونا اور چاندی اور شاہوں کے خزائن حاصل کئے" انھوں نے بلند آواز میں پڑھا "اور میں نے بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں اور بڑے بڑے کارنامے انجام دیے لیکن جب میں نے ان پر نظر کی تو نظر آیا کہ اللہ باقی ہے اور سب کچھ فانی ہے۔ اور سب مایا"

انھوں نے کتاب بند کی اور کہا :-

"تو ایسی ہے یہ دنیا بھانجے اور تمھیں بھی ایسی ہی معلوم ہوگی جب دنیا سے تمھاری ساری دلچسپیاں ختم ہوجائیں گی۔ بیٹے! میں اپنے ابدی گھر جارہا ہوں۔ جوانی میں مجھے خوشی ملی ہی نہیں۔ اس کا اعتراف اب میں تمھارے سامنے کررہا ہوں۔ حالانکہ میں نے تمھیں نہیں بتایا۔ لیکن اس وقت میری شادی ہوچکی تھی۔ اور میرا ایک بیٹا بھی تھا۔ ہائے۔ مجھے اپنے بیٹے اور بیوی سے کس قدر پیار تھا۔ اور پھر لندن میں پلیگ پھیلا اور وہ دونوں اس کا شکار ہوگئے۔ تب میرے پاس کچھ نہ رہ گیا۔ میں اکیلا تھا اور پھر میں ان

لوگوں میں سے ہوں جو عورت کے بغیر بھی زندگی گزار دیتے ہیں چنانچہ میں نے دوسری شادی نہ کی اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ دنیا میں دکھوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور پھر یہ کہ طاقتور کمزور کو اور امیر غریب کو پیسے ڈالتا ہے چنانچہ میں نیک اور اچھے کاموں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں اپنا نصف منافع غریب غربا میں تقسیم کر چکا ہوں اور اب بھی کر رہا ہوں۔ اگر تم میرا یہ نیک کام جاری رکھنا چاہو، میرا مطلب ہے میرے بعد، تو ایسے حاجت مندوں کی فہرست تمہیں میرے صندوق میں رکھی مل جائے گی لیکن یہ شرط میں تم پر عائد کرنا نہیں چاہتا چنانچہ جیسا تم مناسب سمجھنا کرنا۔ ہیوبرٹ! میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب کچھ تمہارے نام کئے جا رہا ہوں۔ سونا، چاندی اور جہاز اور میرا کل اثاثہ۔ ہی زمینیں تو وہ تمہاری زندگی تک تمہاری اور تمہارے بعد تمہاری اولاد کی ہونگی۔ لیکن اگر تم بے اولاد مرو تو پھر یہ زمینیں ایک ہسپتال کو مل جائیں گی جہاں غریبوں کا علاج مفت ہوتا ہے۔"

میں نے ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ انھوں نے ہاتھ ہلا کر مجھے خاموش کر دیا اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

"ہیوبرٹ! تم بہت امیر آدمی ہو گے، لندن کے امیر ترین آدمیوں میں سے ایک۔ لیکن دولت سے پیار نہ کرنا، اپنی شرافت کبھی نہ چھوڑنا۔ اور اپنے طبقے اور اپنے خاندان کو حقیر سمجھ کر ان شریف بدمعاشوں اور خون چوسنے والوں کے درجے تک پہونچنے کی کوشش نہ کرنا، جو اپنے آپ کو "لارڈ" "نواب" اور "بڑے لوگ" کہتے ہیں۔ اگر ہو سکے تو ان نام نہاد شرفا کی جیبیں ہلکی کرنا لیکن ان کا ریشمی اور عطر میں بسا ہوا لباس پہننے کی آرزو کبھی نہ کرنا۔ یہ میری نصیحت ہے بیٹے۔"

وہ دم لینے کے لئے خاموش ہو گئے۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد انھوں نے کہا:-

"تم نے مجھے بتایا تھا کہ تمھاری ماں نے پیشین گوئی کی ہے کہ تم سیاح یا آوارہ گرد بنو گے۔ مجھے حیرت ہے کہ اپنے آخری وقت میں مجھے بھی نظر آتا ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ اس وقت میری آنکھوں کے سامنے سے پردہ سا اٹھ گیا ہے اور میں تمھیں کسی اجنبی اور دور افتادہ سرزمین میں جنگ کرتے اور پیار کرتے اور عظیم بنتے دیکھ رہا ہوں۔ تمھارے جدِ امجد بھتور گریمر کی طرح۔ ہیوبرٹ! تمھیں جہاں قسمت لے جائے یا اتفاقات پہنچا دیں۔ تو چلے جانا حالانکہ میرے خیال میں تو اپنے وطن اور گھر میں ہی رہنا مناسب ہوتا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ تم شادی کر لیتے کیونکہ یہی وہ بیڑی ہے جو مرد کو گھر میں روک سکتی ہے۔ لیکن میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا اور نہیں جانتا کہ تم کس سے شادی کرو گے اور جب یہ بیڑی پڑ جائے گی تمھارے پیروں میں تو ہوائیں تمھیں بہا کر نہ لے جا سکیں گی اور پھر صرف موت یہ بیڑی توڑ سکتی ہے۔ ایک بات اور اس وقت تم جوان اور طاقتور ہو لیکن یہ نہ بھولو کہ ایک دن تم بھی میری طرح بوڑھے اور کمزور ہو جاؤ گے۔ آج میری تو کل تمھاری باری ہو گی۔ یونہی ہوتا آیا ہے اور یوں ہی ہوتا رہے گا۔ میرے قریب آؤ ہیوبرٹ!"

چنانچہ میں ان کے قریب بستر پر بیٹھ گیا انھوں نے مجھے دعائیں دیں اور میرے ماتھے پر بوسہ دیا اور پھر کہا کہ اب میں جا کر سو رہوں کہ وہ خود بھی سونا چاہتے چاہتے تھے اور پھر کہا کہ میں اس ملازمہ کو بھیج دوں جو اُن کی تیمارداری کیا کرتی تھی

چنانچہ میں اٹھ کر چلا آیا اور اس ملازمہ کو ان کے پاس بھیج دیا اور ٹھیک آدھی رات کے وقت جب نیا سال شروع ہوا تو ماموں نے اس دارفانی سے انتقال کیا۔

ماموں کے انتقال کے کئی مہینوں بعد ایک دن میں بندرگاہ پر گیا کہ ایک جہاز وینس سے میرا مالِ تجارت لے کر آیا تھا۔ ہاتھی دانت، ریشمی کپڑا، شیشے، قالین اور کیا نہیں کیا کچھ تھا۔ جب میں سارا مال اپنی زیرِ نگرانی اتروا کر اسے اپنے گودام میں بھجوانے کا خاطر خواہ انتظام کر چکا تو اپنے گھوڑے کی طرف گھوم گیا اور تب میں نے دیکھا کہ بہت سے لڑکے اور بیکار لوگ ایک آدمی کو پریشان کر رہے ہیں۔ اس آدمی نے اپنے آپ کو اونی لبادے میں اس طرح لپیٹ رکھا تھا اور لبادے کو اس طرح اپنے سر پر ڈال رکھا تھا کہ اس کا چہرہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ یہ لبادہ پرانا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہ تھا۔ کیونکہ اس پر کا اون سُرخی مائل ملائم تھا۔ یہ شخص بلند قامت تھا اور ان شریر لونڈوں اور بیکار بدمعاشوں کے درمیان، جو اس پر سڑی ہوئی سبزیاں اور کیچڑ اچھال رہے تھے، خاموش اور بے حرکت کھڑا ہوا تھا۔ یہ لوگ اسے عجیب عجیب ناموں سے پکار رہے تھے۔ ایک لقب میرے کانوں میں پڑا اور وہ تھا "کالا مور"۔

ایسے مناظر سڑکوں اور بندرگاہوں پر عام ہوتے ہیں اور ان کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ لیکن اس شخص کے یوں خاموش اور بے حرکت کھڑے رہنے میں کچھ ایسی شان اور ایسا وقار تھا کہ میں بے اختیار اس کی طرف بڑھا اور میں نے ڈپٹ کر ان بدمعاشوں کو بکھر جانے کا حکم دیا۔ ان میں سے

ایک بدمعاش نے، جو کافی تگڑا تھا، آگے بڑھ کر مجھے ایک طرف ڈھکیل دیا۔ غالباً وہ مجھے پہچانتا نہ تھا۔ بہرحال اس کی حرکت سے مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے اس کی ناک پر ایک گھونسا رسید کر دیا۔ وہ غنڈہ تیورا کر گرا۔ اور جہاں گرا تھا وہیں نیم بے ہوش پڑا رہا۔ اس کے ساتھیوں نے یکایک مجھے دھمکانا اور ڈھکیلنا شروع کیا۔ اس پر میں نے جیب سے سیٹی نکال کر بجائی کہ فوراً ہی میرے دو دیو قامت ملازم، جنھیں اپنے ساتھ لیے بغیر میں کہیں جاتا نہ تھا، دوڑتے آئے۔ انھوں نے آتے ہی اپنی تلواریں کھینچ لیں اور یہ تلواریں اور پھر میرے ملازموں کے تیور دیکھ کر وہ غنڈے وہاں سے بھاگ گئے۔

اور اب میں اس اجنبی کی طرف گھوم گیا۔ اس دھکا پیل میں لبادے کی ٹوپی اس کے سر پر سے کھسک گئی تھی۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ اس کی عمر تیس برس کے لگ بھگ تھی۔ رنگت گہری گیہواں یا یوں کہو کہ تانبے کی سی تھی۔ ڈاڑھی مونچھیں صفاچٹ تھیں۔ لیکن بال لانبے اور کالے تھے اور ناک ستواں تھی۔ دوسری خاص اور عجیب بات میں نے یہ دیکھی کہ اس کے ایک کان کی لو چھدی ہوئی تھی اور اس چھید کو پتہ نہیں کس طرح کھینچ کر اتنا بڑا کر دیا گیا تھا کہ اس میں چھوٹا سا سیب آسانی سے رکھا جا سکتا تھا۔ اس کے اعضا ایسے پتلے اور بدن اس قدر لاغر تھا کہ جسم کی قریب قریب ساری ہڈیاں دکھائی دیتی تھیں۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ بھوک نے اسے ان حالوں پہنچا دیا تھا۔ اس کی کھال زخموں اور خراشوں کے نشانات سے بھری ہوئی تھی اور ماتھے پر زخم کا بڑا اور گہرا نشان تھا۔ وہ وحشت زدہ اور کمزور بھی معلوم ہوتا تھا۔ تاہم اس نے کہا کہ میں اس کا دوست ہوں۔ یا کم سے کم اس وقت اس سے دوستانہ سلوک کر رہا ہوں چنانچہ وہ میرے

سامنے بڑی شان اور تمکنت سے، جیسے کسی ملک کا شہزادہ ہو، میرے سامنے ذرا سا جھک گیا اور ہوا میں تین دفعہ بوسہ اچھال دیا، یا یوں کہو کہ اس نے تین دفعہ ہوا کو چوما حالانکہ اس وقت میں جانتا نہ تھا کہ اس کی اس حرکت کے کیا معنیٰ ہیں۔

میں نے اسے انگریزی میں مخاطب کیا تو اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلا کر ظاہر کر دیا کہ وہ میری زبان نہیں سمجھتا اور پھر اس نے کچھ سوچ کر تین دفعہ اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور تینوں دفعہ ایک لفظ دہرایا "کاری" میں نے سمجھ لیا کہ یہ اس کا نام تھا۔ بہر حال اسی دن سے میں نے اسے کاری کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔

اب سوال یہ تھا کہ کاری کے ساتھ کیا کیا جائے؟ یہ تو مجھے گوارا نہ تھا کہ میں اسے بندرگاہ پر ہی چھوڑ کر چلا جاؤں کہ غنڈے اور بدمعاش پھر اسے دق کرنے لگیں اور نہ ہی میں اسے کہیں اور بھیج سکتا تھا۔ چنانچہ اب ایک ہی راستہ تھا کہ اسے میں اپنے ساتھ ہی لے جاتا۔ میں نے آہستہ سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ اسے وہاں سے لے آیا جہاں ہمارے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنے ایک ملازم کے گھوڑے کی طرف اشارہ کر کے کاری سے کہا کہ اس پر سوار ہو جائے۔ ملازم سے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ پیدل گھر پہونچ جائے۔ لیکن ان گھوڑوں کو دیکھتے ہی کاری پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ بری طرح سے کانپنے لگا اس کے ماتھے اور چہرے سے پسینہ ٹپکنے لگا اور خود کاری مجھ سے نسہمے ہوئے بچے کی طرح لپٹ گیا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ کاری نے پہلے کبھی گھوڑا نہ دیکھا تھا۔ میں نے لاکھ کوشش کی لیکن وہ نفی میں سر ہلاتا اور اپنے پیر ذکی

طرف اشارے کرتا رہا۔ معلوم ہوا کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے گھوڑے پر سوار ہونا تو ایک طرف رہا قریب جانے پر بھی مجبور نہیں کر سکتی اور یہ کہ وہ اپنی نقاہت کے باوجود پیدل چلنا ہی پسند کرتا ہے۔

چنانچہ میں نے اسے گھوڑے پر سوار کروانے کا خیال ترک کر دیا اور خود میں بھی اس کے ساتھ ہی پیدل گھر کی طرف چلا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ کاری کہیں بھاگ نہ جائے۔ یقیناً دیکھنے والوں کو یہ منظر عجیب اور حیرت انگیز معلوم ہوا ہوگا کہ میں ایک ڈھول میں آلٹے ہوئے اور بھکے ہوئے اجنبی کا ہاتھ پکڑے اسے اپنے ساتھ لئے جا رہا تھا لیکن اس وقت رات کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا چنانچہ بہت کم لوگوں نے ہمیں دیکھا اور جنھوں نے دیکھا انھوں نے غالباً یہی سمجھا کہ میں ایک بدیسی چور یا جیب کترے کو تھانے لیے جا رہا ہوں۔

بہرحال ہم گھر پہنچ گئے۔ میں اسے اندر لایا تو وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایک ایک چیز کو دیکھنے لگا اور جب میں اسے زینے پر لایا اور اوپر لے جانے لگا تو کاری ذرا جھجکا اور پھر جیسے دل مضبوط کر کے زینہ چڑھنے لگا لیکن اس طرح کہ وہ اوپر کی سیڑھی پر قدم رکھنے کے لئے اپنا پیر ہوا میں بہت زیادہ اوپر اٹھا دیتا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ کاری نے نہ تو پہلے کبھی زینہ دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی وہ زینے پر چڑھا تھا۔

"یقیناً کسی ایسے ملک سے آیا ہے جہاں جدید تہذیب کے قدم نہیں پہنچے" میں نے سوچا۔

میں اسے مہمان خانے میں لے آیا جو اوپری منزل پر تھا اور اس وقت خالی تھا۔

اس کمرے میں پلنگ اور دوسرے فرنیچر کے علاوہ ایک کونے میں چاندی کا تسلا اور جگ دھرا ہوا تھا، یہ دونوں چیزیں بہت خوبصورت تھیں اور ایں ماموں جان گریمر نے پتہ نہیں کہاں سے حاصل کیا تھا۔ میں نے موم بتیاں جلائیں اور ان کی روشنی میں کاری نے اپنی نظریں تسلے اور جگ پر یوں جما دیں جیسے ان چیزوں سے واقف تھا۔

اس نے میری طرف یوں دیکھا جیسے اجازت طلب کر رہا ہو اور پھر لپک کر جگ کے قریب پہونچا جس میں پانی بھرا ہوا تھا اس نے جگ اٹھایا اور اس میں سے تھوڑا سا پانی زمین پر ڈال دیا گویا اپنے دیوتا کے نام پر اور پھر جگ منہ سے لگا کر ایک ہی سانس میں اسے نصف سے زیادہ خالی کر گیا۔ کاری، معلوم ہوتا ہے، کئی دنوں کا پیاسا تھا۔

اور پھر میری اجازت کا انتظار کئے بغیر اس نے تسلے میں پانی بھرا اور اپنا لبادہ اتار کر نہانے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اپنا دھڑ دھونے لگا۔ اس نے اپنی کمر سے ایک اور کپڑا لپیٹ رکھا تھا جو بہت گندہ تھا اور عورت کے پیٹی کوٹ جیسا معلوم ہوتا تھا۔

جب وہ اپنا دھڑ دھو رہا تھا تو میں نے دو باتیں دیکھیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے بدن پر خراشیں اور جھرے تھے جیسے یہ زخم پرانے ہوں اور جھاڑیوں یا تھوروں کے کانٹوں سے آئے ہوں اور اس کے چہروں اور بازوؤں پر نیل تھے جیسے یہ لاتوں اور گھونسوں کی ضربوں سے آئے ہوں اور دوسری بات یہ کہ اس کی گردن میں، ڈوری سے بندھا، سونے کا ایک چھوٹا سا اور عجیب و غریب بت لٹک رہا تھا جو چار انچ کا ہوگا۔ یہ بت اپنے دونوں گھٹنے اوپر اٹھائے اور اپنی ٹھوڑی ان پر جھکائے ہوئے تھا۔ اس کی آنکھیں

زمرد کی تھیں اور چہرے پر کاریگر نے عجیب طرح کا وقار اور سنجیدگی ثبت کر دی تھی۔

اپنے بدن پر پانی ڈالنے سے پہلے کاری نے یہ بت دھویا اور پھر احتراماً جھک گیا۔ جب اس نے مجھے اپنی طرف دیکھتے دیکھا تو آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا "باجامک" جس سے میں نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی دیوتا ہے جس کی پوجا کاری کرتا ہے۔ اور آخر میں یہ کہ اس کی کمر سے ایک چرمی تھیلی بندھی ہوئی تھی جو خدا جانے کون سی چیز یا چیزوں سے بھری ہوئی تھی۔

میں صابن کی ٹکیہ لے آیا اور کاری کو سمجھایا کہ یہ چیز کس لئے ہے اور اسے کس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ ابتدا میں یہ انوکھی چیز اسے کچھ خوفناک یا شاید نقصان دِہ یا شاید سحر زدہ معلوم ہوئی۔ وجہ کچھ بھی ہو وہ صابن کی طرف حیرت اور خوف بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ لیکن جب میں نے اسے اطمینان دلایا اور صابن کا استعمال اسے سمجھایا تو وہ تیار ہو گیا اور جب اس نے دیکھا کہ یہ "عجیب چیز" کتنی آسانی سے اور کتنے جلد اس کی کھال کو میل سے صاف کر دیتی ہے تو وہ سر ہلا کر مسکرایا۔ اب میں ایک ریشمی قمیص، چپل اور ایک دھاریدار سموری چغہ لے آیا۔ یہ چیزیں میرے مرحوم ماموں جان گریم کی تھیں۔ ساتھ میں ایک جوڑی لمبے موزے کی بھی، جو گھٹنوں تک آتے تھے، لیتا آیا اور اسے بتایا کہ انھیں کس طرح پہنا جاتا ہے۔ کاری بڑا ہی تیز تھا چنانچہ فوراً سمجھ گیا۔ میز پر ایک کنگھی اور برش رکھا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے استعمال سے واقف تھا کیونکہ فوراً ہی وہ اپنے لانبے بالوں میں کنگھی کرنے لگا۔

جب وہ تیار ہو گیا تو میں نے اسے اپنے ساتھ ایک بار پھر نیچے اور کمرہ طعام میں لے آیا۔ میز پر کھانا چنا ہوا تھا۔ میں نے کاری کے سامنے کھانا رکھا

تو اس کی آنکھیں چمکنے لگیں کیونکہ صاف ظاہر تھا کہ وہ فاقے کر رہا تھا میں نے اسے کرسی پیش کی لیکن وہ اس میں نہ بیٹھا۔ اب یہ میں نہیں جانتا تھا کہ ایسا اس نے کیوں کیا ؛ اس لیے کہ اس کے لئے یہ نئی چیز تھی یا احتراماً؟ البتہ اس نے وہ تپائی، جس پر میرے مرحوم ماموں اپنے پیر رکھا کرتے تھے، گھسیٹ لی اور اس پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ حالانکہ کاری بھوکا تھا ـــ اور پتہ نہیں کتنے دنوں کا بھوکا تھا ـــ لیکن میں نے اسے بہت کم اور ہلکا کھانا دیا کیونکہ خوف تھا کہ ثقیل غذا اس کا بھوکا اور خالی پیٹ ہضم اور قبول نہ کر سکے گا۔ پھر میں نے صراحی میں سے شراب پیالے میں انڈیلی اور یہ دکھانے کے لئے کہ یہ چیز بے ضرر ہے، پہلے میں نے چند چسکیاں لیں اور پھر پیالہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ پہلے اس نے شراب چکھی، اور پھر سر ہلا کر اس کا آخری قطرہ تک پی گیا۔

کھانے سے فارغ ہو کر اس نے بطور شکرانے کے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا دیں اور پھر میرے سامنے گھٹنوں پر گر کر اس نے میرا ہاتھ چوما اور اپنے ماتھے سے لگا لیا۔ حالانکہ اس وقت میں نے اس کی اس حرکت کا مطلب نہ سمجھا لیکن، جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا، اس طرح کاری نے اپنے آپ کو میری خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

یہ دیکھ کر کہ وہ بے حد تھکا ہوا تھا میں اسے واپس مہمان خانے میں لے آیا اور بستر کی طرف اور پھر خود اپنی آنکھیں بند کر کے بتایا کہ یہ اس کے سونے کے لئے ہے اور یہ کہ اب اسے سو جانا چاہیئے۔ لیکن اس نے یہ کیا کہ پلنگ پر سے گدا گھسیٹ کر فرش پر ڈال دیا اور اس پر لیٹ گیا۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ کاری جس قوم یا قبیلے سے تعلق رکھتا ہے

اس کے لوگ زمین پر سونے کے عادی ہیں۔

میں حیران تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ کاری کون ہے؛ کس قوم سے تعلق رکھتا ہے؛ اور کہاں سے آیا ہے؟ کیونکہ میں نے آج تک کوئی انسان ایسا نہ دیکھا تھا جو کاری سے کسی بھی طرح ملتا جلتا ہو۔ البتہ ایک بات تو یقینی تھی یعنی یہ کہ کاری کسی اونچے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور بلند رتبہ تھا۔ کیونکہ ملک کے کسی بھی نواب یا زمیندار کے، جن سے میں واقف تھا، اخلاق ایسے بلند اور اطوار ایسے شریفانہ نہ تھے۔ کئی ایک سیاہ فام میں نے دیکھے تھے۔ لیکن ان میں سے ایک بھی کاری کی طرح نہ تھا۔

بہت دنوں کے بعد میرے اس شوقِ تجسس کی تسکین ہوئی لیکن وہ بھی پوری طرح سے نہیں۔ کاری نے آہستہ آہستہ تھوڑی بہت انگریزی سیکھ لی لیکن وہ بھی ایسی نہیں کہ آسانی اور روانی سے۔ اس سے میں باتیں کر لیتا تھا۔ کئی مہینوں کے بعد جب وہ اچھی خاصی انگریزی سیکھ گیا تو میں نے اس سے اپنی کہانی سنانے کو کہا اور اس نے اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اپنے حالات زندگی سنائے۔ اس سے میں جو کچھ معلوم کر سکا وہ یوں تھا۔

کاری نے کہا کہ وہ ایک بادشاہ کا بیٹا ہے جو عظیم الشان مملکت پر حکومت کرتا ہے اور یہ کہ عظیم الشان مملکت بہت بہت دور ہے سمندر کے اس پار، ہزاروں میل دور "آسمان کے اس حصے کے قریب ہے جہاں سورج غروب ہوتا ہے" کاری نے بتایا کہ وہ بادشاہ کا پہلا سب سے بڑا اور جائز بیٹا ہے، جو بادشاہ کی "بہن" کے بطن سے پیدا ہوا۔ اب یہ "بہن" سے بادشاہ کا شادی کرنے کا خیال ہی میرے لئے گھناؤنا اور لرزہ خیز تھا لیکن کاری کا مطلب شاید چچیری یا ممیری۔ یعنی چچازاد

یا ماموں زاد بہن سے ہو گا۔ لیکن جب کارتی نے بتایا کہ اس کے باپ کے دوسرے بھی بے شمار بچے تھے جو دوسری بے شمار عورتوں سے تھے تو میں نے سوچا کہ یہ بادشاہ بڑا ہی بدکردار اور ہوس پرست رہا ہو گا۔

خیر تو کارتی نے بتایا کہ اس بادشاہ کے، یعنی کارتی کے باپ کے ایک بیٹا اور تھا جو دوسری بیوی کے بطن سے تھا اور بادشاہ اپنے اس بیٹے کو میرے مہمان کارتی سے زیادہ چاہتا تھا۔ اس دوسرے بیٹے کا نام "اورگو" تھا اور وہ کارتی سے، جو اپنے باپ کے تاج و تخت کا جائز وارث تھا، جلتا تھا اور نفرت کرتا تھا، اس کے علاوہ جیسا کہ دنیا میں اکثر ہوتا ہے، ان کے درمیان ایک عورت آ گئی کیونکہ کارتی شادی شدہ تھا اور اس کی بیوی ملک کی سب سے زیادہ خوبصورت عورت تھی اور جہاں تک میں سمجھ سکا اس قبیلے سے نہ تھی جس سے کارتی تعلق رکھتا تھا۔ یعنی وہ دوسرے قبیلے سے تھی۔ خیر تو یہ اورگو کارتی کی بیوی کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ حالانکہ خود اورگو کے کئی بیویاں تھیں۔ لیکن وہ کارتی کی بیوی کے پیچھے ایسا دیوانہ ہوا کہ اس نے اپنے باپ سے مشورہ کر کے یا شاید اس سے اجازت لے کر کارتی کو ایک وحشی قبیلے سے جنگ کرنے کے لیے کہیں دور بھیج دیا۔۔۔ کیونکہ اورگو اپنے باپ کی فوج کا سپہ سالار تھا۔

اس کا خیال تھا کہ کارتی اس جنگ میں مارا جائے گا اور واپس نہ آئے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ کارتی نے اس وحشی قبیلے کو شکست دی اور دو برس بعد فتح و نصرت کے پھریرے اڑاتا اپنے باپ کے دربار میں واپس آیا تو معلوم ہوا کہ اس کے بھائی اورگو نے اس کی خوبصورت بیوی کو ورغلا کر اپنے گھر میں ڈال لیا تھا۔ کارتی کو بہت غصہ آیا اور اس نے بادشاہ سے

حکم نامہ لے کر اپنی بیوی کو واپس کر لیا اور بے وفائی کی پاداش میں اسے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔

اس پر اس کے باپ بادشاہ نے، جو بڑا سخت آدمی تھا، اسے جلا وطنی کی سزا دی کیونکہ کارتی نے ملک کا قانون توڑا تھا۔ اور ان کے ملک کا قانون عورت سے، چاہے وہ شاہی خاندان سے ہی کیوں نہ ہو اور کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو، انتقام لینے کی اجازت نہیں دیتا کارتی کے ملک سے رخصت ہونے سے پہلے ادرکونے، جو اپنی معشوقہ کی موت سے دیوانہ ہو رہا تھا، کسی طرح کا خاص زہر دھوکے سے کارتی کو کھلا دیا۔ اس زہر کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ زہر کھانے والا اپنی یادداشت کبھی تو ایک سال کے لئے اور کبھی عمر بھر کے لئے گنوا بیٹھتا تھا۔ اس کے بعد، کارتی نے کہا، اسے کچھ یاد نہیں کیا ہوا اور وہ کہاں کہاں بھٹکتا رہا۔ اسے بہت کم یاد تھا اور جو کچھ اسے یاد تھا وہ یہ تھا کہ وہ کشتیوں میں اور پیدل جنگلوں میں سفر کرتا رہا اس کے بعد پھر کشتی کا سفر اور اس کے بعد بانسوں کے بیڑے پر تنہا پتہ نہیں کون سے سمندر میں یا دریا میں سفر کرتا اور اس کے پاس صراحی میں جو پانی تھا وہ پیتا اور خشک گوشت کھاتا رہا اور اس کے ملک کی کوئی خاص اور حیرت انگیز دوا تھی جو وہ کھاتا رہا جبکی تھوڑی سی مقدار اب بھی اس کی کمر سے بندھی ہوئی تھی چرمی تھیلی میں موجود تھی اور اس دوائی کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ آدمی کو زندہ اور اس کے جسم میں قوت برقرار رکھتی تھی اور وہ محنت و مشقت کر سکتا تھا۔

آخر کار اس نے کہا، ایک بڑے جہاز نے، جیسا اس نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، اسے بچا لیا اور جہاز والوں نے اسے اپنے جہاز میں لے لیا۔ یہ جہاز اسے یاد نہ تھا کہ کیسا تھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کے بعد کے واقعات

اسے یاد نہیں یہاں تک کہ اس نے اپنے آپ کو بندرگاہ پر کھڑے پایا جہاں پھر خود میں نے پہونچ کر اسے غنڈوں سے بچایا۔ اور یکایک اس کی یادداشت اور سمجھ عود کر آئی لیکن، اس نے کہا، اس کا خیال ہے کہ وہ ماہی گیر کشتی میں ساحل تک پہونچا تھا اور یہ کہ جہاز والوں نے اسے اس کشتی میں ڈال دیا تھا اور جہاز کسی اور طرف چلا گیا تھا۔ اس کے ماتھے اور جسم پر کی خراشیں اور نیل اس کی داستان کی صداقت کا ثبوت تھے۔ لیکن اس کی یہ کہانی مہینوں بعد، جب وہ انگریزی بولنے کے قابل ہوا، معلوم ہوئی تو اس وقت تک نہ تو اس ماہی گیر کشتی کا کوئی پتہ چلا نہ ماہی گیروں کا سراغ لگا سکا۔ اس سے اس کے ملک کا نام پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ اسے ٹاونیٹسو کہتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ بہت بڑا ملک ہے جس میں بڑے بڑے شہر ہیں، معبد ہیں، عظیم الشان برف پوش پہاڑ ہیں، سرسبز وادیاں ہیں، میدان اور جنگلات ہیں جن میں دریا بہتے ہیں۔

چنانچہ جن لوگوں سے میں مل سکتا تھا ان سے اور خصوصاً ان لوگوں سے جنھوں نے دور دراز کے سفر کیے تھے میں نے اس ملک کے متعلق پوچھا جس کا نام کارتی نے ٹاونیٹسو بتایا تھا، لیکن ان میں سے کسی نے یہ نام تک نہ سنا تھا۔ بلکہ انھوں نے کہا کہ کارتی افریقہ سے آیا ہوگا اور یہ کہ چونکہ اس کی یادداشت ختم ہوگئی تھی اس لئے اب وہ ایک ایسے ملک کی کہانی سنا رہا ہے جو بہت دور اور اس جگہ ہے جہاں سورج غروب ہوتا ہے۔

چنانچہ یہاں میں مجبور ہوگیا کہ اپنی تحقیقات کو ختم کر دوں حالانکہ جہاں تک میرا تعلق تھا میں کارتی کو پاگل نہ سمجھتا تھا اور نہ ہی اس کی داستان کو ایک پاگل دماغ کی اختراع۔ یہ سچ ہے کہ وہ عجیب عجیب خواب دیکھتا

اور عجیب باتیں سوچتا تھا چنانچہ اس نے کہا کہ اس کے بھائی نے اسے جو زہر کھلایا تھا اس نے کارہی کے "دماغ میں سوراخ پیدا کر دیا ہے" چنانچہ، اس نے اعلان کیا، وہ اس سوراخ کی وجہ سے وہ باتیں سن اور دیکھ سکتا ہے جسے دوسرے سن اور دیکھ نہیں سکتے۔ چنانچہ یوں وہ عورتوں اور مردوں کے خیالات پڑھ سکتا ہے اور خفیہ ارادے معلوم کر سکتا ہے اور وہ بھی حیرت انگیز طور پر صحیح طور سے۔ چنانچہ میں اکثر دفعہ ہنس کر اس سے کہتا کہ وہ مجھے بھی تھوڑا سا زہر دے کہ اسے کھا کر میں بھی ان لوگوں کے خیالات اور ارادے معلوم کر سکوں جن کے ساتھ میں لین دین کرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایک اور بات بھی یقین سے کہتا تھا۔ یعنی یہ کہ وہ ایک نہ ایک دن اپنے وطن تاونتیسو واپس جائے گا اور یہ کہ میں بھی اس کے ساتھ جاؤں گا اس پر میں ہنسا اور میں نے کہا کہ ایسا ہمارے مرنے کے بعد ہی ہوگا۔

رفتہ رفتہ کارہی نے انگریزی اچھی طرح سیکھ لی بلکہ اب وہ انگریزی لکھ بھی سکتا تھا اور پڑھ بھی سکتا تھا۔ اور اس کے بدلے میں اس نے مجھے اپنے ملک کی زبان یا بولی سکھائی جس کا نام اس نے "کوتچا" بتایا۔ یہ بڑی نرم اور پیاری بولی تھی حالانکہ اس نے بتایا کہ ملک میں دوسری بھی بہت سی زبانیں تھیں اور ایک خاص بولی تھی جسے "خفیہ" یا "مقدس" زبان کہتے تھے۔ اور یہ صرف بادشاہوں کے لئے تھی حالانکہ، کارہی نے کہا، وہ یہ زبان بھی جانتا ہے لیکن مجھے سکھا نہیں سکتا کیونکہ اس کی اسے اجازت نہ تھی۔ یہ زبان بادشاہ اور اس کے خاندان کے لئے ہی مخصوص تھی۔ یہ بولی، یعنی "کوتچا" میں نے بہت جلد سیکھ لی اور اس میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ جب میں دوسروں کی موجودگی میں کوئی خاص یا راز کی بات کارہی سے کہنا چاہتا تو اسے کوتچا میں ہی مخاطب کرتا

جب میں یہ زبان سیکھ رہا تھا اور کارتی اس ملک کی حیرت انگیز کہانیاں سنا رہا تھا تو میرے دل میں اس ملک کی سیر کرنے اور ہو سکے تو اس سے تجارتی تعلقات قائم کرنے کی خواہش نے جنم لیا کیونکہ کارتی اکثر کہا کرتا تھا کہ وہاں سونا اتنا زیادہ اور ایسا عام ہے جیسا کہ ہمارے یہاں لوہا۔ اس خواہش نے میرے دل میں ایسا زور پکڑا کہ میں بے چین ہو گیا اور میں نے ممالک مغرب کا سفر کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن جب میں نے شناسا ملاحوں سے اپنے اس ارادے کا ذکر کیا تو سنجیدہ سے سنجیدہ ملاح بھی اس پر ہنس پڑے اور کہا کہ ابھی ان کا "مغرب کے سفر" پر جانے کا ارادہ نہیں ہے۔ یہاں مغرب سے ان کی مراد ملکِ عدم سے تھی کیونکہ مصر قدیم کے لوگوں کا اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد آدمی "مغرب میں جہاں، جہاں سورج غروب ہوتا ہے" چلا جاتا ہے۔ جب میں نے کارتی سے یہ بات کہی تو وہ اپنے پراسرار انداز میں مسکرایا اور کہا کہ کوئی کچھ ہی کیوں نہ کہے ہم دونوں، یعنی میں اور کارتی، اس سفر پر روانہ ہوں گے اور وہ بھی مرنے سے پہلے، یعنی اسی زندگی میں۔ اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ کارتی نے کہا تھا حالانکہ اس سفر پر میں اپنی مرضی سے نہیں بلکہ مجبوراً روانہ ہوا۔ لیکن اس کا ذکر اپنے وقت پر آئے گا۔

جب کارتی نے میرے کاریگروں کو سونے کے زیورات بناتے اور ان میں جواہرات جڑتے دیکھا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا وہ بھی اپنے طور پر "کچھ بنا کر آپ اپنی روزی حاصل نہیں کر سکتا"؛ میں نے اسے نہ صرف اس کی اجازت دے دی بلکہ اسے کام کرنے کے لئے سونا اور چاندی اور ایک کمرہ بھی دے دیا جس میں چھوٹی سی بھٹی بھی تھی کیونکہ میں جانتا تھا کہ کارتی کو یہ خیال تکلیف دے رہا تھا کہ وہ میری مفت کی روٹیاں توڑتا تھا۔ سب سے پہلی چیز جو اس نے بنائی وہ ڈنڈ

انچ کی اور گول تھی جس میں پیچھے کی طرف سوراخ یا خانہ سا بنا ہوا تھا اور سامنے کی طرف انسانی چہرے والا سورج بنا ہوا تھا جس میں سے چاروں طرف شعاعیں نکل رہی تھیں ۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ چیز کس کام میں آتی ہے ؟ جواب میں اس نے یہ زیور اپنے کان کی لو کے سوراخ میں، جس کا ذکر میں پہلے کسی جگہ کر چکا ہوں، داخل کر دیا اور زیور ٹھیک سے اس میں فٹ ہو گیا ۔ پھر اس نے بتایا کہ اس کے ملک میں امرا ایسا زیور پہنتے ہیں اور جو لوگ یہ زیور پہنتے ہیں وہ "کان والے" کہلاتے ہیں ۔ اور یہی چیز انھیں عام لوگوں سے الگ کرتی ہے ۔ اس نے اور بھی بہت سی حیرت انگیز باتیں بتائیں اور میں اس کے ملک اور اس شہنشاہیت کو ___ کیونکہ کاری نے کہا کہ وہاں شہنشاہیت ہی ہے ___ دیکھنے کے لئے پہلے سے بھی زیادہ بے قرار ہو گیا ۔

بعد میں کاری نے ایسے ہی بہت سے زیورات بنائے جن میں پن لگا کر میں نے انھیں بردیوں کے طور پر بیچ دیا ۔ اس نے دوسری بھی چیزیں بنائیں اور مجھے کہنا پڑتا ہے کہ وہ ایک عمدہ سنار اور اپنے فن کا استاد تھا ۔ میں نے اس کے بنائے ہوئے سونے چاندی کے پیالے اور طشتریاں بھاری قیمت میں فروخت کیں اور لوگوں نے بڑے شوق سے خریدے لیکن اس کی بنائی ہوئی ہر چیز پر حتیٰ کہ پیالوں اور طشتریوں کے عین بیچ میں بھی انسانی چہرے والا سورج ضرور کندہ ہوتا تھا ۔ میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ سورج اس کا دیوتا ہے اور یہ کہ اس کے لوگ سورج کی پرستش کرتے ہیں ۔ اس پر میں نے اسے یاد دلایا کہ اس نے اپنے دیوتا کا نام "پاچا مک" بتایا تھا جس کا بت وہ اپنی گردن میں لٹکائے ہوئے ہے ۔

"ہاں ۔" کاری نے جواب دیا "پاچا مک سب سے بڑا دیوتا ہے ۔ جو خالق اور روح کائنات ہے ۔ لیکن سورج اس کا نظر آنے والا گھر اور لباس

ہے کہ لوگ اسے دیکھیں اور اس کی پرستش کریں۔

میں نے اسے اپنے مذہب سے آگاہ کرنا شروع کیا۔ وہ بڑے غور اور توجہ سے سُنتا لیکن وہ عیسائیت کی طرف نہ آیا بلکہ اس نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی قوم اور اپنے اجداد کے مذہب پر جئے اور اسی پر مرے۔ چنانچہ میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا لیکن ہمارے پادری یوں آسانی سے پیچھا چھوڑنے والے نہ تھے چنانچہ وہ میرے پیچھے پڑ گئے کہ میں انھیں بتادوں کہ میرا یہ نیا ملازم کون سے مذہب کا پیرو ہے۔ آخر کار میں نے کچھ دے دلاکر انھیں خاموش کیا اور ان سے پیچھا چھڑایا۔

لیکن اب بھی میں مطمئن نہ تھا کیونکہ یہ پادری یا ان میں کے چند بڑے ہی متعصب تھے۔ اور مذہب کے معاملے ظالم بھی چنانچہ مجھے خوف تھا کہ جلد یا بدیر وہ اس معاملے کو آگے بڑھائیں گے۔

ایک بات میں نے اور بھی دیکھی۔ کاری عورتوں سے بچتا تھا بلکہ ان سے نفرت کرتا تھا۔ میرے یہاں کی خادماؤں نے، جو میرے ماموں کے زمانے سے یہاں تھیں، کاری کی یہ نفرت دیکھی اور اس کی خدمت کرنا ترک کردی چنانچہ اس خیال سے کہ یہ خادمائیں کاری سے انتقام لینے کے لئے پادریوں سے سازباز نہ کرلیں، میں نے انھیں برطرف کردیا اور ان کی جگہ مرد خدمتگار رکھ لئے۔ کاری کی جنسِ مخالف سے اس نفرت کو میں نے اس کی خوبصورت لیکن بے وفا بیوی کی بے وفائی سے منسوب کردیا اور ایسا کرنے میں، یعنی پوری عورت ذات سے نفرت کرنے میں، کاری حق بجانب تھا۔

پانچواں باب (۵)

بلاسٹے کی آمد

یوں ایک سال گزر گیا۔ اور وہ سال کا آخری ہفتہ اور میرے مرحوم ماموں کے فاتحے کا دن تھا اور اس دن میں قدرے فرصت سے تھا چنانچہ گھر کے آگے اور دکان کے اس حصے میں بیٹھا ہوا تھا جسے میرے مرحوم ماموں ہمیشہ بھانسنے کا دانہ کہتے تھے۔ اور یہ دکان میں نے کھلی رکھی تھی یعنی ماموں کے انتقال کے بعد میں نے اسے بند نہ کر دی تھی کیونکہ جانتا تھا کہ ماموں کوئی چیز بدلنا نہ چاہتے تھے۔ مجھے اپنا کاریگر مختلف چیزیں اور اس کے نمونے دکھا رہا تھا۔ کیونکہ ان چیزوں کے متعلق، جو ہمارے کاریگر بناتے تھے اور ہماری دکان میں فروخت ہوتی تھیں، میری معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔

میں یوں مصروف تھا کہ دکان میں ایک دراز قامت خاتون داخل ہوئی اور اس کے ساتھ ایک امیر زادہ بھی تھا اور ان دونوں کا لباس ایسا ملتا جلتا تھا اور انھوں نے اپنے اپنے چغے کی ٹوپیاں یوں چہرے پر کھینچ رکھی تھیں کہ یہ کہنا مشکل تھا کہ ان میں سے کون مرد ہے اور کون عورت۔ چونکہ یہ دونوں باہر کی کھلی ہوا میں سے دکان میں آئے تھے۔ اور یہاں خاصی گرمی تھی، اس لئے دونوں نے اپنے اپنے چغے کی ٹوپیاں پیچھے گھسیٹ کر گردن پر ڈال لیں اور میرا دل ایک دو دھڑکنیں بھول

گیا۔ کیونکہ خاتون کوئی اور نہیں بلکہ بلانشے ایلی تھی اور اس کا ساتھی اس کا دور کا رشتہ دار لارڈ ڈیلے رائے تھا۔

بلانشے ایلی، جو ہسٹینگز کی آتش زدگی کے وقت کچی کلی تھی، اب کھل کر پھول بن گئی تھی۔ اور اس کا حسن اپنی ساری منزلیں طے کرکے انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ دراز قامت، نازک اور سفید رنگت والی بلانشے، جس کی آنکھیں اور بھی خوبصورت بن گئی تھیں اور پلکیں اور بھی لانبی ہو گئی تھیں۔ سینے کا اُبھار دل لوٹ لینے والا تھا اور کمر پتلی تھی اور متناسب الاعضا ــــ وہ مجسمۂ حسن تھی بلکہ حسن کی دیوی وینس تھی۔

لارڈ ڈیلے رائے بھی پہلے سے زیادہ قبول صورت ہوگیا تھا اور بدن پہلے سے مضبوط تھا اور اس میں مردانگی تھی۔ تاہم لباس ویسا ہی فوق البھڑک تھا اور جوتے اب بھی ویسے ہی تھے یعنی لمبی اور مڑی ہوئی نوکوں والے جو نازک سنہری زنجیروں سے گھٹنوں کے نیچے بندھے ہوئے تھے۔ اور اب اس کی ٹھوڑی پر چھوٹی سی نوک دار ڈاڑھی بھی تھی۔ مجھے دکاندار کے لباس اور جبے میں (اپنے مرحوم ماموں کی ہدایت پر عمل کرکے میں ایسا ہی لباس پہنتا تھا) دیکھ کر اس نے مجھے یوں مخاطب کیا جس طرح "بڑے لوگ" دکانداروں کو مخاطب کرتے ہیں۔

"خوب ملے سنار!" اس نے اپنے عمدہ لہجے اور شائستہ آواز میں کہا "میں اس خاتون کو نئے سال کا تحفہ دینا چاہتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تمھارے یہاں سونے کے پیالے اور طشتریاں وغیرہ بہت عمدہ بنتی ہیں۔ جن میں جواہرات جڑے ہوتے ہیں اور جن پر سورج بنا ہوتا ہے۔ میرے خیال میں نئے سال کے لیے اس سے بہتر تحفہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

نئے سال کا نیا سورج۔ بہت مبارک فال ہے یہ۔ لیکن مناسب ہوگا کہ خود جان گریمر سے میں بات چیت کروں اور انھیں سے چیز خرید وں کیونکہ میں کم درجہ لوگوں سے بات نہیں کرتا۔ چنانچہ جان گریمر کو یہاں بلاؤ یا مجھے ان کے پاس لے چلو"

اس پر میں ان دونوں کے سامنے جھک گیا اور اپنے دونوں ہاتھ مل کر یوں بولا، کیونکہ مجھے مذاق سوجھا تھا۔

"اگر ایسا ہی ہے تو مجھے حضور کو اس جگہ لے جانا پڑے گا جہاں فی الحال جناب شاید جانا نہ چاہتے ہوں گے۔ حالانکہ کیا پتہ حضور خلاف توقع جلدی اس جگہ پہونچ جائیں جہاں جان گریمر ہیں"

اور میں نے دیکھا کہ میری آواز سن کر بلانشے نے چونک کر میری طرف دیکھا اور میرے چغے کی ٹوپی کے نیچے میرا چہرہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ لارڈ ڈیلے رائے [illegible] چونکا اور پوچھا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"مطلب صاف ہے میرے حضور۔ جان گریمر یہ دنیا چھوڑ چکے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ اب ان کا مقام کہاں ہے کیونکہ یہ راز وہ اپنے ساتھ ہی لے گئے ہیں۔ لیکن ان کا کاروبار اس ناچیز نے سنبھال لیا ہے اور یہ کم درجہ خادم آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے"

اور اب میں نے گھوم کر اپنی دکان میں کام کرتے ہوئے نوکر سے کہا کہ وہ کارجی کو بلا لائے اور اس سے کہے کہ وہ بہترین پیالے اور زیورات لے کر آئے۔ نوکر چلا گیا اور میں اپنے شریف گاہکوں کے بیٹھنے کے لئے آتش دان کے قریب تپائیاں رکھنے لگا۔ اتفاقاً میرا ہاتھ بلانشے کے ہاتھ سے چھو گیا اور میں نے

دیکھا کہ وہ میری صورت دیکھنے کے لئے ایک دم سے بے قرار ہو گئی۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ فطرتاً یا کسی اور وجہ سے اس نے اس لمس کو ایک بار پھر پہچان لیا تھا۔ لیکن میں نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور چہرے کی ٹوپی چہرے پر اور کھینچ لی۔

عین اسی وقت کارہی اور نوکر قیمتی چیزیں لے کر آ گئے۔ کارہی نے دھاری دار اونی لیکن سادہ چغہ پہن رکھا تھا لیکن اس سادہ لباس میں بھی وہ اپنے پُروقار قد و قامت، چہرے پر کے نقوش اور چمکتی آنکھوں کی وجہ سے مشرق کے کسی ملک کا شہزادہ معلوم ہوتا تھا۔ ڈیلے رائے اور بلانشے حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے لیکن ان کے یوں دیکھنے کی کارہی نے کوئی پروانہ کی اور نہ ہی اسے کوئی اہمیت دی اور ایک شان بے اعتنائی سے وہ انھیں چیزیں دکھانے لگا۔ ان چیزوں میں ایک کافی بڑا اور خوبصورت ہیرا بھی تھا جو دل کی شکل کا تھا، جسے کارہی نے سونے کے بل کھائے ہوئے سانپوں کے بیچ میں جڑ دیا تھا۔ یہ سانپ پھن اٹھائے ہوئے تھے اور ان کی آنکھیں بھی چھوٹے چھوٹے ہیروں کی تھیں۔ اس بروچ پر بلانشے نے اپنی نظریں جما دیں اور پھر دوسری چیزیں ایک طرف ہٹا کر اس بروچ سے کھیلنے لگی۔ یہاں تک کہ لارڈ ڈیلے رائے نے اس کی قیمت پوچھی اور میں نے کارہی کی طرف دیکھا اور اس سے کہا کہ بیوپار کے اس جھگڑے سے میں واقف نہیں ہوں اور یہ میرا میدان نہیں ہے اور پھر بے پروائی سے اس بروچ کی قیمت بتائی اور یہ بڑی بھاری رقم تھی۔

"میرے خدا! بلانشے" ڈیلے رائے نے کہا "یہ دکاندار مجھے پاگل یا بیوقوف سمجھتا ہے یا اس کا خیال ہے کہ میرے گھر میں سونے کی کان ہے۔

اب یا تو تمہیں کوئی کم قیمت کا زیور انتخاب کرنا پڑے گا یا پھر اس سنار کو اپنے روپے کے لئے قدرے انتظار کرنا پڑے گا "

" آپ فکر نہ کریں۔ آپ پر مجھے بھروسا ہے۔ آپ قیمت بعد میں چکا دیجئے گا۔ آپ کی شان و شوکت اور شرافت کے دیکھتے ہوئے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میری رقم ڈوبے گی نہیں" میں نے کمر سے خم ہو کر بڑی انکساری سے کہا۔

ڈیلے رائے نے میری طرف دیکھا اور پھر کہا

" میں تم سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں "

ایک بار پھر میں اس کے سامنے جھک گیا اور اسے کمرۂ طعام میں لے آیا اور یہاں کی قیمتی سجاوٹ دیکھ کر ڈیلے رائے گھڑی بھر کے لیے سناٹے میں آگیا لیکن پھر فوراً ہی سنبھلا۔ وہ ایک منقش کرسی میں بیٹھ گیا اور میں اس کے سامنے مؤدب کھڑا رہا۔

" میں نے سنا ہے" وہ بولا " کہ جان گریم زیورات وغیرہ بیچنے کے علاوہ ایک دوسرا دھندا بھی کرتے تھے۔ میرا مطلب ہے کہ ..... "

" جی ہاں۔ وہ بدیسی مال کا بھی لین دین کرتے تھے "

" اور گھر کے مال کا بھی "

" جی ؟ "

" میرا مطلب ہے وہ روپیہ قرض دیتے تھے "

" جی ہاں۔ لیکن ضمانت پر اور سود پر بشرطیکہ مرحوم کے پاس روپیہ ہوتا۔ مناسب ہوگا کہ حضور جو کچھ کہنا چاہتے ہوں صاف صاف کہہ دیں"

" بات صاف۔ امراء، خصوصاً دربار کے امراء کو اکثر و بیشتر روپے کی

ضرورت پڑتی ہے۔"

"براہِ کرم فرمائیے کہ آپ کو کتنی رقم چاہیئے اور آپ ضمانت کیا دیں گے؟"

ٹیلے رائے نے جو رقم بتائی وہ بھاری تھی اور ضمانت پوچ۔

"کوئی ایسے صاحب ہیں جو آپ کے ضامن بن سکیں؟ کیونکہ آپ جو چیز بطور ضمانت پیش کر رہے ہیں، وہ معاف کیجئے رقم کے مقابلے میں کمزور ہے۔"

"ایک صاحب ہیں جن کی بڑی جائداد ہے سوزیکس میں۔"

"ان کا اسم شریف؟"

"سر رابرٹ ایلی"

"ان کا نام میں نے سنا ہے۔ اب اگر حضور اپنے وکیل سے ضمانت کے کاغذات تیار کروالیں تو میں زمین کی قیمت لگوا کر جتنی جلد ممکن ہوگا آپ کو جواب دوں گا۔"

"نوجوان ہو لیکن ہو بڑے ہوشیار۔"

"جناب! حالات سب کچھ سکھا دیتے ہیں اور جنگ اور بدامنی کے اس دور میں آدمی کو محتاط رہنا ہی پڑتا ہے۔ آپ نے جو رقم بتائی ہے وہ جان گریم مرحوم نے عمر بھر میں اور خود میں نے اب تک محنت و مشقت کر کے اکٹھی کی ہے۔"

ایک بار اس نے پھر کمرے کی سجاوٹ کو دیکھا، مسکرانے لگا اور کہا۔

"اچھی بات ہے۔ ایسا ہی ہوگا جیسا تم چاہتے ہو کیونکہ ہمیں روپے کی سخت ضرورت ہے۔ خط کس کے نام اور کس پتے پر بھیجا جائے۔"

"جان گریم، بوٹ ہاؤس، چیپ"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ ان کا انتقال ہوگیا؟"

"جی ہاں۔ لیکن ان کا نام زندہ ہے۔"

چنانچہ ہم کمرۂ طعام میں سے نکل کر دکان کی طرف چلے اور جب ہم جا رہے تھے تو میں نے کہا :۔

" اگر محترمہ کا دل اس بروچ پر آگیا ہے تو آپ اسے لے جا سکتے ہیں۔ قیمت بعد میں ادا کر دیجئے گا۔ آپ جانئے دنیا کا کون بدنصیب شوہر ایسا ہوگا جو اپنی بیوی کا دل دکھانا پسند کرے۔"

" وہ میری بیوی نہیں بلکہ دور کی عزیز ہے۔ جی تو اسے بیوی بنانے کو ہی چاہتا ہے لیکن وہ ایسے اعلیٰ خاندانی ہیں، جو تھپڑ مار کر اپنے چہرے لال رکھتے ہوں، کس طرح شادی کر سکتے ہیں ؟"

" غالباً اسی غرض سے حضور قرض لے رہے ہیں۔"

ایک بار پھر اس نے شانے اچکائے اور ہم دوکان میں آ گئے۔ دکان میں پہونچتے ہی میں نے چیتے کی ٹوپی سر پر سے گھسیٹ لی اور میں نے سر پر مخمل کی چندیا ٹوپی جما رکھی تھی ۔ بلانشے نے میری طرف دیکھا۔

" تم ۔ تم ۔" وہ بولی " وہی ہو نا جس نے وہاں ۔ غار کے دہانے پر سے تین تیر چلا کر تین آدمیوں کو خاک و خون میں لٹا دیا تھا؟"

" جی ہاں بانو۔ میں وہی ہوں ؛ وہ لندن کی شاہراہ پر آپ کا باز کتوں سے بچ گیا تھا ؟"

" نہیں ۔ وہ مر گیا بچارا۔ اور اسی دن سے میری مشکلات کا آغاز ہوا۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ میری قسمت تم اپنے ساتھ لے آئے ہو رابرٹ ہیسٹینگز۔"

" دنیا میں دوسرے بھی باز ہیں اور خوش قسمتی بھی واپس آسکتی ہے" میں نے جھک کر جواب دیا " یہ بروچ ہو سکتا ہے کہ آپ کی خوش قسمتی واپس لے آئے۔"

اور سانپوں کا بروچ، جس کے بیچ میں دل کی شکل کا ہیرا جڑا ہوا تھا، اِلڈ کریں نے اس کی خدمت میں پیش کر دیا۔

"ہائے!" بلانشے نے کہا۔ اس کی نیلی خوبصورت آنکھوں میں چمک آگئی "بے انتہا خوبصورت ہے۔ لیکن اس کی اتنی بھاری قیمت میں کہاں سے ادا کروں گی؟"

"میرے خیال میں قیمت کے معاملے کو فی الحال اٹھا رکھنا ہی مناسب ہوگا۔"

اور تب لارڈ ڈیلے رائے نے کہا:۔

"تو تم وہی جوان ہو جس نے ایک فرانسیسی نائٹ کو پرانی تلوار سے قتل کیا تھا اور تین تیر چلا کر تین فرانسیسیوں کو ٹھکانے لگایا تھا اور تمہارا چلایا ہوا ایک تیر ڈھال اور زرہ کو پھاڑ کر دشمن کے جسم میں ترازو ہو گیا تھا؟"

"میں وہی ہوں"

"تمہاری بہادری کی داستان اب تو لندن میں بھی مشہور ہو چکی ہے۔ خدا کی قسم تمہیں اس دکان کے بجائے بادشاہ کی فوج میں ہونا چاہیئے کہ بادشاہ کی خدمت کر سکو۔"

"فوج کے علاوہ خدمت دوسرے ذریعوں سے بھی تو کی جا سکتی ہے حضور۔ خدمت قلم سے بھی کی جا سکتی ہے، تجارت سے بھی اور تیر و تلوار سے بھی۔ چنانچہ میں دوسرے ذریعے سے بادشاہ کی خدمت کر رہا ہوں۔ تاہم کہا نہیں جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے ایک بار پھر اپنی کمان اور تلوار استعمال کرنی پڑے۔ اور تب میں بے تکلف ان کو استعمال کروں گا۔"

ڈیلے رائے میری صورت تکنے لگا اور پھر نیچی آواز میں جیسے اپنے آپ سے کہا :-

" دکاندار تم عجیب آدمی ہو اور زبان کے بھی سخت ہو۔ تمہاری باتیں اور تمہارے اس بلند قامت ملازم کی آنکھیں میری ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک کی لہریں دوڑا رہی ہیں ۔ آؤ بلانشے چلیں۔ باہر ہمارے گھوڑے سردی میں ٹھٹھر رہے ہوں گے۔ ماسٹر گریمر یا ماسٹر ہسٹینگز اگر میں نے کسی دوسرے سے معاملہ طے نہ کیا تو کاغذات تمہارے پاس پہونچ جائیں گے اور ہاں اس بروچ کی قیمت کا بل مجھے بھجوا دینا۔"

اور وہ دونوں رخصت ہوئے لیکن دروازے میں بلانشے کا چغہ پتہ نہیں کیل سے یا کسی اور چیز سے الجھ گیا۔ وہ اسے چھڑانے کے لیے گھوم کر جھک گئی اور تب اس نے اپنی اسی پیار بھری نظر سے دیکھا جسے میں بھولا نہ تھا۔

کاری انھیں باہر تک پہنچا کر واپس آیا تو دروازے کی چوکھٹ پر اور فرش پر ادھر ادھر غور سے دیکھنے لگا۔

"کس چیز میں الجھ گیا تھا اس کا چغہ ؟" میں نے پوچھا۔

" شاید ہوا نے یا روح نے اس کا دامن پکڑ لیا تھا "

" کیا مطلب ؟ "

" یہاں تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں دامن الجھ سکے۔ بات یہ ہے آقا ! کہ جو اپنی پشت کی طرف بھالا پھینکنا چاہتا ہے۔ اسے اس طرف گھومنا ہی پڑتا ہے "

" کاری جی ! ان دونوں کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے ؟ "

"میرے خیال میں وہ اس زیور کی قیمت ادا نہ کریں گے لیکن وہ زیور شاید

ہنسی میں پھنسا ہوا چارہ ہے۔"

"اور؟"

"یہ کہ وہ خاتون بے حد خوبصورت اور بے وفا ہے اور اس نواب

کا دل اس کی آنکھوں کی طرح کالا ہے اور پھر میرا خیال ہے کہ وہ دونوں

ایک دوسرے کو پیار کرتے ہیں اور ان کی جوڑی بھی بہت اچھی ہے۔ لیکن

آقا! معلوم ہوتا ہے کہ تم ان دونوں سے پہلے بھی مل چکے ہو اور ان کے متعلق

مجھ سے زیادہ ہی جانتے ہو گے۔"

"ہاں۔ میں پہلے بھی ان سے مل چکا ہوں" میں نے تلخی سے کہا کیونکہ

کاریبی کے الفاظ مجھے برے معلوم ہوئے تھے۔ "کاریبی! ایک بات میں نے

خصوصیت سے دیکھی ہے۔"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ میں جس کو پسند کرتا ہوں یا جس پر مہربان ہوتا ہوں یا جو میرا

دوست ہوتا ہے اس کے لیے تمہارے پاس کبھی اچھے الفاظ نہیں ہوتے

تم فطرتاً حاسد ہو کاریبی، خصوصاً صنف نازک کے معاملے میں۔"

"تم نے پوچھا اور میں نے جواب دیا" وہ انکساری سے بولا "اور یہ بھی

سچ ہے کہ جو پیار کرتے ہیں وہ حاسد ہوتے ہیں۔ میری قوم میں یہ کمزوری عام

ہے۔ اس کے علاوہ صنف نازک سے مجھے پیار نہیں۔ اچھا اب میں جا کر ایسا

ہی دوسرا زیور بناتا ہوں جیسا کہ آقا نے اس خاتون کو دے دیا ہے البتہ

اس دفعہ اس میں صرف سانپ ہوں گے، دل نہ ہو گا۔"

اور وہ بقیہ زیورات لے کر چلا گیا اور میں کمرۂ طعام میں آ گیا کہ سکون سے واقعات

پر غور کر سکوں۔

کس قدر عجیب ملاقات تھی یہ۔ میں بلا نشٹے کو بھولا نہ تھا۔ البتہ میں نے اس کی یاد کو دبا دیا۔ اور اس خیال سے میں ہیسٹنگز بھی نہ گیا تھا کہ کہیں وہاں میری ملاقات بلا نشٹے سے نہ ہو جائے۔ لیکن اب قسمت اسے نہ صرف لندن بلکہ میری دکان میں اور میرے سامنے لے آئی تھی۔ لیکن بات یہیں ختم نہ ہو گئی تھی بلکہ اس کی خوبصورت اور پیار بھری نظر نے میرے دل میں ایک بار پھر وہی شعلہ بھڑکا دیا تھا جسے ٹھنڈا کرنے میں میں ایک حد تک کامیاب ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس وقت، جب کہ میں کمرۂ طعام میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا، مجھے شدت سے احساس ہوا کہ میں بلا نشٹے سے محبت کرتا ہوں۔ مجھے اپنی دولت سے زیادہ بلکہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ وہ عزیز تھی لیکن افسوس — ہمارے درمیان ایک زبردست خلیج حائل تھی

بے شک اب تک اس کی شادی نہ ہوئی تھی لیکن وہ ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور میں ایک معمولی سا تاجر اور بیوپاری تھا، اپنے آپ کو خاندانی یا صاحب یا شریف نہ کہہ سکتا تھا اور قانوناً اس خاص کپڑے کا لباس بھی نہ پہن سکتا تھا جو میں فروخت کرتا تھا۔ یہ خلیج کس طرح پاٹی جا سکتی تھی؟

یکایک مجھے اپنے ماموں مرحوم کا ایک قول یاد آ گیا۔ سونا انسان کے اختلافی چشموں پر پل بنا دیتا ہے۔ یہ شریف لوگ، یہ امرا اپنے تمام طمطراق کے باوجود مفلس تھے۔ یہی لوگ اپنا بھرم قائم رکھنے اور قرض خواہوں سے اپنی عزت بچانے کے لئے میرے پاس روپیہ قرض لینے کی غرض سے آتے تھے۔ بہ ظاہر یہ ہرے بھرے تھے لیکن اندر سے کھوکھلے، دیمک لگے درخت کی طرح۔

اور پھر کیا ان کے اور میرے درمیان بہت زیادہ فرق تھا؛ کہتے ہیں کہ سر رابرٹ ایلی کا جدِ امجد خود ایک معمولی بیوپاری تھا اور جنگ سے فائدہ اٹھا کر اس نے ایک کے سو کئے تھے بلکہ میں نے تو یہاں تک سنا تھا کہ مویشیوں کی تجارت کرتا تھا۔ رہا لارڈ ڈیلے رائے تو وہ ناجائز اولاد میں سے تھا۔ یہ ان امرا کی اعلیٰ نسبی تھی۔ رہا میں ــ ہاں ان امرا کے مقابلے میں ــ تو میں باپ کی طرف سے بھی شریف تھا اور ماں کی طرف سے بھی۔ میرے دونوں طرف کے اجداد نے بڑے بڑے کارنامے انجام دئے تھے اور انھوں نے حلال کی روٹی کھائی تھی۔ اور میں بھی حلال کی روٹی کھا رہا تھا۔ تو ان نام نہاد شرفا سے کیا میں گرا ہوا تھا؛ نہیں۔ بلکہ میں ان امرا سے زیادہ امیر، جہاں تک دولت کا تعلق تھا ــ اور ان شرفا سے زیادہ شریف تھا، جہاں تک شرافت کا تعلق تھا۔

چنانچہ میں نے یوں سوچ کر اور اس فیصلے پر پہونچ کر اسی وقت قسم کھائی کہ بلانتنے کو حاصل کر کے رہوں گا۔ اب سوال یہ تھا کہ ــ کیسے؛ میں بادشاہ کی فوج میں بھرتی ہو کر نائٹ بن سکتا تھا اور پھر میرے لئے بند دروازہ کھل جائے گا۔

نہیں۔ یہ تو بڑا طویل راستہ تھا اور میرے دل میں کوئی غیبی قوت کہہ رہی تھی کہ وقت بہت کم ہے۔ اس عجیب بدیسی شخص نے، جس کا نام کارتی تھا، کہا تھا کہ بلانتنے پر ڈیلے رائے فریفتہ ہے اور خود بلانتنے بھی اس کی طرف بہت حد تک مائل ہے۔ ہر چند کہ میں کارتی پر غصے ہو گیا تھا اور اس کی اس بات کو اس کے حسد پر محمول کیا تھا۔ تاہم میں دل ہی دل میں اس کا معترف تھا کہ کارتی کی نظر مستقبل میں دور تک دیکھ سکتی تھی۔ چنانچہ اب صورت حال یہ تھی کہ اگر میں

نے ذرا بھی سستی دکاہلی کا ثبوت دیا تو یہ حسین پرندہ میرے ہاتھ سے نکل کر کسی دوسرے کے پنجرے میں پہونچ جائے گا۔ چنانچہ مجھے جو کچھ کرنا تھا فوراً کرنا تھا اور میں نے فیصلہ کیا کہ میرے پاس دولت ہے چنانچہ اسی کو ہتھیار بنایا جائے اگر یہ ہتھیار ناکامیاب رہا تو پھر جنگی ہتھیار بھی استعمال کرنا میں جانتا تھا۔

سالِ نو کے تیسرے دن ضروری کاغذات اور ان زمینوں کی فہرست، جنھیں سر رابرٹ ایلی اپنے عزیز ڈیلے رائے کی خاطر میرے پاس گروی رکھنے کے لئے تیار تھا، میرے پاس پہونچ گئی۔ میں سوچنے لگا کہ سر رابرٹ اپنی جائداد ڈیلے رائے کی خاطر گروی کیوں رکھ رہا تھا: اس سوال کا ایک ہی جواب ہو سکتا تھا یعنی جو دوپیہ میں ڈیلے رائے کو قرض دوں گا وہ اس کے لئے نہیں بلکہ دراصل سر رابرٹ کے لیے ہوگا۔

لیکن — دوسری وجہ میرے دماغ میں سلگنے لگی — ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ ڈیلے رائے کو اپنی جائداد کا وارث سمجھتا ہو اور اگر ڈیلے رائے کی شادی بلانشے سے ہوگئی تو ظاہر ہے کہ وہی سر رابرٹ کا وارث ہوگا۔ اگر ایسا ہی تھا تو پھر مجھے فوراً کچھ کرنا تھا — ہاں۔ اگر میں بلانشے کو حاصل کرنا چاہتا تھا تو مجھے فوراً کوئی قدم اٹھانا تھا اور سونے کے اس راستے کے ذریعہ میں بلانشے تک پہونچ سکتا تھا۔

چنانچہ ایک بار پھر میں نے سر رابرٹ کی املاک کی فہرست کا مطالعہ کیا۔ اتفاقاً اس کی املاک سے میں واقف تھا کیونکہ یہ املاک زیادہ تر ہیوٹنسی اور ہسٹینگز کے آس پاس ہی تھی۔ دوسری بات جو ظاہر ہوئی وہ یہ تھی کہ اس

املاک کی قیمت اتنی نہ بنتی تھی جتنی رقم مجھ سے طلب کی گئی تھی۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑنے والا تھا؟ میرے نزدیک اس معاملے میں منافع ثانوی چیز تھی بلکہ یہاں منافع کا سوال ہی نہ تھا۔ رقم بڑی بھاری تھی لیکن اگر مجھے بلاسٹنے کو حاصل کرنا تھا تو اس کے لئے اس بھاری رقم کو مجھے داؤں پر لگانا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے املاک کی قیمت انکوائے بغیر سر رابرٹ کو خط لکھ دیا کہ کاغذات اور دستاویز پر دستخط ہو جائیں تو میں مطلوبہ رقم اس شخص کو دے دوں گا جسے سر رابرٹ نامزد کریں گے۔

میرا یہ خط کافی طویل کاروباری خط و کتابت کا آغاز ثابت ہوا لیکن اس کی تفصیلات بیان کرنے کی یہاں نہ تو ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔ دوسرے دن مجھے سر رابرٹ کے گھر، جو ویسٹ منسٹر ایبے کے قریب تھا بلوایا گیا۔ وہاں پہونچا تو دیکھا کہ سر رابرٹ کے بال کچھ زیادہ ہی سفید ہو گئے تھے اور وہ خود بھی زیادہ بوڑھے اور بجھے بجھے سے معلوم ہوتے تھے۔ ڈیلے رائے بھی موجود تھا۔ اور دو وکیل بھی جن کی صورت سے مجھے دیکھتے ہی چڑ ہو گئی۔ ان کے لبشروں سے لومڑی کی سی عیاری ظاہر تھی۔ میرے دل میں فوراً خیال آیا کہ مجھے پھانسا جا رہا ہے اور اگر بلاسٹنے کو حاصل کرنے کا خیال غالب نہ ہوتا تو میں نے اسی وقت معاہدہ توڑ دیا ہوتا چنانچہ اسی خیال سے میں نے ایک بار پھر اپنی شرائط پیش کیں اور شرح سود اور سود ادا کرنے کی تاریخیں بتائیں اور پھر میں بہت دیر تک بیٹھا رہا اور ہم دوسرے کاغذات الٹ پلٹ کرتے اور آپس میں بحث کرتے رہے یہاں تک کہ ڈیلے رائے جو بے قرار معلوم ہوتا تھا، اکتا گیا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ آخر کار کاغذات وغیرہ تیار ہو گئے اور چونکہ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا اس لئے وہ لوگ مجھے بھی اپنے ساتھ کھانے کے کمرے میں لے آئے اور ان لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے کو جی تو

چاہتا تھا لیکن اس خیال سے تیار ہو گیا کہ شاید بلانشے کے دیدار ہو جائیں۔

ایک ہٹلر یا شاید کمروں کا منتظم مجھے کمرۂ طعام میں لے آیا جس کے ایک سرے پر چبوترہ سا بنا ہوا تھا۔ اس چبوترے کے نیچے میں وکیلوں کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھ گیا۔ چند ثانیوں بعد ہی سر رابرٹ ایلی، بلانشے، ڈیلے رائے اور آٹھ دس دوسرے امرا جنھیں میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا آ کر چبوترے پر بیٹھ گئے۔ بلانشے نے مجھے چبوترے سے نیچے والی میز پر بیٹھے دیکھا تو اپنے باپ اور ڈیلے رائے سے کچھ کہا ڈیلے رائے نے شاید مخالفت کی تو بلانشے اس سے بحث کرنے لگی۔ بحث کے دوران جو خاموشی طاری ہو گئی تھی اس میں میں نے بلانشے کے چند الفاظ سن لیے:۔

"جب تم اس سے روپیہ لیتے نہیں شرماتے تو پھر تمھیں اس کے ساتھ کھانے پر بیٹھتے بھی شرم نہ آنی چاہیے" وہ بولی۔

ڈیلے رائے نے جھنجھلا کر پیر پٹخا لیکن آخر میں ہوا یہ کہ مجھے چبوترے پر بلا لیا گیا اور بلانشے نے اپنے قریب میرے بیٹھنے کے لیے جگہ بنا دی اور ڈیلے رائے میز کے انتہائی سرے پر دو فوق البھڑک عورتوں کے درمیان بیٹھ گیا۔

چنانچہ میں بلانشے کے پہلو میں بیٹھا اور سب سے پہلی بات جو میں نے دیکھی وہ یہ تھی کہ بلانشے نے وہی بروچ لگا رکھا تھا جس میں دل کی شکل کا ہیرا جڑا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے اسی بروچ کے متعلق بات کی۔ اس نے کہا:۔

"میرے لباس پر یہ بے حد خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس تحفے کے لئے میں تمھارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ ہاں ماسٹر ہیوبرٹ یہ تمھارا دیا ہوا تحفہ ہے نہ کہ ڈیلے رائے کا کیونکہ اس کی قیمت تو تمھیں اس جنم میں تو ملنے سے رہی۔"

اور اس کے جواب کے طور پر میں نے میز پر سجی ہوئی چاندی کی طشتریوں، تابنوں، مرغن کھانوں اور خدمت گاروں کی فوج کی طرف دیکھا۔ یہ رے

خیالات کا اندازہ لگا کر بلانشتے نے کہا:-

"ہاں۔ یہ ٹھاٹھ محض دکھاوا ہے کیونکہ ہر چیز گروی ہے ماسٹر ہیوبرٹ یقین کرو ہم بھوک مرتے ہوئے کتے ہیں حالانکہ اس سگ خانے میں رہتے ہیں جس کی سلاخیں سونے کی ہیں اور اب یہ کتے یہ سگ خانہ بھی تمہارے پاس گروی رکھ رہے ہیں"

میں سوچ ہی رہا تھا کہ کیا جواب دوں کہ بلانشتے نے گزرے ہوئے زمانے کا ذکر چھیڑ دیا۔ یعنی ہسٹینگز پر فرانسیسیوں کے حملے کا ذکر۔ اسے ایک ایک بات یاد تھی۔ حتیٰ کہ اس سے کہا ہوا میرا ایک ایک لفظ تک اسے یاد تھا۔ البتہ ایک چیز کا اس نے ذکر نہ کیا۔ اس رخشتی بوسے کا۔ جب اس نے میری بہادری اور شمشیر زنی کی تعریف کی تو میں نے اسے بتایا کہ اس تلوار کا نام شعلہ بار ہے

"اچھا!" وہ بولی۔

"اور یہ میرے جد امجد تھور گریم کی ہے اور مجھے ورثے میں ملی ہے"

"اور ان نام نہاد شریف زادوں کو تمھیں اپنے ساتھ کھانے پر بٹھاتے شرم آتی ہے حالانکہ تم ان سب سے زیادہ شریف ہو، تمھارا خاندان ان سب کے خاندانوں سے زیادہ قدیم ہے اور تم بہت زیادہ بہادر بھی ہو جیسا کہ تم نے ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ میری زندگی اور میری جان تمھاری ہے ان لوگوں کی نہیں ہے"

اور اس نے مجھے کچھ ایسی نظر سے دیکھا کہ وہ میرے دل کے آر پار ہو گئی میں خود بے چین ہو گیا اور میز کے نیچے اس کا نرم و نازک ہاتھ آہستہ سے میرے ہاتھ پر ٹک گیا۔

اس کے بعد چند ثانیوں تک ہم خاموش رہے کیونکہ میرا حلق ایک

دم سے خشک ہو گیا تھا اور زبان گنگ۔ اس کے بعد ہم پھر باتیں کرنے لگے۔ اور ہم بے تکلف ایسا کر سکتے تھے۔ کیونکہ میرے بائیں طرف کوئی نہ تھا کہ یہاں میز ختم ہو جاتی تھی اور بلانشے کی دائیں طرف ایک بے حد موٹا آدمی بیٹھا ہوا تھا جو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر پی رہا تھا اور جو شاید بہرا بھی تھا۔ میں نے بلانشے کو اپنے متعلق بتایا اور یہ بھی بتایا کہ جس دن ہسٹنگز کو آگ لگائی گئی تو اس دن میری ماں نے پیشین گوئی کی تھی کہ میں سیاح بنوں گا یا آوارہ گرد کروں گا۔ اس پر بلانشے نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا :-

"اس کے باوجود تم لندن میں جم گئے ہو اور تم نے اپنا کاروبار بھی جما لیا ہے"

"لیکن لندن میرا آبائی وطن نہیں ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ ہم وہیں جائیں گے جہاں ہمارا مقدر لے جائے گا"

"مقدر :- یہ لفظ مجھے کیا یاد دلا رہا ہے :- ہاں - تمھارا وہ عجیب و غریب ملازم جو یہ زیورات بناتا ہے"

"کارہی !"

"ہاں۔ اس کی آنکھیں مقدر کی آنکھیں ہیں۔ اور مجھے اس آدمی سے ڈر لگتا ہے"

"یہ عجیب بات ہے با تو - لیکن شاید اتنی عجیب نہیں ہے۔ کیونکہ کارہی میں کوئی خاص بات ہے۔ وہ اکثر مجھ سے کہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ کسی انجانے ملک میں جاؤں گا جہاں کا وہ شہزادہ ہے"

اور پھر میں نے اسے کارہی کی داستان سنائی۔ وہ حیرت سے سنتی رہی اور جب میں خاموش ہوا تو بولی :-

"تو اس غریب کی جان بھی تم نے بچائی ہے۔ اب یقیناً وہ تم پر جان چھڑکتا ہوگا"

"بالکل۔ بلکہ اکثر تو وہ رشک و رقابت اور حسد کا بھی مظاہرہ کر بیٹھتا ہے حالانکہ میں نے صرف یہ کیا ہے کہ اسے صرف غنڈوں سے بچایا ہے۔ جو بندرگاہ پر اسے پریشان کر رہے تھے۔

"اس کے حسد کا اندازہ تو میں نے گزشتہ کل ہی لگا لیا تھا۔ لیکن یہ پھر عجیب بات ہے کیونکہ مرد اور مرد اور عورت اور عورت میں پیار مختلف قسم کا ہوتا ہے جس میں رشک و رقابت یا حسد کا مادہ نہیں ہوتا۔ اچھا اب خاموش رہو۔ کیونکہ یہ لوگ ہم پر ہنس رہے ہیں اس لیے کہ ہم دونوں گھل مل کر باتیں کر رہے ہیں۔ گہرے دوستوں کی طرح۔"

اور میں نے اس طرف دیکھا جس طرف بلانتشے دیکھ رہی تھی۔ اور میں نے دیکھا کہ ڈیلے رائے نے ان دونوں عورتوں نے جن کے درمیان وہ بیٹھا ہوا تھا، بہت زیادہ شراب پی لی تھی اور اب وہ تینوں ہماری طرف اشارے کر کر کے ہنس رہے تھے۔ دعوتوں میں وقتاً فوقتاً خاموشی طاری ہو جاتی ہے۔ ایسی ہی عارضی خاموشی یہاں بھی طاری ہوئی تو اس خاموشی میں میں نے ڈیلے رائے کی ساتھیوں میں سے ایک عورت کو کہتے سنا۔

"جانِ من! تمہیں ہوشیار رہنا چاہیئے۔ مجھے تو آثار اچھے نظر نہیں آتے کہیں ایسا نہ ہو یہ بلبل تمہارے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے شانے پر جا بیٹھے اور اس کے کان میں پیار کا گیت گانے لگے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ اس بلبل کو تو میں نے اچھی طرح سے دبوچ رکھا ہے اور پھر ایسی ہر کیتی بلبل کی پرواہ کرتا بھی کون ہے جس کے پر دوسرے کی ٹوپی میں لگے ہوئے ہوں"

میں سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کے ان جملوں کا مطلب کیا ہو سکتا ہے کہ یکایک کھانا ختم ہو گیا اور بلانتشے اٹھ کر عقبی دروازے سے کہیں اندر چلی گئی۔ ڈیلے رائے

اس کے پیچھے ہی تھا اور میں نے دیکھا کہ وہ غصّے میں بھرا ہوا تھا اور اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

اس کے بعد میں اکثر دفعہ اس عظیم الشّان حویلی میں گیا جو ان لوگوں کا گویا اڈا بنی ہوئی تھی جو چال چلن کے بھی اتنے ہی ڈھیلے تھے جتنے کہ زبانوں کے۔ میں کوئی فرشتہ یا ولی نہیں ہوں لیکن مجھے زرق برق لباسوں میں ملبوس اور مڑی ہوئی نوکوں کے جوتے پہنے ہوئے لوگوں سے، جو اپنے آپ کو "امرا" کہتے تھے، چڑ ہو گئی۔ اور سر رابرٹ بھی یقیناً ان لوگوں کو پسند نہ کرتے تھے اس کے باوجود، میں نے دیکھا کہ وہ ان لوگوں کے خصوصاً ڈینلے راٹے کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے تھے۔ اور ڈیلے راٹے گویا اس گروہ کا سرغنہ تھا۔ یہ نہیں کیا بات تھی کہ سر رابرٹ اور ان کی بیٹی بھی اس شخص کے شکنجے میں معلوم ہوتے تھے۔ ان کی یقیناً کوئی مجبوری تھی لیکن یہ مجبوری کیا تھی؟ یہ میں معلوم نہ کر سکا۔

خیر۔ تو ضروری کاغذات تیار ہو گئے، سود کی شرح مقرر ہو گئی اور قرض کا روپیہ سر رابرٹ کو مل گیا۔ اس کے بعد اس حویلی میں اور بھی زیادہ دعوتیں اڑنے لگیں اور اور بھی زیادہ جلسے ہونے لگے۔ لیکن جب سود ادا کرنے کی تاریخ آئی تو میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ پہنچی۔ چنانچہ مجھ سے کہا گیا کہ اس سود کے عوض میں ایک زمین لے لوں۔ یہ تجویز سر رابرٹ نے پیش کی اور میں نے قبول کر لی کیونکہ بلاتشے نے مجھ سے کہا کہ اس سے اس کے والد کو فائدہ ہو گا۔ لیکن جب میرا وکیل اس زمین کے کاغذات تیار کر رہا تھا تو ظاہر ہوا کہ یہ زمین سر رابرٹ کی نہ تھی۔

اس کے بعد سر رابرٹ اور ڈیلے راٹے میں جھگڑا ہوا۔ اس وقت میں وہیں موجود تھا۔

سر رابرٹ نے ڈیلے رائے پر دھوکے بازی کا الزام لگایا اور کہا جب وہ فرانس میں تھے تو ڈیلے رائے نے ان کے جعلی دستخط کر کے یہ زمین اپنے نام کر لی تھی۔ اس پر ڈیلے رائے نے کہا کہ اس نے جو کچھ کیا تحریری اختیار نامے کی رُو سے کیا۔ جھگڑا بڑھا اور دونوں نے تلواریں کھینچ لیں۔ اب پر ڈیلے رائے سر رابرٹ کو ایک طرف لے گیا اور اپنے ہونٹوں پر نہایت ہی کمینہ مسکراہٹ لا کر ان کے کان میں کچھ کہا۔ بوڑھے نائٹ کے گھٹنے ایک دم سے جواب دے گئے وہ دھم سے تپائی پر بیٹھ گیا اور چیخ کر بولا:-

"ذلیل کتے! نکل جا اس گھر سے اور انگلستان سے بھی نکل جا آئندہ اگر میں نے تجھے یہاں دیکھا تو خدا کی قسم تجھے ذبح کر دوں گا چاہے تو بادشاہ کی ناک کا بال ہی کیوں نہ ہو"

اس کا جواب ڈیلے رائے نے ایک قہقہہ لگا کر یوں دیا:-

"بہت اچھا چلا جاتا ہوں بھائی میرے! بادشاہ کے ایک ضروری کام سے مجھے فرانس جانا ہے۔ چنانچہ اب اس قرض خواہ سے معاملہ تم ہی طے کرو جسے معلوم ہو ہی گیا ہوگا کہ اب تک تو تم نے اسے دھوکا دیا ہے۔ یہ معاملہ اب تم جس طرح چاہو کر سکتے ہو۔ بے عزتی سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور اس سے تم واقف ہو۔ اب میں چند باتیں بلانتیجے سے اور ایک دو باتیں بادشاہ سے کر کے ڈوور کے لئے روانہ ہو جاؤں گا چنانچہ خدا حافظ سر رابرٹ! اور خدا حافظ تاجر ہیو برٹ صاحب! تمہاری رقم تو شاید ڈوب گئی لیکن خیر میری جدائی کا غم نہ کرنا سر رابرٹ! اور تم بھی ہیو برٹ صاحب! کیونکہ میں جلد ہی واپس آ ؤں گا۔"

اس پہ میرا خون کھول گیا۔ اور میں نے کہا "آپ مناسب ہوگا کہ بہت ڈینگ نہ ماریں اور یہ بھی مناسب ہوگا کہ لندن واپس نہ آئیں کیونکہ اگر ایسا ہوا تو آپ مجھے قلم اور کاغذ کے بجائے تلوار اور ڈھال لئے اپنا منتظر پائیں گے۔"

"لو بھائی! اس چیونٹی کے بھی پر نکل آئے۔ جیب کا یہ ذلیل تاجر اپنے آپ کو نائٹ سمجھ رہا ہے۔" ڈیلے رائے نے کہا۔ اور پھر ایک قہقہہ لگا کر وہاں سے چلا گیا۔

چھٹا باب (۶)

شادی اور اس کے بعد

میں اور سر رابرٹ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ اور غصّے سے ہماری زبانیں گنگ تھیں۔ آخر کار سر رابرٹ نے پھٹی ہوئی آواز میں کہا

"ماسٹر ہیوبرٹ! اس حرامی کتّے نے آپ کی جو ہتک کی ہے اس کی میں معافی چاہتا ہوں۔ اگر آپ اس کی زندگی کی داستان سے واقف ہوتے تو یقیناً اس بات سے اتفاق کرتے کہ ایسا پنچ اور ذلیل آدمی دنیا میں اور کوئی نہ ہوگا۔ یہ وہ نمک حرام سانپ ہے جسے میں نے اپنے گناہوں کی یادداشت میں دودھ پلا کر پالا ہے۔ یہی وہ نمک حرام ہے جس نے میری ساری دولت اڑا کر مجھے مفلس و قلاش کر دیا ہے۔ یہی وہ احسان فراموش ہے جس نے میرے نام سے فائدہ اٹھا کر اس کا ناجائز استعمال کیا ہے۔ یہی وہ پنچ آدمی ہے جو میرے گھر کو یوں استعمال کرتا ہے جیسے یہ گھر اس کا اور اس کے باپ کا ہے اور یہاں وہ فاحشہ عورتوں کو لاتا ہے اور ان لوگوں کو لاتا ہے جو ان فاحشہ عورتوں سے بھی زیادہ گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کا نام مشہور ہیں اور وہ شریف اور امیر کہلاتے ہیں۔"

اور غصّے کی وجہ سے ان کے حلق میں پھندے پڑ گئے اور وہ خاموش ہو گئے۔

لیکن آپ یہ سب کچھ کیوں برداشت کر رہے ہیں؟"

"اس لئے کہ مجبور ہوں ۔ اس آدمی نے مجھے اور میری بیٹی کو گردن سے دبوچ رکھا ہے ۔ ماسٹر ہیوبرٹ ! یہ شخص ڈیلے رائے بڑا ہی بااختیار اور بارسوخ آدمی ہے اس کے ایک لفظ پر بادشاہ مجھے اور میرے عزیزوں کو پھانسی پر چڑھا سکتا ہے "

اور پھر انھوں نے موضوع بدل کر کہا :۔

"مجھے خوف ہے کہ تمھاری رقم، اگر کل نہیں تو زیادہ تر، ڈوب گئی ۔ کیوں کہ ڈیلے رائے نے جو بانڈ لکھا ہے وہ بے حقیقت ہے اور میری زمینز میری بے خبری میں گروی رکھ دی گئی ہے اس لئے میں قرض حاصل کرنے کسی کے پاس نہ جا سکتا تھا اور نہ جا سکتا ہوں ۔ ماسٹر ہسٹینگز ! ہر چند کہ میں برے لوگوں میں پھنس گیا ہوں لیکن میں ایماندار آدمی ہوں اور میرا ضمیر مجرا نہیں ہے چنانچہ اس دھوکے بازی کے کھیل نے مجھے غم زدہ کر دیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ کس طرح تمھارا قرض ادا ہوگا "

اور اب ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے میرے دماغ میں کوند گیا ۔ میں نظرتاً بے دھڑک آدمی ہوں ۔ تلوار کے معاملے میں بھی اور زبان کے معاملے میں بھی ۔ "میں نے کہا ۔

" سر رابرٹ ! اگر آپ اور ایک اور ہستی پسند کرے تو ایک راستہ ہے جس کے ذریعے آپ ذرا بھی شرمندہ ہوئے بغیر اس قرض سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں اور مجھے بھی کوئی نقصان نہ ہوگا "

"تو پھر جلدی بتاؤ کیونکہ مجھے تو کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا ہے "

"چند برسوں پہلے وہاں ہسٹینگز میں میں نے آپ کی صاحبزادی کی جان بچائی تھی ...."

"ہاں ۔ ہاں "

"اور اسی وقت سے میں انھیں دل دے بیٹھا ہوں "

سر رابرٹ چونکے۔ تاہم انھوں نے مجھے اشارے سے اپنی بات جاری رکھنے کو کہا
"یقین کیجئے جناب! میں آپ کی بیٹی کو دل وجان سے چاہتا ہوں اور انھیں اپنی شریک حیات بنانے کا خواہش مند ہوں۔ بے شک وہ رتبے میں مجھ سے بہت بلند ہیں لیکن میں بھی، حالانکہ معمولی سا تاجر ہوں، ایک اچھے اور شریف خاندان کا فرد ہوں جو میں ثابت کر سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ میں دولت مند ہوں۔ جو رقم میں نے آپ کو یا ڈیلے رائے کو یا دونوں کو قرض دی ہے وہ میری اس دولت کی رائی برابر حصّہ ہے جس میں ایمانداری کے بیوپار سے دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ سر رابرٹ! اگر آپ نے میری یہ درخواست قبول کر لی تو میں نہ صرف آپ کی مدد کروں گا بلکہ بلانشتے اور اپنے بچوں کے نام بھی بہت سا روپیہ کر دوں گا فرمائیے کیا فیصلہ ہے آپ کا؟"

سر رابرٹ اپنی ڈاڑھی کھجلانے اور فرش کی طرف دیکھنے لگے۔ چند ثانیوں کے بعد انھوں نے سر اٹھایا تو ان کے بشرے سے پریشانی اور الجھن عیاں تھی۔ یہ اس شخص کا چہرہ تھا جو خود اپنے آپ سے یا اپنے تکبّر سے دست و گریباں تھا۔

"مناسب درخواست ہے اور مناسب الفاظ میں پیش کی گئی ہے" وہ بولے "لیکن سوال یہ نہیں ہے کہ میرا کیا فیصلہ ہے بلکہ یہ ہے کہ خود بلانشتے کیا کہتی ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتا کیونکہ آج تک میں نے ان سے پوچھا نہیں۔ اس کے باوجود اتنا تو ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میرے متعلق ان کے خیالات بُرے نہیں ہیں۔"

"اچھا بہرحال اب جب کہ وہ...... خیر۔ اس ذکر کو چھوڑو اب۔ ماسٹر ہسٹینگز! چنانچہ اس سلسلے میں میں تمھیں قسمت آزمائی کی اجازت دیتا ہوں۔ اور امید ہے کہ جو ہوگا اچھا ہی ہوگا۔ تمھارے پاس دولت ہے چنانچہ

لوگ جلد ہی تمہارا یہ مقام، جو اس وقت ہے، بھول جائیں گے۔ تم ایماندار آدمی ہو اس لئے تمہیں بیٹا بنا کر مجھے از حد مسرت حاصل ہو گی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ان درباری بدمعاشوں اور ان ذلیل لوگوں سے اکتا گیا ہوں۔ اگر بلانتشے کے متعلق تمہارے ایسے ہی جذبات ہیں تو میرا مشورہ یہ ہے کہ فوراً ان پر عمل کرو۔ کیونکہ میری بیٹی ایک ایسی خوبصورت ہنسنی ہے جس کے لئے دربار کے گندے پانی میں بہت سوں نے بہت سے جال بچھا رکھے ہیں۔"

"جی ہاں۔ یہ معاملہ جتنی جلد طے ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں بلانتشے کو تمہارے پاس بھیجے دیتا ہوں۔ ایک بات اور زیادہ شرمیلا بننے کی کوئی ضرورت نہیں اور اس کے پہلے انکار کو آخری اور قطعی نہ سمجھنا اور نہ ہی اس کی پچھلی آرزوؤں اور خواہشات کی داستان پر دھیان دینا عورتیں ایسی داستانیں سنایا ہی کرتی ہیں۔"

اور پھر وہ مجھے چھوڑ کر ایک دم سے چلے گئے اور میں ان کے الفاظ اور سلوک پر حیرت کرتا ہی رہ گیا۔ جو میری سمجھ میں نہ آیا تھا۔ البتہ ایک بات میری سمجھ میں آگئی تھی یعنی یہ کہ سر رابرٹ چاہتے تھے کہ میں بلانتشے سے شادی کر لوں اور خود ان کے لقبے اور مقام کے پیش نظر یہ بات مجھے عجیب معلوم ہوئی حالانکہ یہ سچ تھا کہ میرے پاس دولت تھی جو بلانتشے کے پاس نہ تھی یا شاید یوں تھا کہ ڈیلے رائے نے ان کا نام لے کر جو دھوکے بازی کی تھی وہ اس کی تلافی اس طرح کرنا چاہتے تھے۔ بہرحال میں نے یہ خیالات جھٹک دیئے اور سوچنے لگا کہ مجھے بلانتشے سے کیا کہنا ہے۔

میں بہت دیر تک انتظار کرتا رہا اور وہ نہ آئی۔ یہاں تک کہ میں نے سوچا کہ شاید وہ گھر میں نہ ہو گی یا شاید اس نے مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا ہو گا آخر کار وہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس قدر خاموشی سے کہ میں کھڑکی سے باہر

دیکھ رہا تھا، میں نے نہ تو دروازہ کھلتے سنا اور نہ بند ہوتے۔ میرا خیال ہے کہ اس کی موجودگی کا احساس مجھے میری چھٹی حس نے دلا دیا کہ میں ایک دم سے اس کی طرف گھوم گیا۔ وہ سفید لباس پہنے میرے سامنے کھڑی تھی۔ سر پر رومال بندھا تھا اور سینے پر سانپ کا وہی بروچ تھا جس میں دل کی شکل کا ہیرا جگمگا رہا تھا جو میں نے اسے دیا تھا۔ وہ بے حد حسین معلوم ہوتی تھی۔ اور میرا دل ایک دم سے اس کی طرف جھک گیا اور اسے حاصل کرنے کے لئے میں بے قرار ہو گیا۔

"ابا نے کہا ہے کہ تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو۔ چنانچہ میں آ گئی" اس نے نیچی، صاف اور شیریں آواز میں کہا اور اس کی نگاہیں میرے باطن کا جائزہ لینے لگیں۔

میں خاموش رہا۔ کیونکہ جانتا نہ تھا کہ کیا کہوں۔

"کہو۔ کیا خدمت کر سکتی ہوں تمہاری؟" وہ مسکرائی۔

"خدمت! ہاں تم میری خدمت کر سکتی ہو"

"کس طرح؟"

"میری دلھن بن کر اس سے زیادہ مجھے کچھ نہ چاہئیے اور اس سے کم پر میں راضی ہونے کا نہیں"

اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور گال دہکنے لگے اور اس نے یوں نظریں جھکا لیں جیسے فرش پر بچھے ہوئے قالین کی سلوٹوں میں کچھ تلاش کر رہی ہو۔

"کوئی جواب دینے سے پہلے میری پوری بات سن لو" میں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "ہیسٹنگز کی تباہی کے دن جب میں نے پہلی دفعہ تمہیں دیکھا اور تم سے بات کی تو اسی دن سے تم میرے دل میں بس گئیں اور میں نے

قسم کھائی کہ تمھیں بچانے کی کوشش میں، اگر ضرورت ہوئی تو اپنی جان تک دے دوں گا۔ میں نے تم کو بچا لیا، ہم نے آپس میں بوسے کا تبادلہ کیا اور پھر ہم جدا ہو گئے۔ بعد میں میں نے تمھیں بھولنے کی کوشش کی کیونکہ میں جانتا تھا کہ تم بلند مرتبہ ہو اور میری دسترس سے باہر۔ تاہم تمھاری محبت میں میں نے قسم کھائی کہ کسی دوسری لڑکی سے شادی نہ کروں گا۔ کئی سال گزر گئے۔ اور پھر قسمت ایک بار پھر ہمیں ایک دوسرے کے سامنے لے آئی اور میری پچھلی محبت پہلے سے زیادہ شدید ہو گئی۔ میں جانتا ہوں کہ تم بلند رتبہ ہو، شریف ہو اور حسین ہو اور یہ کہ میں تمھارے قابل نہیں ہوں اس کے باوجود......

اور میں خاموش ہو گیا۔ کیونکہ مناسب الفاظ نہ مل رہے تھے۔

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور اس کے چہرے پر سے سرخی یوں غائب ہو گئی جیسے اس کے بدن میں کہیں سخت تکلیف ہو۔

"ہیوبرٹ!" اس نے کہا اور اب اس کی آواز کرخت تھی "جس ماحول میں میں رہتی ہوں، جس ماحول میں میری پرورش ہوئی ہے اور جن لوگوں سے مجھے ملنا جلنا پڑتا ہے اور جیسی زندگی میں گزار رہی ہوں اس میں کوئی لڑکی، تمھارے خیال میں ــــ پاک و صاف رہ سکتی ہے؟ اگر تمھیں ایسے پاک کنول کی تلاش ہے تو ایسا کنول تمھیں شہر کی کیچ میں نہیں بلکہ دیہات کی معصوم فضا میں تلاش کرنا چاہیئے۔"

"بلانشے! میں نہ تو کچھ جانتا ہوں اور نہ ہی مجھے اس کی کچھ پرواہ ہے" میں نے جلدی سے کہا کیونکہ میرے خون میں چنگاریاں جل اٹھی تھیں۔ "تم کسی بھی زمین میں اگی ہو اور کہیں بھی اگی ہو تم ہی وہ کنول ہو جسے میں اپنی زندگی میں سجانا چاہتا ہوں۔"

"پھر سوچ لو ہیوبرٹ! ہو سکتا ہے کہ جسے تم شفاف کنول سمجھ رہے ہو اس میں سیاہ داغ لگ چکا ہو۔"

"اگر ایسا ہے تو ایمانداری کی دھوپ اور پیار کی بارشیں یہ داغ دھو دیں گی اور میں وہ باغبان ہوں جو داغ دھبوں کے لئے چونا چھڑکنا جانتا ہے"

"یہ بات نہیں مانتے تو دوسری بات سنو۔ ہو سکتا ہے کہ میں تم سے پیار نہیں کرتی ہوں اور نہ کروں۔ کیا ایسی دلھن تم پسند کرو گے؟"

"شاید تم پیار کرنا سیکھ جاؤ گی اور اگر ایسا نہ ہوا تب میرے پاس اتنی دولت ہے جو آدمیوں کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔"

"خدا کی قسم تم جیسے جاں نثار اور ایماندار آدمی کے ساتھ زندگی گزارنا آسان ہوگا۔ لیکن — ایک بات اور — ڈیلے راڈے نے تمھیں دھوکا دیا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ میرے والد نے اپنے ضمیر کی آواز خاموش کرنے کے لئے مجھے تمھاری خدمت میں پیش کر دیا ہے جس طرح کہ لوگ قرض خواہ کا منہ بند کرنے کے لئے اسے اپنا گھوڑا یا اپنا گھر پیش کر دیتے ہیں۔"

"تمھارا یہ خیال بھی غلط ہے۔ انھوں نے تمھیں پیش نہیں کیا بلکہ خود میں نے ان سے تمھیں مانگا ہے۔ رہا نقصان، بشرطیکہ یہ نقصان ہو تو ایسا تو تجارت میں ہوتا ہی رہتا ہے اور میں نقصان برداشت کرنے کا عادی ہوں ہوں۔ تاہم میں تمھیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں کہ سب کچھ جانتے ہوئے میں نے روپیہ قرض دیا ہے، میں جانتا تھا کہ مجھے نقصان ہوگا لیکن محض اس امید پہ میں نے یہ خطرہ مول لیا کہ شاید اس طرح تم سے قریب ہونے کا موقع مل جائے۔"

اور اب اس نے کرسی میں بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھک لیا

اور اس کے ہلتے ہوئے شانوں سے معلوم ہوا کہ وہ رو رہی تھی۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں کہ اس نے اپنا سر اٹھایا۔ اس کے رخسار آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے۔

"بے حد شریف اور بھولے آدمی!" اس نے کہا "میں اپنی پوری کہانی تمھیں سنا دوں۔"

"نہیں۔ صرف دو باتیں بتاؤ۔"

"کیا؟"

"تم کسی کی بیوی ہو؟"

"نہیں۔ حالانکہ ایک دفعہ میں اس کے بہت قریب پہونچ گئی تھی۔ دوسرا سوال کیا ہے؟"

"تم کیا اور کسی سے محبت کرتی ہو کہ تمھارا دل کہہ رہا ہے کہ تم مجھے کبھی پیار نہ دے سکوگی؟"

"نہیں" اس نے تقریباً ہنستے ہوکر کہا "البتہ ایک آدمی سے سخت نفرت ضرور کرتی ہوں۔"

"اور یہ تمھارا ذاتی معاملہ ہے" میں نے ہنس کر کہا "رہیں دوسری باتیں تو انھیں دفن ہی رہنے دو۔ دنیا میں چند لوگ ایسے ہوتے ہیں جنھیں زندگی کی جنگ میں زخم آتے ہیں اور وہ انھیں چھپاتے ہیں۔ لیکن میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ البتہ مجھے صرف ایک زخم آیا ہے اور یہ زخم تمھارے ہونٹوں کا ہے۔ اور میں اسے چھپا نہیں رہا ہوں۔"

یہ سنتے ہی بلانشے کا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا اور پھر وہ ہنسی اور بہت دیر تک ہنستی رہی۔ میں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

"چنانچہ مناسب ہوگا کہ ہم ماضی کو بھول ہی جائیں اور تمھاری مرضی ہو تو۔ مستقبل کا منصوبہ بنائیں۔ البتہ میں ایک وعدہ تم سے چاہتا ہوں"

"کیا؟"

"یہی کہ اب تم ڈیلے رائے سے کبھی نہ ملوگی۔ کم سے کم تنہائی میں نہ ملوگی۔ کیونکہ جو شخص قلم کی جنبش سے لوگوں کو دھوکا دے سکتا ہے وہ دوسری چیز بھی چرا سکتا ہے۔"

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ ڈیلے رائے کی صورت سے مجھے نفرت ہے چنانچہ اس سے تنہائی میں ملنا تو دور کی بات ہے"

اور اب وہ کرسی پر سے اٹھی اور ہم چند ثانیوں تک ایک دوسرے کے سامنے کھڑے رہے اور پھر اس نے آہستہ سے اپنی باہیں کھولیں اور اپنا چہرہ میری طرف بڑھا دیا۔

اور یوں میں اور بلانشے ایک دوسرے سے منسوب ہو گئے حالانکہ جب بعد میں میں نے سوچا تو یاد آیا کہ بلانشے نے یہ تو اقرار ہی نہ کیا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرے گی۔ چنانچہ مجھے ذرا پریشانی ہوئی۔ کیونکہ ایسے معاملے میں وہ ہوتا ہے جو عورتیں چاہتی ہیں نہ کہ وہ جو وہ کہتی ہیں۔ رہیں دوسری باتیں تو ان کا تو یہ ہے کہ میں بلانشے کی محبت میں دیوانہ ہو رہا تھا اور وہ بھی مجھ سے پیار جتا رہی تھی۔ اور جیسے جیسے دن گزر رہے تھے ہمارا یہ پیار بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

اور ایک ہی مہینے کے بعد اکتوبر کے مہینے میں بلانشے میری دلھن بن چکی تھی۔ اور ہمارا نکاح تقریباً خالی گرجا میں پڑھا گیا۔ سر رابرٹ نے اپنے بہت کم رشتہ داروں کو مدعو کیا تھا۔ کیونکہ وہ اس بات سے غالباً شرمندہ تھے کہ قرض کے بوجھ سے مجبور ہو کر یا اس سے سبکدوش ہونے کی غرض سے ایک معمولی تاجر سے اپنی

بیٹی کی شادی کر رہے تھے۔ اور میں بھی نہ چاہتا تھا کہ لوگ اس قسم کی باتیں بنائیں کہ میں نے سر رابرٹ کو اپنا مقروض بنا کر ان کی بیٹی کو گویا ہتھیا لیا ہو۔

نکاح کی رسم ادا ہو چکی تو میں اور بلانشے سرمستوں کے درمیانی راستے سے دروازے کی طرف چلے۔ باہر ہمارے گھوڑے تیار تھے اور ان پر سوار ہو کر ہمیں سیدھا گھر جانا تھا جہاں میں نے اپنے دوستوں کے لئے دعوت کا انتظام کیا تھا۔ جب ہم دروازے کے قریب پہونچے تو وہاں میں نے دوسرے لوگوں کے درمیان ان دونوں عورتوں کو پہچان لیا جن کے درمیان ڈیلے رائے اس رات کھانے کی میز پر بیٹھا ہوا تھا جب قرض اور گروی جائداد کے کاغذات تیار کئے گئے تھے میں نے ان میں سے ایک کو کہتے سنا:۔

"ڈیلے رائے جب واپس آکر دیکھے گا کہ اس کی محبوبہ اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے تو وہ کیا کرے گا؟"

اور دوسری نے قہقہہ لگا کر جواب دیا:۔

"دوسری محبوبہ تلاش کرے گا یا اس تاجر سے مزید روپیہ قرض لے گا اور...."

گرجا کا دروازہ کھلا اور ہوا کا تیز جھونکا اس عورت کے الفاظ اپنے ساتھ کھینچ لے گیا۔

دالان میں سر رابرٹ ایلی کھڑے ہوئے تھے۔

"خدا تم دونوں کو خوش رکھے اور تم پھلو اور پھولو" وہ بولے "میں تمھاری دعوت میں شریک نہیں ہو رہا ہوں۔ موسم بہت ہی واہیات ہے چنانچہ میں اپنے گھر جا رہا ہوں۔ خدا حافظ بیٹے ہیوبرٹ! خدا حافظ بیٹی بلانشے! خدا تمھیں زندگی کی ساری مسرتیں بخش دے۔ بیٹی! اپنے شوہر کی وفادار بن کر رہنا اور

اپنی کسی بات سے اور کسی حرکت سے شوہر کا دل نہ دکھانا۔ شوہر کی خوشیوں ہی میں تمہاری خوشی ہے اور اس کی زندگی سے ہی تمہاری زندگی ہے۔ میں کل ہی ہو میٹس کے لیے روانہ ہو رہا ہوں اور اب ہماری ملاقات کرسمس کے دن ہوگی۔ چنانچہ تب تک کے لیے خدا حافظ اور الوداع"

اور یہ حقیقت میں الوداع تھی کیونکہ پھر ہم دونوں میں سے کسی کی بھی سر رابرٹ سے ملاقات نہ ہوئی۔

موسم واقعی بہت خراب تھا اور ہم اپنے آپ کو لبادوں میں اچھی طرح سے لپیٹے چنگھاڑتی ہوئی ہوا سے گویا جنگ کرتے ہوئے آخر کار اپنے گھر پہونچ گئے۔ گھر کی دیواروں اور دروازے اور کھڑکیوں پر سجائے ہوئے پھولوں کو ہوا نے نوچ نوچ کر بکھیر دیا تھا۔

اور یہاں دروازے کی دہلیز پر میں نے اپنی دلھن کے ہونٹ چوم کر اسے خوش آمدید کہا اور پیار بھرے الفاظ سے اس کا استقبال کیا اور جواب میں وہ مسکرائی اور پھر عورتیں اسے تیار کرنے کے لئے خوابگاہ میں لے گئیں اور پھر دعوت شروع ہوئی جو بہت شاندار تو نہ تھی پھر بھی عمدہ تھی کیونکہ خراب موسم کی وجہ سے بہت سے مہمان آنہ سکے تھے۔

کھانا ابھی شروع ہوا ہی تھا کہ کارتی کمرۂ طعام میں آیا۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ بے صدا داس اور خاموش رہنے لگا تھا۔ کارتی نے جھک کر میرے کانوں میں کہا کہ بندرگاہ کا منتظم آیا ہے اور مجھ سے فوراً ملنا چاہتا ہے۔ چنانچہ میں بلانتے اور مہمانوں سے معذرت کر کے اٹھا اور باہر آگیا۔ دکان میں پہونچا تو دیکھا کہ منتظم بے حد پریشان تھا۔ اس نے بتایا کہ میرا وہ جہاز، جسے میں نے اپنی بیوی سے منسوب کر کے اسے نیا نام بلانتے دیا تھا اور جو روانگی کے لئے تیار تھا، اس

طوفان کی وجہ سے خطرے میں تھا۔ وہ لنگر گھسیٹ رہا تھا اور یہ کہ اگر زیادہ لنگر ڈال کر اسے روکا نہ گیا تو وہ آگے بڑھ کر گھاٹ سے ٹکرا جائے گا۔ میرے دریافت کرنے پر کہ زیادہ لنگر کیوں نہ ڈالے گئے اس نے بتایا کہ جہاز پر صرف دو آدمی ہیں اور دوسرے میری شادی کا جشن منانے کنارے پر آگئے ہیں۔ انھوں نے کشتی لے کر جہاز تک جانے سے انکار کر دیا ہے کیونکہ خوف ہے کہ طوفان کشتی کو الٹ دے گا۔

یہ جہاز ہر چند کہ بہت بڑا نہ تھا لیکن نیا اور میرے دوسرے جہازوں سے اچھا بلکہ بہترین تھا اور اس میں جو سامانِ تجارت لادا گیا تھا وہ بھی اس قدر قیمتی تھا کہ اس کا نقصان میں برداشت نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ ظاہر تھا کہ ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر مجھے اس کا انتظام کرنا تھا۔ ایک بات تو صاف تھی کہ ملاح میرے ملازموں کی ایک نہ سنیں گے چنانچہ انھیں سمجھانے یا حکم دینے مجھے جانا تھا اب اگر میں جہاز اور سامانِ تجارت کو بچانا چاہتا تھا تو مجھے فوراً بندرگاہ کی طرف روانہ ہونا تھا۔

چنانچہ میں واپس کمرۂ طعام میں پہونچا، مختصر الفاظ میں مہمانوں اور اپنی بیوی کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور پھر مہمانوں میں کے سب سے بوڑھے شخص سے درخواست کی کہ وہ دلھن کے قریب اور میری جگہ پر بیٹھ جائیں۔ بڑے میاں دلھن کے قریب آکر بیٹھ گئے لیکن یہ کہتے ہوئے بیٹھے کہ بڑی بدشگونی ہوئی ہے۔

بلانتشے اٹھ کر میرے قریب آئی اور گڑگڑانے لگی کہ میں اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اس پر میں ہنسا اور مہمان بھی ہنس پڑے۔ لیکن بلانتشے نے لوگوں کے ہنسنے کی پروا نہ کی اور بدستور گڑگڑاتی رہی کہ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں۔ یہاں تک کہ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ کسی بات سے خوفزدہ تھی لیکن مہمانوں نے کہا کہ یہ اس کا حد سے بڑھا ہوا پیار تھا جس کی وجہ سے وہ مجھے ایسے خراب موسم میں

اکیلا جانے نہ دینا چاہتی تھی۔

کافی بحث مباحثے کے بعد میں نے اسے اپنے ساتھ ایک جام پینے کو کہا لیکن جب اس نے جام اٹھایا تو اس کا ہاتھ یوں کانپا کہ تھوڑی سی شراب چھلک کر اس کے لباس پر گر گئی۔ اس پر چند عورتیں بڑبڑائیں کہ یہ شگون اچھا نہ تھا۔ آخرکار بلانشے کا ہونٹ چوم کر اور اسے گویا جبراً کرسی میں بٹھا کر میں باہر آیا جہاں ڈیوڑھے تیار کھڑے تھے اور دوسرے ہی لمحے میں بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا ہوا جیسے پاگل ہو گئی تھی۔ وہ میرے کپڑے نوچ رہی تھی، مکان کی چھتوں پر سے کھپریلیں گھسیٹ کر پیچھے پھینک رہی تھی۔ اور درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ رہی تھی۔ کارتی کو میں نے اپنے ساتھ لیا ہوتا لیکن اس کے بجائے میں نے ایک ملازم کو اپنے ساتھ لے لیا اور کارتی کو گھر پر رہنے دیا کہ شاید اسے اس کی ضرورت وہیں پڑے۔

آخرکار ہم بندرگاہ پر پہونچ گئے۔ صورت حال واقعی ایسی تھی جیسی کہ میرے منتظم نے بیان کی تھی۔ جہاز بلانشے حقیقت میں خطرے میں تھا اور گھاٹ پر کے سنگی پلیٹ فارم کی طرف گھسٹ رہا تھا اور اگر وہ اس سے ٹکرا گیا تو یقیناً ٹوٹ جائے گا۔ ملاح قریب کے شراب خانے میں میری شادی کا جشن اس طرح منا رہے تھے کہ بوتلیں پکڑے اور رنڈیوں کو گود میں لئے بیٹھے تھے۔ اور اکثر تو نشے میں مدہوش تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ بڑے شرم کی بات ہے اور یہ کہ اگر وہ نہ آئے تو میں اپنے ملازم کو لے کر جہاز پر جاؤں گا اور جو کچھ بن پڑے گا کروں گا حالانکہ یہ میری شادی کی رات ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس پر ملاح شرمندہ ہو کر ساتھ چلے آئے۔

بڑی مشکلوں سے اور بہ دقّت تمام ہم جہاز پر پہونچ گئے تو دیکھا کہ کپتان

مارے خوف کے پاگل ہو رہا تھا اور ایک بلّی کے گرنے سے اس کا ساتھی زخمی ہو گیا تھا۔ غریب کپتان جنگلہ پکڑے بت بنا کھڑا تھا اور لنگر کے رسے کی طرف دیکھ رہا تھا جو بار بار تن جاتا تھا۔

ہم نے مزید دو لنگر ڈال دیئے اور جہاز کو بچانے کے لیے وہ سارے انتظام کیئے جن سے ملّاح واقف تھے ہیں اور جو ایسے مواقع پر کیئے جاتے ہیں۔ جب یہ سارے انتظامات ہو چکے اور مجھے اطمینان ہو گیا کہ اب جہاز خطرے سے باہر ہے تو میں اپنے ملازم اور چار ملاحوں کے ساتھ بندرگاہ کی طرف روانہ ہوا اور کپتان سے کہا کہ میں دوسرے دن صبح آؤں گا۔ ساحل پر پہونچتے ہی ایک لمحہ کی تاخیر کیئے بغیر میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

حالانکہ یہ واقعہ میں نے چند سطور میں بیان کر دیا ہے لیکن ان انتظامات میں بہت زیادہ وقت صرف ہو گیا تھا اس کے علاوہ بندرگاہ سے گھر تک کا فاصلہ بھی بہت زیادہ تھا چنانچہ جب میں اپنے گھر کے پھاٹک پر گھوڑے سے اترا ہوں تو رات کے دس بج رہے تھے۔

میں دروازے کے قریب پہونچا تو وہ کھل گیا۔ اس پر مجھے حیرت ہوئی۔ اندر روشنی میں میں نے دیکھا کہ سامنے کارمی کھڑا ہوا تھا اور سب سے زیادہ حیرت تو مجھے اس بات پر تھی کہ اس کے ہاتھ میں میری تاریخی تلوار مشعلہ بار تھی حالانکہ نیام میں تھی۔ یہ تلوار ایک کمرے میں فرانسیسی نائٹ کی زرہ کے ڈھال کے ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ چنانچہ کارمی اسے وہیں سے لے آیا تھا۔ اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اور یوں مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کر کے کارمی نے آہستہ سے دروازہ بند کیا۔

"آقا!" اس نے سرگوشی میں کہا "اوپر خاتون کے ساتھ ایک آدمی ہے۔"

"کون سا آدمی؟"

"وہی نواب جو ایک دن یہاں زیورات خریدنے اور روپیہ قرض لینے خاتون کے ساتھ آیا تھا۔ جب دعوت ختم ہوگئی تو مہمان کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے اور بیوی خاتون اس کمرے میں چلی گئیں جس کا نام آفتابی کمرہ ہے۔ اور جس کی کھڑکیاں سڑک پر کھلتی ہیں۔ اس کے کوئی ایک گھنٹہ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا چنانچہ میں نے سمجھا کہ یہ تم ہی ہو میں نے دروازہ کھولا تو سامنے وہ نواب کھڑا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا:

"کالے آدمی میں جانتا ہوں کہ تمہارا آقا گھر میں نہیں ہے لیکن خاتون گھر میں ہی ہے چنانچہ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں نے اسے وہیں سے لوٹا دیا ہوتا لیکن عین اس وقت خاتون، جنھوں نے غالباً اس نواب کو دیکھ لیا تھا، پیچھے آگئیں۔ ان کا رنگ مردے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ انھوں نے کہا:-

"کاری! صاحب کو اندر آنے دو۔ تمھارے آقا کے چند معاملات کے سلسلے میں مجھے ان صاحب سے گفتگو کرنی ہے۔"

"چنانچہ آقا، میں جانتا تھا کہ تم نے اس آدمی کو قرض دیا ہے، میں نے خاتون کے اس حکم کی تعمیل کی لیکن یہ بات مجھے پسند نہ آئی۔ بہر حال میں تمہاری تلوار لے آیا کہ شاید اس کی ضرورت پڑ جائے اور تمہارا انتظار کرنے لگا۔"

"معاملہ میری سمجھ میں نہیں آیا" میں نے کہا "بات کوئی نہ ہوگی یا

اہم نہ ہوگی۔ تاہم ۔۔ لاؤ۔ تلوار مجھے دو۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ معاملہ کیا ہے؟ اور تم میرے ساتھ آؤ۔"

کارٹی میرے ساتھ ہو لیا اور زینہ چڑھتے ہوئے تلوار میں نے اپنی کمر سے باندھ لی۔ کارٹی وہ موم بتیاں بھی لے آیا جو شمعدانوں میں لگی ہوئی تھیں۔ آفتابی کمرے کے قریب پہنچ کر میں نے دروازہ کھولنا چاہا تو وہ اندر سے بند تھا۔

"خدا کی قسم!" میں نے کہا " یہ عجیب بات ہے"

اور بند دروازے پر دونوں ہاتھوں سے گھونسے مارے۔

فوراً ہی دروازہ کھل گیا۔ اندر داخل ہونے سے پہلے میں نے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ کیونکہ مجھے خوف تھا کہ مجھ پر دھوکے سے حملہ نہ کر دیا جائے۔ کمرے میں چھت سے لٹکتی شمع جل رہی تھی اور آتش دان میں آگ بھڑک رہی تھی۔ کیونکہ رات سرد تھی۔

آتش دان کے قریب ایک کرسی میں بلانشے بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی نظریں آتش دان میں ناچتے ہوئے شعلوں پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا، کارٹی جو موم بتیاں اٹھائے ہوئے تھا ان کی روشنی میں مجھے پہچانا اور ایک بار پھر شعلوں پر نظریں جما دیں اس کے اور دروازے کے درمیان حسب معمول نفیس لباس میں ملبوس لارڈ ڈیلے راٹے کھڑا ہوا تھا۔ حالانکہ اس کا لبادہ کرسی پر یوں پھیلا کر رکھا ہوا تھا جیسے خشک ہونے کے لیے رکھا ہو۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ تلوار اور خنجر سے مسلح تھا۔ میں کمرے میں داخل ہوا، کارٹی میرے پیچھے ہی کمرے میں آ گیا، میں نے دروازہ بند کیا اور پھر پوچھا :۔

"لارڈ ڈیلے رائے! آپ اتنی رات گئے یہاں میری بیوی کے ساتھ کیا کر رہے ہیں؟"

"یہ عجیب اتفاق ہے تاجر صاحب! کہ میں بھی کچھ ایسا ہی سوال تم سے پوچھنے والا تھا۔"

"کیسا سوال؟"

"یہی کہ میری بیوی تمہارے گھر میں کیا کر رہی ہے؟"

اس کے یہ الفاظ بجلی کی طرح مجھ پر گرے اور میں لڑکھڑا گیا۔ ابھی میں سنبھلا نہ تھا کہ آتش دان کے قریب بیٹھی ہوئی بلانشے نے اپنا سر اٹھائے بغیر کہا:۔

"یہ جھوٹ ہے ہیوبرٹ! میں اس کی بیوی نہیں ہوں۔"

"لارڈ ڈیلے رائے! یہاں کیوں آئے ہو؟" میں نے پھر پوچھا۔

"بہت اچھا۔ اگر تمہیں اصرار ہے تو میں بتائے دیتا ہوں۔ تمہارے لئے میں ایک حکم نامہ بلکہ اس کی نقل لایا ہوں کیونکہ اصل حکم نامہ تو کل خود بادشاہ کے افسر لے کر آئیں گے۔"

"کیسا حکم نامہ؟"

"یہ تمہاری گرفتاری کا حکم نامہ ہے جس کی رو سے تمہیں گرفتار کر کے ٹاور آف لندن کے زندان میں ڈال دیا جائے گا اور تمہارا جرم یہ ہے کہ تم نے بادشاہ کے دشمنوں سے تاجرانہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ یہ غداری ہے۔ اور تم تو جانتے ہی ہو گے کہ غداری کی سزا موت ہے اور تم جرم ثابت ہونے پر اس سزا سے بچ نہ سکو گے۔"

اور اس نے جیب سے حکم نامے کی نقل نکال کر قریب کی میز پر پھینک دی

"میں بھی اناج کھاتا ہوں، گھاس نہیں کہ اس سازش کو نہ سمجھ سکوں۔"

"مطلب؟"

"بادشاہ کا منہ چڑھا نمک حرام، دھوکے باز اور چور مصاحب بادشاہ کی نیک دلی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس کا نام اپنی غرض کے لئے استعمال کر رہا ہے اور اس کے نام سے ایمانداری پر جھوٹا الزام لگا رہا ہے — لیکن جو ہو گا سو دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو میں آپ سے تیسری دفعہ پوچھ رہا ہوں ڈھیلے رائے صاحب رات گئے تم میری دلھن کے پاس کیوں آئے ہو؟"

"ایسے بااخلاق سوال کا جواب بااخلاق ہی ہونا چاہیئے لیکن اس سوال کا جواب سننے کے لئے تمھیں میری پوری داستان سننی پڑے گی تاجر صاحب"

"ٹھیک ہے۔ لیکن مختصر لفظوں میں کیونکہ میں زیادہ دیر تک صبر نہ کر سکوں گا"

"مختصر لفظوں میں ہی سناتا ہوں۔"

اور پھر اس نے مجھے ایک بے حد خوفناک کہانی سنائی جو بہت طویل تھی جس کو یہاں دہرانا میں مناسب نہیں سمجھتا۔ چنانچہ اس کا ماحصل یہ تھا کہ جب بلانشے بالغ ہوئی تو ڈھیلے رائے نے اس سے شادی کر لی اور یہ کہ بلانشے کے ایک بچہ بھی ہوا جو بعد میں مر گیا۔

جب وہ خاموش ہوا تو میں نے بلانشے کی طرف دیکھ کر پوچھا:۔

"بلانشے! ڈھیلے رائے نے جو کچھ کہا کیا وہ سچ ہے؟"

"اکثر باتیں سچ ہیں" اس نے آتش دان میں کے شعلوں پر سے نظریں ہٹائے بغیر سرد آواز میں جواب دیا "سوائے اس کے کہ شادی جھوٹی تھی اور مجھے دھوکا دیا گیا تھا"

"یہ — یہ — کیسے ہو سکتا ہے؟"

"جس پادری نے ہمارا نکاح پڑھایا تھا وہ پادری نہ تھا بلکہ ڈیلے رائے کا دوست اور بنا ہوا پادری تھا۔"

"اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں" ڈیلے رائے نے کہا "ہیوبرٹ صاحب! تم ایک دنیا دار آدمی ہو اور تم نے دنیا دیکھی ہے چنانچہ سمجھ سکتے ہو کہ جال میں پھنسی ہوئی عورت ہزاروں بہانے تراش سکتی ہے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے۔ تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ اس شادی میں تمام رسومات ادا نہیں کی گئی تھیں اور شادی باقاعدہ نہیں ہوئی تھی تو یہ بات بلا شبہ اور میرے حق میں بھی بہتر ثابت ہوگی۔ اگر بلا شبہ قانوناً تمہاری نہ کہ میری، بیوی ہے تو تم نے، میں نے سنا ہے، ایک کاغذ پر دستخط کئے ہیں جس کی رو سے تمہاری کل جائداد اور رقم کی وارث بلا شبہ ہی ہوگی۔ اس سند کو منسوخ کرنے کا غالباً تمہیں موقع نہ ملے گا۔ اور اگر ایسا ہوا بھی تو مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ ایک غدار کی ساری دولت اور جائداد مجھے دے دی جائے گی کیونکہ اس کی غداری کا پردہ میں نے فاش کیا ہے۔ چنانچہ اپنے آخری وقت میں اس بات سے تم اپنے آپ کو تسلی دے سکتے ہو کہ جس خاتون کی تم نے اپنی محبت سے عزت افزائی کی ہے اپنی زندگی کے دن دولت میں اور عیش و آرام سے اس شخص کے ساتھ گزارے گی جس کو اس نے اپنی محبت سے عزت بخشی ہے۔"

"تلوار کھینچو" میں نے شعلہ بار کو بے نیام کرتے ہوئے دانت پیس کر کہا۔

"میں ایک سنچ، کم ذات سود خور سے مقابلہ کروں گا؟" اس نے بھی پر مضحکہ اڑاتے ہوئے پوچھا حالانکہ مجھے اس کے لہجے میں شک کی جھلک محسوس ہوئی تھی۔

"نمک حرام! دھوکے باز! چور! اس سوال کا جواب خود تو ہی دے۔ تلوار کھینچ کر مقابلے میں آ جا بزدل اور اگر نہیں تو مقابلے کئے بغیر ہی مرنے کے لئے تیار ہو جا کیونکہ جان لے کہ جب تک میں زندہ ہوں تو اس کمرے سے زندہ باہر نہیں جا سکتا۔"

"جب تک میں بھی زندہ ہوں آقا!" کارتی نے جلدی سے کہا۔

اور یہ کہتے ہی کارتی نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے جسم پر سے چغہ ہٹا دیا اور اب میں نے پہلی دفعہ دیکھا کہ اس کی کمر پر پٹکے میں ایک لمبا ہتھیار اڑسا ہوا تھا جو نہ تو تلوار تھی اور نہ خنجر بلکہ نصف تلوار تھی اور نصف خنجر اور یہ کہ وہ ہتھیار برہنہ تھا۔ یعنی نیام سے بے نیاز۔

"اوہ! تو یہ بات ہے۔" ڈیلے رائے نے کہا "اب میں سمجھا کہ مجھے پھنسا دیا گیا ہے۔ بلاتشے! تم نے مجھ سے جو یہ کہا تھا کہ یہ شخص باہر گیا ہوا ہے اور صبح تک واپس نہ آئے گا اور یہ کہ ہم محفوظ ہیں، تو یہ تم نے جھوٹ کہا تھا۔ خیر۔ بلاتشے تم سے تو میں بعد میں سمجھ لوں گا۔"

اور یہ کہتے وقت وہ چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا اور آخری الفاظ کہتے ہی وہ کھڑکی کی طرف بھاگا کیوں کہ دروازہ بند تھا، غالباً باہر کود جانے یا مدد کو پکارنے کے لیے۔ لیکن کارتی نے، جس نے موم بتیاں میز پر رکھ دی تھیں، ڈیلے رائے کا ارادہ بھانپ لیا اور وہ چیتے کی سی بلکہ اس سے بھی زیادہ تیزی سے لپک کر کھڑکی اور ڈیلے رائے کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ کارتی نے اپنا ہتھیار پٹکے میں سے گھسیٹ لیا تھا اور اپنا ہاتھ آگے کی طرف بڑھا دیا تھا۔ ڈیلے رائے اپنے ہی زور میں یوں آگے بڑھتا چلا گیا کہ اپنے آپ کو روک نہ سکا اور کارتی کے ہتھیار کی نوک اس کے پیٹ میں اترنے سے بال بال بچ گئی۔ البتہ، میرا خیال ہے، اس کے پیٹ پر خراش ضرور آ گئی۔ کیونکہ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ ڈیلے رائے نے اپنے قدم روک لئے اور اپنی تلوار گھسیٹ لی۔ یہ ایک دو دھار اور لمبی تلوار تھی حالانکہ میری تلوار جتنی ہی لمبی تھی لیکن اتنی وزنی نہ تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ مجھے تم دونوں ہی کو ٹھکانے لگانا پڑے گا" ڈیلے رائے نے کہا

"بلاتشے! ایسے موقع پر ایک وفادار بیوی اپنے شوہر کی پشت کی حفاظت کرتی ہے۔

اور یقین ہے کہ، جب تک میں اس بڈے کا خاتمہ نہیں کر دیتا، تم بھی ایسا ہی کرو گی"

"کاری!" میں نے کہا "موم بتیاں اٹھا کر ذرا دور کھڑے رہو کہ روشنی کافی ہو اور اس ذلیل دھوکے باز کو میرے لئے چھوڑ دو۔ میں اس سے نپٹ لوں گا"

کاری نے اپنے دونوں ہاتھوں میں موم بتیاں، شمعدانوں سمیت اٹھا لیں اور چند قدم دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن موم بتیاں اٹھانے سے پہلے اس نے اپنا برہنہ خنجر اپنے دانتوں میں اس طرح دبا لیا کہ اس کا دستہ اس کے دائیں ہاتھ کی طرف تھا۔ اور دانتوں میں خنجر دبائے اور دونوں ہاتھوں میں موم بتیاں لے کر خاموش کھڑا ہوا کاری بے حد خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔

دروازے اور آتش دان کے درمیان کھلی جگہ میں میں اور ڈیلے رائے ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے ہوئے تھے۔ بلانشے ہماری طرف گھوم گئی اور خاموشی سے دیکھنے لگی۔ لیکن میں نے ایک قہقہہ لگایا کیونکہ اس مقابلے کا انجام کے متعلق میرے دل میں کوئی شک نہ تھا۔ یہ تو خیر ایک تھا اگر میرے سامنے ایسے دس ڈیلے رائے بھی ہوتے تو میں انھیں ٹھکانے لگا دیتا۔ لیکن ڈیلے رائے کو ختم کرنا اتنا آسان نہ تھا جتنا کہ میں نے سمجھ رکھا تھا کیونکہ جب میں نے تلوار اس کی طرف جھونک دی اور اس کی نوک ڈیلے رائے کے سینے پر پڑی تو میرا خیال تھا کہ وہ اس کے سینے کے آر پار ہو جائے گی لیکن ہوا یہ کہ وہ نہ صرف اچک گئی بلکہ بیچ سے کمان کی طرح لچک گئی۔ اور اب میں سمجھا کہ ڈیلے رائے اپنے لباس کے نیچے زرہ پہنے ہوئے تھا۔

"آ۔ ہوئے" میں نے نعرہ لگایا۔ یہ وہ وحشیانہ نعرہ تھا جو میرے جدِ امجد تھور گمیر نے لگایا ہو گا۔

اس نعرے کے ساتھ ہی میں نے شعلہ بار، دونوں ہاتھوں سے پکڑ ہی دو قدم

پیچھے ہٹا، تلوار اپنے سر سے بلند کی اور پوری قوت سے وار کر دیا۔ ڈیلے رائے نے اپنا سر بچانے کے لئے اپنا بایاں ہاتھ، جس پر اس نے اپنا لبادہ لپیٹ لیا تھا، اوپر اٹھا دیا، شعلہ بار اس کے ہاتھ پر پڑی اور اس کا ہاتھ، اپنی چمکدار انگلیوں سمیت کٹ کر فرش پر گرا۔

میں نے دوسرا وار کیا۔ کیونکہ ہم دونوں ہی جانتے تھے کہ اس مقابلے میں ہم میں سے ایک کا مرنا ضروری ہے ـــ ہاں ـــ میں نے ایک لمحے کی بھی تاخیر کئے بغیر دوسرا وار کیا، شعلہ بار اس کے سر پڑی اور کھوپڑی پھاڑتی ہوئی اس کا بھیجا چاٹ گئی۔ لارڈ ڈیلے رائے مردہ ہو کر گرا۔

کارنی مسکرایا، اس نے جھک کر کٹے ہوئے ہاتھ پر سے لبادہ کھولا اور ڈیلے رائے کی لاش پر ڈال دیا۔ پھر اس نے میرے ہاتھ سے تلوار لے لی۔ میں خالی الذہن اس کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ فرش پر سے کپڑے کا ٹکڑا اٹھا کر تلوار صاف کر رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں نے آتش دان کے قریب سے ایک آواز سنی اور تب مجھے یاد آیا کہ اس طرف بلانشے بیٹھی ہوئی تھی۔ چنانچہ میں اس سے بات کرنے کے لئے اس طرف گھوم گیا۔ اب تو یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میں اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میں کچھ کہہ ہی نہ سکا۔

میری آنکھوں نے ایک لرزہ خیز منظر دیکھا جو میرے دماغ پر جلتی ہوئی نشانی کی طرح یوں منقش ہو گیا کہ اسے میں آج تک بھلا نہیں سکا اور نہ کبھی بھلا سکوں گا۔

بلانشے کرسی میں اس کی پشت سے یوں ٹیک لگائے بیٹھی تھی کہ اس کے ریشمی بال پیچھے کی طرف فرش تک لٹک رہے تھے۔ اور اس کا لباس آگے

کی طرف سے سرخ تھا۔ مجھے یاد آیا کہ دعوت میں شراب اس کے لباس پر چھلک گئی تھی۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ یہ اسی کا داغ ہے۔ لیکن میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ داغ پھیلنے لگا اور تب معلوم ہوا کہ یہ شراب نہیں بلکہ خون تھا۔۔۔ بلا شبہ کا خون ۔۔۔ میں نے کچھ اور بھی دیکھا۔ اس سرخ داغ کے عین بیچ میں اور دل کی شکل کے ہیرے سے ذرا نیچے چھوٹے سے خنجر کا دستہ موم بتیوں کی روشنی میں چمک رہا تھا۔

میں اس کی طرف لپکا۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر مجھے اپنے قریب آنے سے روک دیا۔

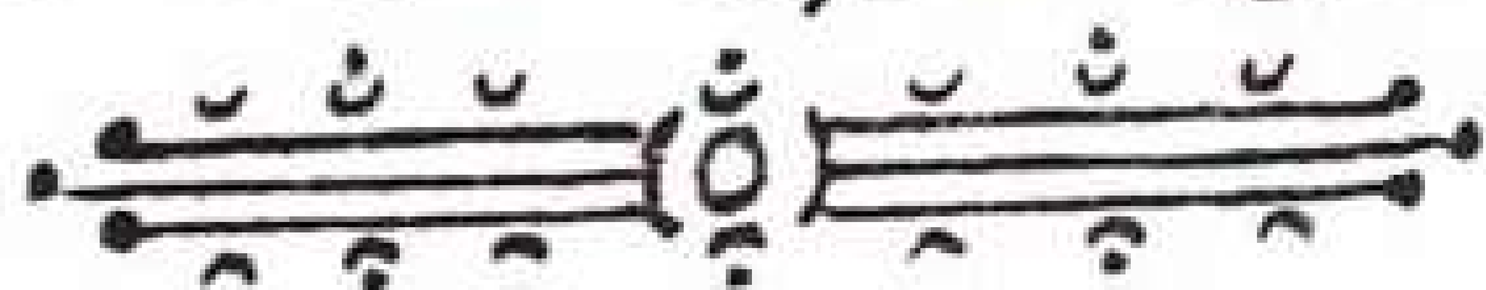
"مجھے مت چھونا ہیوبرٹ!" اس نے کہا "میں اس قابل نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ وار کاری اور جان لیوا ہے۔ اگر تم نے یہ خنجر کھینچ لیا تو میں فوراً مر جاؤں گی۔ لیکن میں مرنے سے پہلے تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ سنو۔ اور یقین کرو ہیوبرٹ کہ میں تم سے پیار کرتی تھی۔ اور تمہاری وفادار بیوی بن کر رہنا چاہتی تھی۔ میں نے جو کہا ہے وہ سچ ہے۔ اس شخص نے جسے تم نے ٹھکانے لگا دیا ہے، مجھ سے اس وقت دھوکے سے شادی کی تھی جب میں بچی ہی تھی اور پھر میں دوسری شادی کر کے اس کی تلافی نہ کر سکی۔ شاید ڈیبلے راۓ شادی شدہ تھا یا اور کوئی وجہ تھی کہ اس نے مجھے دھوکا دیا۔ بہر حال میں اس کے ارادے سے واقف نہ تھی۔ اور نہ اب ہوں۔ ابا نے اندازے سے بہت سی باتیں معلوم کر لی تھیں۔ لیکن ساری باتیں معلوم کرنے سے وہ بھی قاصر رہے تھے۔ جب تم نے مجھ سے شادی کی درخواست کی تو اس وقت میں نے تمہیں سمجھانے کی اور خبردار کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن تم اندھے اور بہرے بن گئے تھے کہ نہ کچھ دیکھ

سکتے تھے۔ اور نہ سن سکتے تھے۔ چنانچہ پھر میں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے کیوں کہ میں تمھیں پسند کرتی تھی اور پھر یہ خیال بھی تھا کہ تم سے شادی کر کے مجھے آرام ملے گا اور دولت بھی اور یہ کہ میں سونے چاندی سے اس بدمعاش کا منہ بند کر سکوں گی۔ خدا کی قسم میں نہ جانتی تھی کہ یہ بدمعاش یہاں آرہا ہے۔ اور نہ یہ جانتی تھی کہ وہ یہاں آنے کے لئے فرانس سے روانہ ہو چکا ہے۔ پتہ نہیں اسے کیسے پتہ چلا کہ تم گھر پر نہیں ہو۔ چنانچہ وہ یکایک یہاں مجھ پر نازل ہو گیا۔ اور وہ جا ہی رہا تھا کہ تم واپس آ گئے۔ وہ مجھ سے روپیہ لینے آیا تھا کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ میں نے دولت کے لئے تم سے شادی کی ہے اور پھر اس کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ مجھے اس آدمی سے واپس حاصل کر لے گا جس کو اس نے اپنی افترا پردازی سے غدار ثابت کر دیا ہے۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا اس سے تم واقف ہی ہو۔ چنانچہ اس کے بعد میرے لئے ایک ہی راستہ رہ گیا ہے ہیوبرٹ! میں تمھارے قابل نہ تھی چنانچہ اب خوش ہو جاؤ کہ میں تمھیں اپنے بوجھ سے آزاد کر رہی ہوں۔۔ اپنے لئے دوسری بیوی تلاش کر لینا، جو مجھ سے بہتر ہو۔ اسی سے تم کو زندگی کی مسرّتیں اور سکون ملے گا — ہیوبرٹ یہاں سے بھاگ جاؤ کیونکہ ڈیلے رآئے کے بہت سے دوست ہیں اور خود بادشاہ اسے اپنے بھائی کی طرح چاہتا ہے — بھاگ جاؤ ہیوبرٹ! اور — مجھے — معاف کر دینا — خدا حافظ — میرے پیارے ہیوبرٹ!"

اور ان آخری الفاظ کے ساتھ اس نے دم توڑ دیا۔

اور یوں بلانکشتے ایلی سے میری شادی کا قصہ ختم ہوا۔



دوسری کتاب

پہلا باب (۱)

نئی دُنیا

وہ دونوں اب ہمیشہ کے لئے خاموش تھے، جو ابھی چند ثانیوں پہلے حیات سے پُر تھے اور جذبات و احساسات کو بھڑکا اور ابھار سکتے تھے ڈھیلے ڈھالے کمرے کے فرش پر اور خود اپنے لبادے کے نیچے مردہ پڑا تھا اور بلانشے آتش دان کے قریب کرسی میں بیجان پڑی تھی اور ہم جو زندہ تھے خاموش تھے۔

میں نے کارٹی کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ کسی معبد میں کھڑے ہوئے بت کی طرح جذبات سے عاری تھا۔ اور پتھر کا سا نظر آرہا تھا۔ اس پتھریلے چہرے میں اس کی آنکھیں البتہ چمک رہی تھیں اور ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اور ان آنکھوں میں مجھے فتح اور جو کچھ ہونے والا تھا اس کے یقین کی چمک نظر آئی۔ رہا میں تو میرا تو یہ ہے کہ میں اپنے دل میں ایک عجیب سناٹا اور زندگی میں ایک بھیانک خلا محسوس کر رہا تھا اور اس سناٹے میں اور خلا میں میرے مرحوم ماموں کی آواز گونج رہی تھی:۔

"مایا کے کھیل ہیں ۔۔۔ سب مایا ہی مایا ہے"

اس ایک دن میں مجھے خوشیاں بھی ملی تھیں اور غم بھی۔

اس ایک دن میں میرے ساتھ عجیب واقعات ہو گئے تھے۔

اور اس ایک دن میں قسمت میرے ساتھ ایک عجیب کھیل کھیل گئی تھی۔

چنانچہ میرے ہوش و حواس کم تھے اور عقل ماؤف۔

اس خاموشی کو کارَی نے توڑا۔ وہ ہمیشہ کی طرح پُرسکون تھا۔

"آقا!" اس نے کہا "آج بہت سے واقعات ہو گئے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہوا ہمارے حق میں بہت اچھا ہوا ہے حالانکہ اس وقت تم میری بات سے اتفاق نہ کرو گے لیکن اس سے تو تمہیں بھی انکار نہ ہوگا کہ دشمنوں اور نااتفاقی کی اس سرزمین میں مصائب اور مشکلات ہی مل سکتے ہیں اور ملتے ہیں۔ یہ شخص" اور اس نے ڈھیلے رائے کی لاش کی طرف اشارہ کیا "ایک تحریر لے کر آیا تھا اور تمہارے لئے مرنے کی بات کر رہا تھا — ہاں اپنے لئے نہیں تمہارے لئے۔ اور اس خاتون نے جب وہ زندہ تھی، کہا تھا — بھاگ جاؤ — بھاگ جاؤ — اور اب —"

اور اس نے دونوں لاشوں کی طرف دیکھا۔

میں نے خالی خالی نظروں سے کارَی کی طرف دیکھا۔ مجھ پر تو بے حسی فوری طور پر طاری ہو گئی تھی۔ وہ اب آہستہ آہستہ دور ہونے لگی اور ساتھ ہی مجھے شدت سے بے بسی اور محرومی کا احساس ہوا۔

"بھاگ جاؤں! کہاں؟" میں نے کہا "اور میں بھاگنے کیوں لگا؟ میں بے گناہ ہوں — اور پھر میں جتنے جلد مر جاؤں گا اتنا ہی اچھا ہے۔"

"میرے آقا کا فرار ہونا ضروری ہے" کارَی نے جلدی سے کہا "کیونکہ میرا آقا ابھی زندہ ہے اور آزاد ہے۔ اور اس لئے کہ پیچھے دکھ ہیں اور آگے مسرتیں

ہیں۔ کاریؔ جو عورتوں سے نفرت کرتا ہے اور یہ تلخ جام پہلے پی چکا ہے چنانچہ وہ جانتا تھا کہ ایسا ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔ آقا کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کاریؔ سارے انتظامات کرے گا۔ اور کاریؔ آقا سے کہتا ہے کہ اگر آقا نے ایسا ہی کیا جیسا کاریؔ کہتا ہے تو سب ٹھیک ہو جائے گا"

"کیا کرنا ہے مجھے؟" میں نے کراہ کر پوچھا۔

"جہاز بلا لنشٹے روانگی کے لئے تیار کھڑا ہے۔ صبح ہونے سے پہلے آقا اور کاریؔ اسی جہاز میں روانہ ہو جائیں گے۔ یہاں کی ساری چیزیں یہیں چھوڑ جائیں گے ۔ یہ ساری دولت، یہ ساری جائداد کس کام کی زندگی ان سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ زندگی ہے تو سب کچھ ہے۔ زندگی باقی رہے گی تو دولت اور جائداد دوبارہ حاصل کی جا سکتی ہے۔ چلو۔ ایک لمحے کے لئے بھی تاخیر کرنا مناسب نہیں ہے " ٹھہرو ۔۔۔ ایک منٹ"

اور اس نے ڈیلے رائے کی لاش پر سے زرہ اتار کر خود پہن لی۔ اس نے ڈیلے رائے کی تلوار بھی اپنی کمر سے باندھ لی اور حکم نامے کی نقل کا کاغذ آتش دان میں پھینک دیا۔ پھر اس نے چھت سے لٹکتی ہوئی شمع بجھائی اور ایک شمع مجھے دے کر دوسری اس نے اٹھالی۔

دروازے میں پہونچ کر میں ایک سکنڈ کے لئے ٹھہر گیا اور گھوم کر مدھم بتی کی روشنی میں بلا لنشٹے کے مردہ چہرے کی طرف آخری دفعہ دیکھا۔ میں جانتا تھا کہ اس چہرے کو میں عمر بھر نہ بھلا سکوں گا۔

کاریؔ نے آقا بی کمرے کا دروازہ باہر سے بند کیا اور مجھے اپنے کمرے میں لے آیا جہاں وہ زرہ تھی جو میں نے فرانسیچ ناٹ کی لاش پر سے اتاری تھی۔ زرہ ڈھیلی تھی چنانچہ میں نے ایک باہر لوہار سے اسے اپنے ناپ کی

نوالی تھی۔ کارتی نے مجھے جلدی سے یہ زرہ پہنا کر اوپر وہ چغہ ڈال دیا جو تاجر پہنا کرتے ہیں۔ الماری کھول کر اس نے میری کافی بڑی کمان، ترکش اور روپیوں کی تھیلی بھی نکال لی اور ان کے ساتھ اپنی وہ چرمی تھیلی بھی جو اس وقت اس کے گلے میں تھی جب میں نے بندرگاہ پر اسے غنڈوں سے بچایا تھا۔

اب ہم اس کمرے میں پہونچے جہاں چند گھنٹوں پہلے میری شادی کی دعوت کی گئی تھی۔ میں کھانا نہ کھا سکا چنانچہ میں نے ایک شراب کا جام پیا۔ اتفاقاً یہ وہی جام تھا جسے اٹھا کر میں نے بلانیٹے کے نام کا جام پیا تھا۔ اب میں نے اسی جام سے اس کے روح کے نام کا جام پیا۔

ہم گھر سے باہر آئے اور اصطبل میں پہنچ کر دو مضبوط اور تیز رفتار گھوڑوں پر زین کسے اور پھر ان پر سوار ہو کر عقبی پھاٹک سے باہر نکل گئے۔ کسی نے ہمیں نہ دیکھا۔ کیوں کہ شہر میں سوتا پڑا ہوا تھا اور خراب موسم ہونے کی وجہ سے سڑک سنسان تھی۔

میں اپنے ہی خیالات میں کھویا ہوا تھا چنانچہ نہیں جانتا تھا کہ ہم کتنی دیر میں گھاٹ پر پہونچے۔ ایک خیال خصوصیت سے سارے خیالات پر غالب تھا یعنی یہ کہ میری زندگی کس قدر عجیب تھی چند برسوں پہلے میں ہی میں نے بے پناہ دولت اور اپنی محبوبہ بھی حاصل کر لی تھی لیکن اب وہ ساری دولت اور میری محبوبہ کہاں تھی اور میں خود کیا بن گیا تھا؟ ہاں میں ایک مفرور تھا جس کے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے تھے اور جو اپنے وطن سے بھاگا جا رہا تھا۔ ہائے۔ اس دن کی صبح اور رات میں میرے لئے کیا تضاد تھا۔

بہر حال ہم گھاٹ پر پہونچ گئے اور گھوڑے ٹین کے اس سائبان میں

باندھ دئے جو اصطبل کی غرض پوری کرتا تھا۔ اب ہم کنارے پر پہنچے جہاں وہ کشتی بندھی ہوئی تھی جس میں سوار ہو کر میں، ابھی چند گھنٹوں پہلے ہی، جہاز پر سے کنارے پر آیا تھا۔ بادل پھٹ گئے تھے اور ان میں سے چاند جھانک رہا تھا۔ اور اس کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ جہاز بلا لنشتے ایک تیر کے فاصلے پر لنگر انداز تھا۔ چاند کے نکلتے ہی ہوا کا زور ٹوٹ گیا تھا چنانچہ میں اور کاری کشتی میں سوار ہوئے اور بخیر و خوبی بلا لنشتے تک پہونچ گئے۔ اور اس سے لٹکتی ہوئی سیڑھی کے ذریعے اس کے عرشے پر پہونچ گئے۔

یہاں ایک ملاح پہرہ دے رہا تھا جو ہمیں دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ اس کی مدد سے ہم نے کشتی جہاز کے پیچھے رستے سے باندھ دی۔

میرے کہنے سے کپتان کو جگایا گیا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا ہمارے سامنے آکھڑا ہوا میں نے اس سے کہا کہ چونکہ طوفان گزر چکا ہے اور ہوا اور جزر مناسب ہیں اس لئے میں فوراً لنگر اٹھا دینا چاہتا ہوں۔ کپتان بیوقوفوں کی طرح میری صورت تکنے لگا۔ وہ شاید مجھے پاگل سمجھ رہا تھا۔ کیونکہ وہ میری شادی کی رات تھی۔ اور میں ابھی رات لنگر اٹھانے کو کہہ رہا تھا۔

اس نے کہا کہ مناسب ہوگا کہ صبح کا انتظار کریں کہ جہاز کے عملے کے وہ لوگ جو ساحل پر گئے ہوئے تھے واپس آجائیں۔ لیکن میں نے جواب دیا کہ میں کسی کا بھی انتظار کرنا نہیں چاہتا۔ اس نے پوچھا کیوں ـــ اس وقت تک میرے حواس درست ہو چکے تھے چنانچہ میں نے فوراً جواب دیا کہ میں بادشاہ کا سفیر ہوں اور ایک ضروری کام سے شمالی سمندروں کی طرف جا رہا ہوں اور کام ایسا ہے کہ اگر اس میں تاخیر ہوئی تو ملک کا امن، خطرے میں پڑ جائے گا۔

"اور بادشاہ کے حکم سے سرتابی کرنے کی سزا تم جانتے ہی ہو گے کیا ہے"

عمر قید یا پھانسی کا پھندا " میں نے کہا۔

اب تو کپتان خوفزدہ ہو گیا اور اس نے ملاحوں کو بیدار کروا کے اور طلب کرکے انھیں میرے حکم سے آگاہ کیا۔ ملاحوں نے بڑبڑا کر آسمان کی طرف انگلیاں اُٹھائیں لیکن جب انھوں نے نائٹ کی زرہ میں اور اپنی تلوار اور کمان سے لیس مجھے اپنے سامنے کھڑے دیکھا تو وہ بھی خوفزدہ ہو گئے اور جب میں نے کاری کے ذریعے انھیں دگنی تنخواہ دینے کا وعدہ کیا تو ملاح دوڑ پڑے اور انھوں نے چھوٹے چھوٹے بادبان کھول کر لنگر اٹھا دئے۔

چنانچہ یوں ہوا کہ ہمارے جہاز پر پہونچنے کے کوئی ایک گھنٹے بعد ہی جہاز بلانشٹ گھاٹ سے دور ہٹ کر کھلے سمندر کی طرف بھاگا جا رہا تھا اور جب جہاز سمندر کی طرف بڑھ رہا تھا تو میں نے دم بہ دم دور ہوتے ہوئے گھاٹ کی طرف دیکھا تو مجھے وہاں بے شمار لالٹینوں اور مشعلوں کی روشنی اور اس روشنی میں بہت سے آدمی نظر آئے۔ اور میں نے سوچا کہ شاید خطرے کی گھنٹی بج گئی تھی اور یہ لوگ مجھے پکڑنے گھاٹ پر آئے تھے۔

صبح ہوتے ہوتے ہمارا جہاز بکری اور گریوسینڈ سے گزر کر کھلے سمندر کی طرف پہنچ چکا تھا۔ اور اب ہم نے اپنے پیچھے افق پر کالے کالے بادل دیکھے جو طوفان رات کو گزر گیا تھا وہ پھر دھنسا آرہا تھا۔ ملاح پھر خوفزدہ ہو گئے اور انھوں نے کہا کہ ایسے موسم میں کھلے سمندر میں جانا اور طوفان کا مقابلہ کرنا پاگل پن ہے اور یہ کہ ہمیں لنگر ڈال دینا چاہئیں یا ہو سکے تو ساحل تک پہونچ جانا چاہیئے۔ میں نے ان کی ایک بھی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہ خاموش ہو رہے۔

عین اس وقت کاری نے، جو جنگلے کے قریب کھڑا ہوا تھا، مجھے آواز دی۔

میں دوڑ کر اس کے قریب پہونچا تو اس نے کنارے کی طرف اشارہ کیا۔ دریا کے کنارے پر بہت سے گھڑ سوار جہاز کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے اور ہماری طرف رومال ہلا رہے تھے جیسے ہمیں رک جانے کا اشارے کر رہے ہوں۔

"آقا!" کاری نے کہا "میں سمجھتا ہوں کچھ لوگ ہمارے آفتابی کمرے میں گھس گئے ہیں اور راز فاش ہو گیا ہے۔"

میں نے سر ہلایا اور کنارے پر گھوڑے دوڑاتے اور اپنے جہاز کی طرف رومال اور ہاتھ ہلاتے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ چند ثانیوں تک ہی میں نے ان کی طرف دیکھا تھا کہ دفعتہً میں نے محسوس کیا کہ جہاز رخ بدل رہا تھا اور اس کا ماتھا کبھی اس طرف ہو جاتا تھا اور کبھی اس طرف جیسے کوئی اس کا سکان سنبھالے ہوئے نہ ہو۔

جہاز کی اس "مستی" کا سبب معلوم کرنے کے لئے ہم دنبالہ جہاز کی طرف دوڑے اور فوراً ہی اس کا سبب معلوم ہو گیا۔

جہاز کے عملے کے سارے ہی آدمی، کپتان سمیت، وہ کشتی، جس میں میں اور کاری کنارے سے جہاز تک آئے تھے اور جو جہاز کے پیچھے رسے سے بندھی ہوئی تھی، کھینچ کر اس میں سوار ہو چکے تھے۔ یہ بزدل جہاز چھوڑ رہے تھے۔ کاری مسکرایا جیسے اس کو اس کی پروا نہ تھی لیکن میں غصے میں آ کر ان بزدلوں کو گالیاں دینے لگا۔ میرا خیال ہے کہ کپتان نے میری آواز سن لی کیونکہ وہ سر گھما کر دوسری طرف دیکھنے لگا جیسے شرمندہ ہو۔ لیکن دوسروں نے ذرا بھی شرمندگی محسوس نہ کی۔ بلکہ وہ چپو تلاش کرنے لگے۔ لیکن چپو غائب تھے۔ یا تو وہ بہہ گئے تھے یا دریا میں گر گئے تھے۔

ملاحوں نے کسی قسم کا بادبان لگانے کی کوشش کی لیکن عین اسی وقت

تیز ہوا نے دریا میں ایک بڑی سی لہر پیدا کی اور اس لہر اور ہوا نے مل کر کشتی الٹ دی۔ چند ملاح کشتی سے لپٹ گئے۔ ایک دو کوشش کر کے الٹی ہوئی کشتی پر چڑھ گئے۔ لیکن ان لوگوں کا کیا بنا یہ میں نہیں جانتا کیونکہ میں سکان سنبھالنے کے لئے جہاز کے عقبی حصے کی طرف بھاگ پڑا تھا مجھے خوف تھا کہ جہاز کا حشر بھی کہیں کشتی کا سا ہی نہ ہو۔

میں نے سکان تھام لیا اور آہستہ آہستہ اس کا رخ سمندر کی طرف پھیر دیا اور پھر ہوا نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا اور پھر جہاز بلا نشتے تیر کی سی تیزی سے سمندر کی طرف بھاگا۔

اور اس جہاز میں صرف دو کمزور آدمی اکیلے تھے۔

میں اور کاری۔

"کاری!" میں نے کہا "اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ کنارے پر پہونچنے کی کوشش کریں یا آگے بڑھتے چلے جائیں؟"

کاری چند ثانیوں تک کچھ سوچتا رہا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اس نے گھڑسواروں کی طرف اشارہ کیا جو اب دور ہو کر بہت چھوٹے نظر آ رہے تھے۔

"آقا!" اس نے کہا "اس طرف موت ہے، یقینی موت۔ اور اس طرف بھی شاید موت ہے — آقا! تمہارا ایک خدا ہے اور میرا بھی ایک دوسرا خدا ہے۔ یا شاید دونوں ایک ہی ہیں لیکن تم اسے کچھ اور نام سے پکارتے ہو اور میں کسی دوسرے نام سے۔ چنانچہ میں کہتا ہوں کہ اپنے خداؤں پر بھروسا رکھو اور آگے بڑھو، سفر جاری رکھو کیونکہ خدا بہرحال ہم انسانوں سے بڑے اور پرقوت ہیں۔ اگر ہم یہاں پانی میں مر گئے تو کیا فرق پڑ جائے گا — ویسے پانی رستے سے نرم اور بہتر ہوتا ہے — لیکن میرا خیال ہے کہ ہم نہیں مریں گے۔"

میں نے سر ہلایا۔ کیوں کہ کاری کی بات دل کو لگتی تھی۔ ان لوگوں کے ہاتھوں

میں بدلنے اور پھر پھانسی پر لٹک کر جان دینے کی بہ نسبت ڈوب کر مرنا بہتر تھا چنانچہ میں نے سکان پر دباؤ ڈالا، اسے گھمایا اور جہاز بلانتے کو رود بار انگلستان کے بیچ میں لے آیا جیسے جیسے جہاز آگے بڑھ رہا تھا رود بار کے کنارے زیادہ سے زیادہ دور اور پاٹ زیادہ سے زیادہ وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ تیز پھیلتی ہوئی ہوا جہاز کے بادبان میں الجھ کر اسے زیادہ سے زیادہ تیزی سے آگے دھکیل رہی تھی۔ یہاں تک کہ جہاز رود بار میں سے نکل آیا اور اب وہ کھلے سمندر میں تھا۔

سکان سے چند فٹ کے فاصلے پر آگ کی لکڑی کا بنا ہوا اور آہنی پٹیوں سے جڑا ہوا ڈیک کیبن تھا جہاں ملاح کھانا کھایا کرتے تھے۔ اس کیبن میں اشیائے خورد و نوش وافر تھیں۔ چنانچہ ہم نے شکم سیر ہو کر کھایا اور شراب پی۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے سکان کارنی کے سپرد کیا اور اپنی زرہ اتار کر اس کی جگہ وہ کھردرا اور موٹا لباس اور ہال بوٹ پہن لئے جو کیبن میں ہی تھے۔ پھر میں نے سکان سنبھالا اور کارنی سے کہا وہ بھی یہ لباس پہن لے۔ چنانچہ وہ کیبن میں چلا گیا۔

کنارہ نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اب نیچے مواج سمندر تھا اور اوپر آسمان سمندر کسی مہیب دیو کی طرح کروٹیں بدل رہا تھا اور ہمارا جہاز بلند موجوں پر چڑھ اور اتر رہا تھا۔ ہم بحری راستے سے واقف نہ تھے اور نہ جانتے تھے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔ ہماری کوئی منزل نہ تھی۔ تیز ہوا ہمیں لئے جا رہی تھی۔ دور ــــ دور ــــ لئے جا رہی تھی اور ہم اسی طرف جا رہے تھے جس طرف ہوا ہمیں لئے جا رہی تھی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ بلانتے مضبوط بنا اور میرے سارے جہازوں میں بہترین جہاز تھا۔ چنانچہ وہ اس طوفانی سمندر میں بھی بطخ کی طرح تیر رہا تھا اور بچپن سے میری زندگی پانی پر ہی گزری تھی۔ چنانچہ میں سکان گیری کرنا جانتا

تھا۔ میری یہ واقفیت اب کام آئی اور میں بلا نستے کو ہوا کے رُخ پر رکھنے میں کامیاب رہا

اس بحری سفر کی یادیں میرے دماغ میں گڈمڈ ہیں اور جب میں واقعات پر غور کرتا ہوں تو مجھ پر حیرت غالب آجاتی ہے۔ واقعات کی کڑیاں نہیں مل رہی ہیں اور واقعات کو سفر کی طویل مدّت نے، جو کئی دن یا شاید کئی ہفتوں کی ہے اور بھی اُلجھا دیا ہے۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ چاروں طرف گرجتا ہوا اور کروٹیں بدلتا ہوا سمندر تھا ہوا مسلسل چنگھاڑ رہی تھی اور یہ ہوا، مجھے کچھ دھندلا سا خیال ہے، پہلے شمال مغرب کی طرف سے بہہ رہی تھی اور پھر مشرق کی طرف سے بہنے لگی۔
مجھے یاد ہے ___ بلکہ میں تصوّر کی نظروں سے اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ میں سکان کو ان زنجیروں سے باندھ رہا ہوں جو آہنی حلقوں میں پروئی ہوئی تھیں۔ کیونکہ اب میں ایسی کمزوری محسوس کر رہا تھا کہ سکان سنبھالنا میرے لئے ممکن نہ رہا تھا چنانچہ میں نے سکان کو زنجیروں سے اٹکا دیا کہ وہ گھومنے نہ پائے اور جہاز ہوا کے سہارے سیدھا سیدھا چلتا رہے ___ اور پھر میں تصوّر کی نظروں سے اپنے آپ کو ڈیک کیبن میں، جس کا ذکر میں کر چکا ہوں، پڑے دیکھ رہا تھا اور کاری مجھے چمچہ چمچہ کھانا کھلا رہا ہے اور پانی پلا رہا ہے اور کبھی کبھی وہ میرے منہ میں کسی قسم کی چھوٹی چھوٹی گولیاں بھی رکھ دیتا تھا۔ اور یہ گولیاں وہ اس چرمی تھیلی میں سے نکالتا تھا جو اس نے اپنی گردن میں پہن رکھی تھی۔ یہ چرمی تھیلی مجھے اچھی طرح سے یاد تھی۔ یہ تھیلی اس وقت بھی اس کی گردن میں تھی جب میں نے اسے بندرگاہ پر غنڈوں سے بچایا تھا۔ پہلی دفعہ یہ تھیلی میں نے اس وقت دیکھی تھی جب کاری نے میرے گھر اپنا بدن دھونے کے لئے اپنا چغہ اتارا تھا۔

•

اور اس وقت بھی میں نے سوچا تھا کہ پتہ نہیں کیا ہے اس تھیلی میں۔ بعد میں یہ تھیلی میں نے اس کے ہاتھ میں اُس وقت دیکھی تھی جب ہم بلا لشٹے کی موت کے بعد، گھر سے نکلے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب بھی وہ اس تھیلی میں گولی یا جو کچھ بھی چیز بھی، نکال کر مجھے کھلاتا تو کچھ دیر کے لئے میں توانائی محسوس کرتا اور پھر مجھ پر نیند غالب آجاتی اور میں گہری، بے خبر اور طویل نیند سو جاتا۔

کئی دنوں ــ یا شاید کئی ہفتوں کے بعد مجھے عجیب باتیں بلکہ تجربے نظر آنے اور عجیب آوازیں سنائی دینے لگیں۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں اپنی ماں سے باتیں کر رہا ہوں اور سینٹ ہیوبرٹ سے، جن کے نام پر میرا نام رکھا گیا تھا، مصروفِ گفتگو ہوں۔ میں نے بلا لشٹے کو بھی دیکھا اور اس نے مجھے ساری باتیں سمجھائیں اور کہا کہ جو کچھ ہوا اس کی ذمّہ دار وہ نہیں ہے۔ ان باتوں نے مجھے یقین دلا دیا کہ میں مر چکا ہوں اور میں خوش تھا کہ میں مر چکا کیونکہ اب میں کوئی تکلیف، کوئی درد اور کوئی جذبہ محسوس نہ کروں گا اور یہ کہ وہ سب، جو لمحہ بہ لمحہ زندگی بناتی ہے، اب ختم ہوئی۔ اور تب میرے ماموں جان گریمر تشریف لائے اور اپنا پسندیدہ مقولہ دُہرایا :-

"سب مایا ہے ــ مایا ہی مایا ہے" اور پھر انھوں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا "میں نے کہا نہیں تھا برسوں پہلے بھی ایسا ہی تھا؟ اور اب یہ خود تم نے بھی دیکھ اور سمجھ لیا ہے۔ لیکن ہیوبرٹ! اس سے تم یہ نہ سمجھنا کہ تمھارے لئے مایا کا کھیل ختم ہوا جیسا کہ میرے لئے ختم ہو چکا ہے ــ نہیں ــ بلکہ تمھارے لئے تو یہ کھیل اب شروع ہوا ہے۔"

چنانچہ یوں ماموں بولتے رہے، بس بولتے ہی رہے یہاں تک کہ میں اکتا گیا، تھک گیا اور میرا جی چاہا کہ اب یہ حضرت یہاں سے رخصت ہو جائیں تو اچھا ہو۔

آخرکار ایک زبردست تڑاخہ ہوا جس نے میرا خیال ہے، ماموں کو گھبرا دیا یا شاید خوفزدہ کر دیا۔ کیونکہ انھوں نے نعرہ لگایا "یہ دوسری مایا ہے" اور پھر چلے گئے۔ اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ میں سو گیا۔

میں اپنے چہرے پر تپش اور پپوٹوں پر روشنی محسوس کر کے بیدار ہوا اور اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اپنی آنکھوں پر سایہ کرنے کے لئے میں نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو حیرت سے دیکھا کہ وہ اس قدر پتلا ہو گیا تھا کہ روشنی اس میں سے آر پار یوں نظر آ رہی تھی جس طرح کپڑے میں نظر آتی ہے۔ اور کھال کے نیچے ہڈیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ نقاہت کی وجہ سے میرا اوپر اٹھا ہوا ہاتھ گر گیا اور وہ سخت بالوں کے جھنڈ پر گرا اور یہ میری ڈاڑھی تھی۔ چنانچہ میں حیرت سے سوچنے لگا کہ میری ڈاڑھی کہاں سے آ گئی۔ کیونکہ ہر صبح ڈاڑھی مونڈنا میری عادت تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ معلوم ہوا کہ میں بلا تنشے کے عرشے پر پڑا ہوا تھا۔ جی ہاں۔ میں نے بلا تنشے کو اس کے ماتھے اور دوسری چیزوں سے پہچان لیا۔ ڈیک کیبن پتہ نہیں کیا ہوا تھا البتہ اس کے چاروں کونوں کے ستون باقی رہ گئے تھے اور انھی چاروں ستونوں یا بلیوں کے بیچ میں میں پڑا ہوا تھا۔ ان چاروں بلیوں پر کینوس کا ایک ٹکڑا باندھ دیا گیا تھا غالباً مجھے دھوپ سے بچانے کے لئے۔

بڑی کوششوں سے میں نے اپنا سر ذرا سا اوپر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا جہاز کی دیواریں غائب تھیں۔ البتہ چند کھمبے، جن سے تختے جڑے ہوئے تھے، کھڑے رہ گئے تھے اور ان کے بیچ میں سے مجھے پتلے اور لمبے تنوں والے ہرے بھرے درخت نظر آ رہے تھے۔ جن کے پتے بڑے بڑے اور گھنے تھے۔ یہ درخت مجھ سے صرف چند گز ہی دور معلوم ہوتے تھے۔ چمکدار پروں والے پرندے ان درختوں پر اڑ رہے تھے اور ان میں ایسے بندر اچھل کود کر رہے تھے جیسے کہ ملاح برابر

کے ساحل پر سے پکڑ کر لندن لاتے تھے۔ چنانچہ شاید میں کسی دریا میں تھا (اور حقیقت میں وہ ایک چھوٹا سا گھاٹ یا کھاڑی تھی جس کے دونوں طرف درخت اگ رہے تھے)

عین اسی وقت میں نے قدموں کی ہلکی سی چاپ سنی اور پھر چند ثانیوں بعد ہی کوئی مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ یہ کاری تھا لیکن بے حد لاغر جس کی آنکھیں حلقوں میں دھنسی ہوئی تھیں۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ چند ثانیوں تک دیکھتا رہا اور پھر کہا:۔

"آقا جاگ رہے ہو؟"

"ہاں کاری" میں نے جواب دیا "لیکن یہ بتاؤ کہ میں کہاں ہوں؟"

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور فوراً میرے پاس سے ہٹ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ایک پیالہ لئے واپس آیا اور میرے منہ سے لگا کر کہا کہ "پیو"۔ میں نے پیا پتہ نہیں وہ کیا تھا۔ کسی قسم کا گاڑھا مشروب تھا جس کی بو عجیب قسم کی تھی عجیب بات ہے کہ اس مشروب کے حلق سے نیچے اترتے ہی میرے جسم میں حیات و توانائی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

"اور اب کاری نے اپنی عجیب انگریزی میں کہنا شروع کیا:۔

"آقا! جب ہم ٹیمس دریا میں تھے تو تم نے مجھ سے پوچھا کہ ہم کیا کریں۔ کنارے پر جا کر اپنے آپ کو شکاریوں کے حوالے کر دیں جو ہمیں پکڑنے آئے تھے یا آگے بڑھتے رہیں۔ اور میں نے جواب دیا تھا کہ تمہارا بھی خدا ہے اور میرا بھی خدا ہے اور بہتر ہو گا کہ ہم اپنے آپ کو، انسانوں کے بجائے خدا کے حوالے کر دیں۔ چنانچہ ہم زبردست طوفان میں بھی سفر کرتے رہے اور ہمارا سفر بہت دنوں تک جاری رہا اور طوفانی ہوائیں ہمیں آگے ہی بڑھاتی رہیں۔ تم کمزور ہو گئے۔

اور تمھارے دماغ نے تمھارا ساتھ چھوڑ دیا لیکن میں نے دواؤں سے تمھیں زندہ رکھا اور کئی دنوں تک میں جاگتا رہا اور سکان سنبھالتا رہا لیکن پھر آخر کار میرے دماغ نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا اور پھر مجھے کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا ہوا۔ ابھی تین دن پہلے میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ جہاز یہاں پہونچ گیا تھا۔ پھر میں نے دوا ایک کھائی اور قوت حاصل کی اور ان لوگوں کی دی ہوئی غذا بھی کھائی جو ساحل پر رہتے ہیں اور ہمیں دیوتا سمجھتے ہیں۔ تو یہ ہے پوری کہانی اور شکر ہے کہ تم مر نہیں گئے اور زندہ ہو۔ تمھارا اور ہمارا خدا ہمیں حفاظت سے یہاں لے آیا۔"

"ہاں۔ کاری لیکن ہم ہیں کہاں؟"

"آقا میرا خیال ہے کہ ہم اس ملک میں ہیں جہاں سے میں آیا تھا حالانکہ یہ میرا وطن یا شہر نہیں ہے۔ وہ تو اب بھی یہاں سے بہت دور ہے۔ اس کے باوجود ہم اسی ملک میں ہیں۔ تمھیں یاد ہے" اس نے اضافہ کیا اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں "میں ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ ایک دن ہم دونوں اپنے ملک میں جائیں گے"

"لیکن کاری! یہ کون سا ملک ہے؟"

"آقا! میں اس کا نام نہیں جانتا۔ یہ بہت بڑا ملک ہے اور اس کے بہت سے نام ہیں لیکن تم پہلے سفید فام ہو جو یہاں پہنچے ہو چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگ تمھیں دیوتا سمجھتے ہیں۔ اچھا اب تم سو جاؤ۔ کل ہم مزید باتیں کریں گے"

میں نے آنکھیں بند کرلیں اور چونکہ بے حد تھکا ہوا تھا، فوراً ہی سو گیا۔ اور جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا کوئی بارہ تیرہ گھنٹے سوتا رہا۔ دوسرے دن صبح بیدار ہوا تو حیرت انگیز قوت و توانائی اور بھوک محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے کھانا کھایا۔ کاری پانی لے آیا اور میں نے غسل کیا اور صاف کپڑے پہن لئے جو کاری کو جہاز میں ہی مل گئے تھے۔

چنانچہ کئی دن اسی طرح گزر گئے اور دن بہ دن میری جسمانی قوت بڑھتی گئی یہاں تک کہ آخر کار میری حالت تقریباً ویسی ہی ہو گئی جیسی کہ اس دن تھی جب میں نے بلانشے سے شادی کی تھی۔ البتہ فرق یہ تھا کہ غم نے مجھے اندر سے اور باہر سے بدل دیا تھا اور میرے بشرے پر سنجیدگی منجمد ہو کر رہ گئی۔ اس کے علاوہ اب میرے چہرے پر سنہری ڈاڑھی تھی جو میں نے آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو معلوم ہوا، میرے چہرے پر نہ صرف بھلی معلوم ہو رہی تھی بلکہ اسے رعب دار بھی بنا رہی تھی۔ اس ڈاڑھی نے مجھے کافی الجھا دیا کیونکہ ایسی ڈاڑھی ایک دن میں تو نہیں اگ آتی۔ اس کی عمر یقیناً کئی ہفتوں کی تھی اور چونکہ اس انجانی کھاڑی میں مجھے بیدار ہوئے صرف تین دن ہوئے تھے اس لئے وہ سارے ہفتے، جو خدا جانے کتنے تھے، سینٹ سمندر پر ہی گزرے تھے۔

چنانچہ ہم کہاں پہونچ گئے تھے؟ اگر کاری کا کہنا غلط نہ تھا اور حقیقت میں طوفانی ہوائیں مشرق کی طرف سے ہی بہتی رہی تھیں تو یہ اپنا ملک انگلستان سے دور بہت دور تھا۔ اور یقیناً ایسا ہی تھا کیونکہ یہاں کی ہر چیز قطعی مختلف تھی۔ مثلاً میں تاروں سے سمت معلوم کرنا جانتا تھا کیونکہ بچپن سے ہی میری زندگی سمندر پر گزری تھی۔ چنانچہ یہاں کے آسمان پر مجموعۂ نجوم اپنے مقام سے ہٹا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ چند ستارے جن سے میں واقف تھا، غائب تھے اور ان کی جگہ نئے ستارے نظر آرہے تھے۔ دوسری بات یہ کہ یہاں گرمی سخت اور مسلسل تھی۔ حتیٰ کہ رات کے وقت بھی اس میں کمی نہ ہوتی تھی اور فضا ڈنک مارنے والے کیڑوں اور مکوڑوں سے پر تھی جن کی زیادتیاں ابتدا میں تکلیف دیتی رہیں۔ لیکن بعد میں میں یا یوں کہو کہ میری کھال ان کی عادی ہو گئی۔ مطلب یہ کہ ہر چیز بدلی ہوئی تھی اور میں حقیقت میں ایک نئی دنیا میں پہونچ گیا تھا۔ لیکن کون سی دنیا؟ کم سے

کم سمندر اس نئی دنیا کو ہماری پرانی دنیا سے جوڑ رہا تھا کیونکہ میں اب بھی جہاز بلا نشے پر تھا۔

جب میں چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو میں نے جہاز کا یا جو کچھ بچ رہا تھا اسکا معائنہ کیا۔ یہ واقعی ایک معجزہ تھا کہ یہ جہاز اتنے دنوں یا ہفتوں تک تیرتا رہا تھا کیونکہ اس کے پہلو اور دیواریں ٹوٹ گئی تھیں۔ اس کے دونوں ستونوں اور ان پر کی بلّیاں اور عرشے کا کچھ حصہ بھی غائب تھا۔ اس کے باوجود یہ جہاز تیرتا رہا تھا اندر ہیں اس کھاڑی میں لے آیا تھا اور خود اس کھاڑی کی کیچ میں یوں کھب کر ٹھہر گیا تھا جیسے یہ عمدہ گھاٹ ہو۔

اور اس سفر میں ہم اتنے دنوں زندہ کس طرح رہے؟ اس سوال کا جواب وہ عجیب دوا تھی جو کاری کی چرمی تھیلی میں تھی اور وہ پانی تھا جس کے بہت سے پیپے جہاز پر بھرے ہوئے تھے۔ بہر حال ہم کئی ہفتوں تک غذا کے بغیر زندہ رہے اور ہماری جسمانی قوت اور جوانی بدستور قائم رہی۔ اور چونکہ موسم سرد نہ تھا اس لئے ہم ٹھٹھرے بھی نہیں۔

میرے روبہ صحت ہونے کی مدت میں کاری کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر صبح ساحل پر چلا جاتا تھا۔ اس نے جہاز سے کنارے تک کیچ پر تختے بچھا دیئے تھے اور ان پر چل کر وہ آسانی سے خشکی پر پہونچ جاتا تھا اور ویسے بھی ہم کھاڑی کے کنارے سے چند فٹ ہی دور تھے۔ جب وہ واپس آتا تو مچھلیاں کسی قسم کے خشکی پرندے اور کسی قسم کا اناج لئے ہوتا۔ اس اناج سے میں واقف نہ تھا۔ اس کے دانے گیہوں کے دانتوں سے بارہ گنا بڑے تھے۔ چپٹے تھے اور اگر پکے ہوئے ہوتے تو ان کا رنگ زرد ہوتا۔ کاری کہتا کہ یہ چیزیں وہ ان لوگوں سے خرید کر لاتا تھا جو "خشکی" پر رہتے تھے۔ میں یہ کھانا شکم سیر ہو کر کھاتا اور سچ تو یہ ہے کہ

میری بھوک اتنی کھل گئی تھی کہ اس پر خود مجھے حیرت ہوتی تھی۔ یوں مربھکوں کی طرح تو میں بچپن میں بھی نہ کھاتا تھا۔

آخر کار ایک صبح کارتی نے مجھے وہ زرہ، جو میں نے فرانسیسی نائٹ کو قتل کر کے حاصل کی تھی اور جسے لندن سے فرار ہوتے وقت ہم نے اپنے ساتھ لے لی تھی، پہنائی اور میں نے دیکھا کہ کارتی نے گھس گھس کر اس زرہ کو خوب اچھی طرح سے چمکا دیا تھا یہ زرہ پہنا کر اس نے مجھے جہاز کے ماتھے پر ایک کرسی میں بٹھا دیا۔

"کارتی! یہ کیا کر رہے ہو؟ یعنی مجھے دولھا بنا کر یہاں کیوں بٹھا رہے ہو"؟ میں نے پوچھا۔

"تاکہ اس سرزمین کے باشندے تمھیں دیکھیں" اس نے جواب دیا۔

چنانچہ اب میں اس کرسی میں اور جہاز کے عرشے پر یوں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے ایک ہاتھ میں ڈھال تھی اور دوسرے میں برہنہ تلوار۔

میں جانتا تھا کہ کارتی بے وجہ کوئی کام نہیں کرتا اور یہ بھی یاد آیا کہ اب میں اپنے نہیں بلکہ کارتی کے ملک میں تھا اور یہ کہ اگر کارتی نہ ہوتا تو میں اس وقت زندہ نہ ہوتا۔ چنانچہ میں نے ویسا ہی کیا جیسا اس نے کہا۔ اس کے علاوہ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں نہ جنبش کروں گا، نہ بولوں گا اور نہ مسکراؤں گا اور جب تک وہ کہے گا میں اسی طرح بت بنا بیٹھا رہونگا چنانچہ میں چبھتی ہوئی دھوپ اور گرمی میں جہاز کے ماتھے پر بت کی طرح بیٹھا رہا۔

کارتی اتر کر ساحل پر چلا گیا اور کچھ دیر تک غائب رہا اور پھر میں نے جھاڑیوں میں اور درختوں کے جھنڈوں میں آوازیں سنیں۔ بہت سے آدمی کسی ادق زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ اس کے چند منٹوں بعد ہی یہ لوگ کھاڑی کے ساحل پر نکل آئے۔ بے شمار تھے وہ جن کی رنگت گہری

گیہواں سی تھی، بال لمبے اور کالے تھے اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ لیکن یہ لوگ بلند قامت نہ تھے یعنی مناسب قد تھے ان کے۔ وہ سب کنارے پر آگئے۔ مرد، عورتیں اور بچے۔

ان میں سے چند آدمیوں نے سفید اور ڈھیلے چغے پہن رکھے تھے۔ چنانچہ میں نے سمجھ لیا کہ یہ قوم کے بزرگ یا مذہبی پیشوا تھے۔ دوسرے آدمیوں نے اپنی کمروں سے کپڑے کے ٹکڑے، جو گھٹنوں کے اوپر تک آتے تھے، یا پٹیاں پہن رکھی تھیں۔ اس بھیڑ کے آگے آگے کاری چل رہا تھا جو اپنے ہاتھ ہلا رہا تھا اور میری طرف اشارے کر رہا تھا۔ خصوصیت سے میرے چہرے، زرہ اور تلوار کی طرف۔ وہ لوگ میری طرف اور میری تلوار کی طرف دیکھتے رہے اور پھر یکایک حیرت کے ساتھ وہ سب کے سب سجدے میں گر گئے اور اپنے ماتھے زمین پر رگڑنے لگے۔

وہ یوں سجدے میں پڑے ہوئے تھے جب کاری نے ان کے سامنے ایک طویل تقریر کی۔ اس تقریر کے دوران وہ بڑے جوش سے اپنے ہاتھ ہلاتا اور بار بار میری طرف اشارے کرتا رہا۔ بعد میں اس نے مجھے بتایا کہ وہ ان لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ میں، یعنی ہیوبرٹ ہسٹینگز، دیوتا ہوں۔ خدا اس کے اس جھوٹ کو معاف کرے۔

آخر میں اس نے مجھے کھڑے ہو جانے کو کہا اور خود ان لوگوں میں سے، جنھوں نے سفید چغے پہن رکھے تھے، چیدہ آدمیوں کو لے کر جہاز پر آ گیا۔ جہاز کے عرشے پر سفید چغے والے ٹھٹک گئے اور رک گئے۔ کاری میری طرف بڑھا لیکن اس طرح کہ وہ قدم قدم پر جھک رہا تھا اور ہوا میں بوسے پھینک رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ میرے قریب آگیا اور تب اس نے

گھٹنوں پر گر کر اپنے ہاتھ میرے پیروں پر رکھ دیے جن میں میں نے آہنی جوتے پہن رکھے تھے۔ پھر اس نے اپنے چغے کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر پھولوں کا گچھا نکالا اور چڑھاوے کے طور پر میرے گھٹنوں پر رکھ دیا۔

"آقا!" اس نے سرگوشی میں کہا "اب اٹھو، اپنی تلوار ہلاؤ اور اونچی آواز میں چیخو کہ یہ لوگ جان لیں کہ تم بے جان بت نہیں ہو بلکہ زندہ ہو"

چنانچہ میں ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہوگیا، اپنی تلوار اپنے سر پر گھمانے اور جنگلی بھینسے کی طرح چیخنے لگا۔ ویسے بھی میری آواز گونجدار اور بلند تھی، اور دور تک سنائی دیتی تھی۔

جب ان لوگوں نے تلوار کو یوں ہوا میں گھومتے اور مجھے دوزخ کے عفریت کی طرح ڈکراتے اور چیختے سنا تو وہ بیچارے خوفزدہ ہو کر بھاگے دو چار تو بدحواسی میں تختوں پر سے لڑھک کر کیچ میں گرے جن میں سے ایک تو غرق ہو چلا تھا لیکن کارتی اور دوسرے آدمیوں نے اسے پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا۔

جب وہ لوگ چلے گئے تو کارتی نے واپس آکر مجھے بتایا کہ سب ٹھیک ٹھاک ہے اور یہ کہ آج سے میں انسان نہیں ہوں بلکہ ــــ روح بحر ــــ ہوں جو زمین پر آگئی ہے۔ ایسی روح جس کا تصور بھی ساحروں نے نہ کیا ہوگا۔

چنانچہ یوں میں، ہیوبرٹ ہسٹینگز، دیوتا بنا۔ ان سادہ لوح لوگوں کا دیوتا جنھوں نے پہلے کبھی نہ تو کسی سفید فام کو دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی زرہ بکتر دیکھی اور اس کے متعلق کبھی سنا تھا۔

دوسرا باب (۲)

سنگستانی جزیرہ

اس کے بعد پورے ایک ہفتے تک میں جہاز ہی پر رہا۔ اولاً تو اس لئے کہ میں چاہتا تھا کہ میری قوت عود کر آئے اور دوم اس لئے کہ کارئی نے مجھے جہاز پر ہی رہنے کی ہدایت کی تھی۔ جب میں نے اس سے پوچھا کہ فی الحال میرا جہاز پر ہی رہنا کیوں ضروری ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ چاہتا ہے کہ میری آمد کی اطلاع ملک میں اس سرے سے اس سرے تک پہونچ جائے۔ اور ایک ایک قبیلہ میری آمد یا بقول اس کے میرے "ظہور" سے واقف ہو جائے۔ اس نے کہا کہ یہ خبر بڑی سرعت سے "تیز پرواز پرندے کی طرح" یہاں سے وہاں تک پہونچ جائے گی۔

اس عرصے میں میں روزانہ زرہ بکتر پہن کر کوئی ایک ڈیڑھ گھنٹے تک جہاز کے عرشے پر بیٹھتا اور ان لوگوں کو "درشن" دیتا جو قرب و جوار سے میرے "درشن" کو آتے تھے اور اتنے بہت سے تحائف لاتے تھے کہ ہماری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان چیزوں کا کیا کریں۔ بلکہ ان لوگوں نے یہ بھی کیا کہ کنارے پر ایک قربان گاہ بھی بنالی اور جنگلی جانوروں اور پرندوں کو جلا کر میرے حضور "سوختنی قربانی" بھی پیش کرنے لگے۔ یہ قربانی وہ لوگ بھی پیش کر رہے تھے جن سے میں پہلی دفعہ مل چکا تھا اور وہ لوگ بھی دور دراز کی بستیوں سے آتے تھے۔

آخر کار ایک رات، جب ہم کھانے سے فارغ ہو کر عرشے پر چاندنی میں

بیٹھے ہوئے تھے، میں ایک دم سے کاری کی طرف گھوم گیا اور یکایک اس امید سے سوال کیا کہ اس کے دل کا راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔

میں نے پوچھا :-

"کاری! اب تمھارا کیا ارادہ ہے؟ میرا مطلب ہے کیا منصوبہ بنایا ہے تم نے؟ کیونکہ اب میں اس زندگی سے اکتا گیا ہوں"

"میں آقا کے اسی سوال کا منتظر تھا" اس نے مسکرا کر جواب دیا "آقا پسند کریں تو میں زبان کھولوں"

"کہو"

"جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ میرا خیال ہے کہ میرا خدا اور تمھارا خدا ہمیں دنیا کے اس حصے میں لے آیا ہے جس سے میں واقف ہوں اور جہاں میں پیدا ہوا تھا یہ یقین مجھے اسی دن ہو گیا تھا جس دن، بے ہوشی کے بعد، یہاں میری آنکھ کھلی تھی کیونکہ میں نے یہاں کے درختوں، جھاڑیوں، پھولوں اور زمین کی بو کو پہچان لیا کہ میں بچپن سے یہاں کی ان چیزوں سے واقف ہوں اور یہ بھی دیکھا کہ آسمان میں بھی ستارے وہی تھے جہاں میں بچپن سے انھیں دیکھتا آیا تھا۔ جب میں کنارے پر گیا اور یہاں کے لوگوں سے ملا تو میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ کیونکہ وہ میری بولی اور میں ان کی بولی ایک حد تک سمجھ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ان میں ایک آدمی ایسا بھی تھا جو بہت دور سے آیا تھا اور اس نے مجھ سے کہا کہ اس نے مجھے ماضی میں کبھی اور کہیں دیکھا ہے اور یہ کہ اس وقت میں دیوانوں کی طرح بھٹک رہا تھا البتہ، اس نے کہا کہ وہ آدمی جو دیوانوں کی طرح بھٹک رہا تھا اپنے گلے میں ایک خاص دیوتا کا بت لٹکائے ہوئے تھا! اس دیوتا کا جو اتنا بڑا ہے کہ اس کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا۔ اس پر میں نے

اپنا چغہ کھولا اور اسے وہ بت دکھایا جو میں اپنے گلے میں لٹکائے ہوئے ہوں وہ آدمی ایک دم سے سجدے میں گر گیا اور کہا بے شک میں وہی شخص ہوں۔"

"اگر یہ سچ ہے تو یہ واقعی عجیب بات ہے" میں نے کہا "لیکن اب ہم کیا کریں گے یا کیا کرنا ہے؟"

"آقا! دو میں سے ایک بات کر سکتے ہیں۔"

"کیا؟"

"تم یہاں ٹھہر سکتے ہو کہ یہ لوگ تمھیں اپنا بادشاہ بنا لیں گے، تمھیں بیویاں دیں گے، تمھاری ہر آرزو پوری کریں گے اور ہر وہ چیز مہیا کر دیں گے جس کی تم خواہش کرو گے اور یوں تمھاری زندگی گزر جائے گی کیونکہ اس ملک میں جانے کی، جہاں سے تم آئے ہو، کوئی امید نہیں ہے۔"

"اور اگر ہو بھی تو میں جا نہیں سکتا اور نہ جاؤں گا" میں نے کہا۔

"یا پھر" کارتی نے کہا "تم میرے ساتھ میرے وطن تک کا سفر کرو لیکن میرا وطن بہت دور ہے۔ جب میں پاگل تھا اس وقت میں نے سفر کیا تھا لیکن مجھے یاد ہے کہ یہ سفر بہت طویل ہے اور دشوار بھی۔ پہلے تو ان پہاڑوں کو عبور کرنا پڑے گا جو یہاں سے دور دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے بعد ایک دوسرا سمندر ہے جو ہمیں عبور کرنا پڑے گا۔ یہ سمندر بہت بڑا نہیں ہے حالانکہ دشوار اور مواج ہے۔ پھر ہمیں اس سمندر کے ساحل تک جنوب کی سمت بڑھنا ہے میں نہیں جانتا کہ کتنی دور تک لیکن میرا خیال ہے کہ یہ مہینوں یا شاید برسوں کا سفر ہے۔ یہاں تک کہ ہم اپنی قوم کے ملک تک پہنچ جائیں گے۔ اس کے علاوہ وہ سفر بہت ہی کٹھن اور خطرناک ہے کیونکہ راستہ گھنے جنگلوں اور ریگستانوں میں سے گزرتا ہے جہاں وحشی قبائل بڑے بڑے سانپ اور ایسے

جنگلی درندے، جیسے کہ تمھارے ملک کے جھنڈے پر بنائے جاتے ہیں، رہتے ہیں اور جہاں قحط اور بیماریاں عام ہیں۔ چنانچہ میرا مشورہ یہ ہے کہ آقا میرے ساتھ سفر کا خیال ترک کر دیں "

" میں چند تانیوں تک سوچتا رہا اور پھر پوچھا:۔
اگر میں تمھارے مشورے پر عمل کروں تو تم کیا کرو گے؟ "

" میں اس وقت تک یہیں قیام کروں گا جب تک کہ یہاں کے لوگ تمھیں بادشاہ نہیں بنا لیتے اور تمھاری حکومت مستحکم نہیں ہو جاتی "

" اور اس کے بعد؟ "

" اس کے بعد میں اکیلا ہی اس سفر پر روانہ ہو جاؤں گا۔ میں نے پاگل پن میں یہ سفر کیا تھا تو اب بھی کر سکوں گا کیونکہ اب میں پاگل نہیں ہوں "

" یہی میرا خیال تھا " میں نے سر ہلایا " اچھا یہ بتاؤ کاری کہ ہم نے یہ سفر کیا اور ہم تمھارے ملک تک پہونچ گئے تو تمھارے لوگ ہمیں " خوش آمدید " کہیں گے؟ "

" یہ تو میں نہیں جانتا آقا! لیکن میرا خیال ہے کہ وہ تمھیں اپنا دیوتا بنا لیں گے جس طرح کہ اس ملک کے سارے لوگ تمھیں دیوتا بنا چکے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس دیوتا پر بھینٹ چڑھا دیں کہ اس کی قوت اور حسن ان میں منتقل ہو جائے۔ رہا میں تو میں اپنے متعلق یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرے وطن کے چند لوگ مجھے قتل کرنے کی کوشش کریں گے اور دوسرے مجھ سے چپکے رہیں گے۔ یہ میں نہیں جانتا کہ فتح کس کی ہوگی اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے اس کی پروا بھی نہیں۔ میں تو وہ حاصل کرنے جا رہا ہوں جو میرا حق ہے اور میں انتقام لینے جا رہا ہوں اور اگر اس کوشش میں میں مارا گیا تو یہ عزت کی موت ہوگی "

"میں سمجھ گیا" میں نے کہا "اب مناسب ہوگا کہ ہم جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جائیں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ یہاں پڑے پڑے ان لوگوں کو، جو بقول تمہارے مجھے بادشاہ بنا دیں گے، دیکھ دیکھ کر کہیں ایسا ہی پاگل نہ ہو جاؤں جیسے کہ تم تھے۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ ہم تمہارے وطن تک پہونچ جائیں گے یا نہیں لیکن اگر وہاں تک پہونچنے کی کوشش میں میری جان بھی چلی گئی تو اس کا مجھے کوئی غم نہ ہوگا۔ کیوں کہ اکثر مہم جو آدمیوں کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"آقا نے فیصلہ کر لیا" کارنی نے پہلے سے بھی زیادہ سنجیدگی اور سکون سے کہا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی اور اس کے جسم میں خوشی کی ہلکی سی پھریری آ گئی تھی "آقا نے خود فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ اب جو کچھ بھی ہوگا اس کا الزام مجھ پر نہ آئے گا۔ لیکن چونکہ آقا نے یہ فیصلہ کیا ہے اور میرا ساتھ دینا پسند کیا ہے تو اب میں کہتا ہوں کہ اگر ہم اپنے وطن تک پہونچ گئے اور میں وہاں کا بادشاہ بن گیا تو میں اس وقت سے بھی زیادہ آقا کا خادم بن کر رہوں گا۔"

"اس وقت تو ایسا وعدہ کرنا آسان ہے کارنی لیکن اس کے متعلق بات کرنے کا وقت وہ ہوگا جب ہم تمہارے ملک میں پہونچ جائیں گے۔" میں نے ہنس کر کہا اور پھر پوچھا "تو ہم کب روانہ ہوں گے؟"

"ابھی دیر ہے" اس نے جواب دیا "پہلے تو ہمیں سفر کا نقشہ بنانا ہے تب تک تم کنارے پر روزانہ چہل قدمی کرتے رہو کہ تمہاری ٹانگیں مضبوط ہو جائیں"

چنانچہ اس دن سے میں روزانہ صبح اور شام ساحل پر ٹہل کر اپنی ٹانگیں مضبوط کرتا رہا۔ لیکن اس چہل قدمی میں میں زیادہ دور تک نہ جاتا تھا۔ اس کے علاوہ میں احتیاطاً اپنی تلوار اور تیر کمان بھی ساتھ لے لیتا تھا لیکن کوئی میرے قریب نہ آیا۔ اور نہ ہی میں نے کسی کو دیکھا کیونکہ کارنی نے باشندوں کو خبردار کر دیا تھا

کہ دیوتا اب ساحل پر جہل قدمی کریں گے اور یہ کہ اس وقت دیوتا کا جلال جو بھی دیکھے گا وہ مر جائے گا۔ چنانچہ یوں ہوا کہ کوئی میرا جلال دیکھنے نہ آیا بلکہ ایک دفعہ میں ان کے ایک گاؤں میں گیا، جو کچی جھونپڑیوں پر مشتمل تھا، تو اسے بھی انسانوں سے خالی پایا۔

میرا یوں تلوار اور کمان سے مسلح ہو کر گھومنا رائیگاں نہ گیا۔ کم سے کم کمان تو ضرور کام آئی۔ ایک شام میں ایک گھنے درخت کی طرف سے گزر رہا تھا کہ اس کے پتوں میں سے ایسی آواز آئی جیسے بلی "خرخر" کر رہی ہو۔ میں نے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ درخت کے ٹہنے پر شیر کی قسم کا ایک درندہ بیٹھا مجھے گھور رہا تھا۔ میں نے جلدی سے کمان میں تیر لگایا اور تاک کر مارا۔ تیر اس کے سینے کے آر پار ہو گیا اور وہ قلا بازی کھا کر زمین پر گرا اور تڑپنے لگا۔

میں نے واپس جہاز پر پہونچ کر اس واقعہ کا ذکر کاری سے کیا تو وہ بولا کہ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں نے اس درندے کو نہ صرف دیکھ لیا بلکہ اسے مار گرایا کیونکہ اس نے کہا " وہ یہاں کا بڑا ہی خونخوار درندہ تھا جو مجھ پر چھلانگ لگا کر مجھے پھاڑ کھاتا۔ اسی پر بس نہ کرتے ہوئے کاری نے باشندوں کو اس کی کھال اتارنے کے لیے بھیج دیا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ میرا تیر درندے کے سینے کے آر پار ہو گیا ہے تو وہ حیران رہ گئے اور انھوں نے مجھے اور بھی بڑا دیوتا تسلیم کر لیا۔ کیوں کہ ان لوگوں کے تیر کمزور چھوٹے اور ہڈیوں کے پھلوں کے تھے جو شکار کے بدن میں چند انچ تک ہی پیوست ہو پاتے۔

جس دن میں نے اس درندے کو مارا تھا اس کے تیسرے دن ہم اس انجانے ملک کے اندرون اور لمبے اور دشوار گزار سفر پر روانہ ہو گئے۔

روانہ ہونے سے پہلے ہم نے جہاز میں سے جتنے بھی چاقو تھے وہ سب کے سب جمع کر لئے۔ ان کے علاوہ تیر، کیلیں، کلھاڑیاں، بڑھئی کے کام کے اوزار، کپڑے اور پتہ نہیں کیا کچھ چیزیں اکٹھی کر کے ان کے گٹھڑ بنائے اور پھر ان گٹھڑوں پر موم جامے لپیٹ دئے۔ ہر گٹھڑ کا وزن تیس سے چالیس پونڈ تھا۔ یہ چیزیں ہم نے بوقت ضرورت باشندوں کو تحفتہً دینے یا انھیں فروخت کرنے کے لئے ساتھ لے لیں۔

"لیکن یہ گٹھڑ اٹھائے گا کون؟" میں نے کارتی سے پوچھا۔

"یہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے" اس نے جواب دیا۔

اور دوسرے دن واقعی میں نے "اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا" ابھی سورج طلوع نہ ہوا تھا کہ ساحل پر سو کے قریب باشندے آ گئے۔ یہ لوگ نرسلوں کی دو ڈولیاں لے کر آئے تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ ڈولیاں میرے اور کارتی کے لئے تھیں۔ یعنی ان میں بیٹھ کر ہمیں سفر کرنا تھا۔ ان لوگوں میں ہم نے اپنا سامان تقسیم کر دیا۔ جو انہیں اپنے سروں پر اٹھا کر چلنا تھا۔ اور اس کے بعد کہا گیا کہ ڈولیوں میں سوار ہو کر روانگی کا وقت آ گیا تھا۔

چنانچہ ہم روانہ ہوئے۔ لیکن پہلے میں کیبن میں گیا اور وہاں گھٹنوں پر گر کر خدا کا شکر ادا کیا اور دعا کی کہ میری اس آوارہ گردی یا سیاحت میں میری حفاظت کرے اور اگر مجھے موت آ جائے تو میری روح کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اس دعا سے مجھے عجیب روحانی سکون اور اطمینان نصیب ہوا اور پھر میں اپنی ڈولی میں سوار ہو گیا جو بڑی آرام دہ تھی کیونکہ اس میں گھاس کی نرم چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں اور دوسری چٹائیاں سطور پردوں کے اس کے پہلوؤں پر لٹکی ہوئی تھیں۔ چھت بھی ایسی ہی چٹائی کی تھی۔ لیکن یہ چٹائیاں ایسی مہارت سے گوندھی ہوئی تھیں کہ موسلا دھار بارش بھی ان میں سے گزر نہ سکتی تھی۔

اور ہم اس طرح روانہ ہوئے کہ آٹھ آدمی وہ بانس اپنے شانوں پر رکھے ہوئے تھے جن سے ڈولیاں بندھی ہوئی تھیں اور دوسروں نے ہمارے سامان کے گٹھر اپنے سروں پر اٹھا رکھے تھے۔ ہمارا راستہ بتدریج بلند ہوتا جا رہا تھا۔ یہ ڈھلان ایک ٹیلے پر جا کر ختم ہو گئی۔ اس پہلے ٹیلے کی چوٹی پر پہونچ کر میں ڈولی میں سے کود کر باہر آیا اور اس بلندی پر سے میں نے چاروں طرف دیکھا۔

دور، نیلے اور بے کنار سمندر کے پس منظر میں اور تنگ کھاڑی میں ایک متحرک دھبا سا دکھائی دے رہا تھا۔ یہ ہمارے جہاز بلانشے کا بقایا تھا جس میں ہم یہاں تک آئے تھے اور اس کے پیچھے وہ بے کنار سمندر اور انجانا سمندر تھا جسے ہم نے طے کیا تھا۔ اور اس سمندر کے جانے کس ساحل پر اور سیکڑوں ہزاروں میل کے فاصلے پر میرا وطن تھا جسے چھوڑ کر میں آیا تھا اور میرا دل کہہ رہا تھا کہ اب کبھی اپنے وطن نہ پہونچ سکوں گا۔

اور اس جہاز پر جس کا بقایا سامنے کھاڑی میں نظر آ رہا تھا، خود بلانشے میرے ساتھ ایک دفعہ آئی تھی۔ اور میری طرف دیکھ کر پیار سے مسکرائی تھی، مجھ سے باتیں کی تھیں اور اسی دن اور اسی جہاز کے کیبن میں میں نے بلانشے کو اپنی باہوں میں سمیٹ کر اس کے ہونٹ چومے تھے اور اب وہ مر چکی تھی۔ ہاں اپنے ہاتھوں سے اس نے اپنی جان لے لی اور میں، لندن کا مشہور اور امیر تاجر، اس اجنبی سرزمین اور وحشی لوگوں میں بے وطن اور بے گھر اور اکیلا تھا۔ میں اس سرزمین کا نام تک نہ جانتا تھا اور یہاں کی ہر چیز اور ہر بات نئی اور مختلف تھی۔ اور سامنے وہ جہاز بلانشے اس کھاڑی میں اس وقت تک پڑا رہے گا جب تک کہ وہ سڑ گل نہیں جاتا۔ یکایک میرے دل میں غم اور اداسیاں اتر آئیں اور میں اس دن کو کوسنے لگا جس دن میں پیدا ہوا تھا اور میں نے سوچا کہ

میں پیدا کیوں ہوا تھا؟ اس سے تو اچھا تھا کہ میں پیدا ہوتے ہی مر گیا ہوتا یا اچھا ہو کہ اب مر جاؤں۔

میں اداس دل لئے ڈولی میں سوار ہوا اور اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پڑا۔ میں، لندن کا شریف، باعزت اور امیر ترین تاجر جو وہاں کا میئر یا مجسٹریٹ تھا اب ایک بے وطن، غریب اور بے سہارا آوارہ گرد تھا۔ بہر حال خدا کی یہی مرضی تھی اور ایسا ہی ہوا۔ اور خدا کی مرضی کے سامنے کسی کی نہیں چلتی اور کوئی دم نہیں مار سکتا۔

اس رات ہم نے ایک ٹیلے کی چوٹی پر قیام کیا جس کے قدموں میں ایک دریا بہہ رہا تھا اور ٹیلے پر مچھروں اور دوسرے کیڑوں کی افراط تھی۔ چونکہ میں ان مچھروں اور کیڑوں کی زیادتیوں کا عادی نہ تھا اس لئے سب سے زیادہ پریشان میں ہی رہا۔ انھیں مچھروں کی بھنبھناہٹ میں بیٹھ کر ہم نے وہ کھانا کھایا جو اپنے ساتھ لائے تھے خشک گوشت اور دلیہ۔

دوسرے دن سورج طلوع ہونے سے پہلے ہم پھر روانہ ہو گئے۔ راستے میں پہاڑ پڑتے تھے اور گھنے جنگل پڑتے تھے۔ چنانچہ ہم پہاڑوں پر چڑھتے اور اترتے رہے اور جنگلوں میں سے گزرتے رہے اور دریاؤں کے کنارے کنارے چلتے اور تالابوں کا چکر کاٹتے آگے بڑھتے رہے اور یونہی ہم آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ تیسرے دن کی شام کو بلندی پر سے ہمیں نیچے سمندر دکھائی دیا جو سمندر ہم چھوڑ کر آئے تھے یہ سمندر اس سے مختلف تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک ہم خاکنائے عبور کر رہے تھے جو بہت زیادہ چوڑا نہ تھا اور یہ کہ اگر کوئی انجینئر چاہے تو اس خاکنائے میں ایک نہر کاٹ کر دونوں سمندروں کو جوڑ سکتا تھا۔

اور یہاں سے، معلوم ہوتا ہے، ہمارا اصل سفر شروع ہوا کیوں کہ تاروں سے سمت کا اندازہ لگانے اور اکیلے میں بہت دیر تک غور کرنے کے بعد کارنی جنوب کی طرف گھوم گیا۔ اس سے مجھے کوئی واسطہ نہ تھا کیونکہ کارنی کسی سمت بھی گھومتا میرے لئے برابر ہی تھا اور میرے لئے اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے اس کی کچھ پروا نہ تھی کہ وہ کس طرف جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کارنی نے اس سلسلے میں مجھ سے نہ مشورہ کیا اور نہ ہی مجھ سے کوئی بات کی سوائے اس کے کہ اس کے دیوتا نے اس سے کہا ہے اور خود اسے کچھ دھندلا سا یاد ہے کہ اس کی قوم کی سرزمین جنوب کی طرف ہے۔ حالانکہ بہت دور ہے۔

چنانچہ ہم سمندر کو بائیں طرف رکھ کر جنوب کی سمت بڑھتے اور جنگل عبور کرتے رہے اور ایک ہفتے کے تھکا دینے والے سفر کے بعد ہم یہاں کے باشندوں کے ایک اور قبیلے کی بستی میں پہونچے۔ جن کی بولی وہ لوگ، جو ہمارے ساتھ تھے، سمجھ سکتے تھے چنانچہ انھوں نے قبیلے والوں کو ہماری داستان سنادی "دیوتائے بحر" کی افواہ ان لوگوں تک پہونچ چکی تھی چنانچہ یہ قبیلہ بھی میری پرستش کے لئے تیار تھا۔ یہاں سے وہ لوگ، جو ہمارے ساتھ آئے تھے، ہم سے رخصت ہوئے اور یہ کہہ کر کہ وہ اس سے زیادہ آگے جانے کی جرأت نہیں کر سکتے، اپنے وطن کی طرف لوٹ گئے۔

ان کے رخصت ہونے کا منظر بڑا عجیب تھا۔ ان میں کا ہر ایک آدمی میرے سامنے آیا اور اپنا ماتھا میرے قدموں پر رگڑ کر دور تک الٹے قدموں چلا گیا بہرحال ان کے رخصت ہو جانے سے ہمارے لئے کچھ زیادہ فرق نہ پڑا کیونکہ یہ نیا قبیلہ پہلے قبیلے جیسا ہی تھا فرق تھا تو صرف اتنا کہ اس قبیلے کے لوگ

زیادہ گندے اور زیادہ برہنہ تھے اس کے علاوہ اس قبیلے نے بھی مجھے بے چیل و حجت دیوتا تسلیم کرلیا اور کھانے کی چیزیں ہمارے سامنے مہیا کر دیں۔ اس کے علاوہ جب ہم روانہ ہوئے تو ہماری ڈولیاں اور سامان اٹھانے کے لئے اپنے آدمی ہمارے ساتھ کر دئے۔

چنانچہ یوں قبیلہ در قبیلہ ہوتے ہوئے ہم جنوب کی طرف، بس جنوب کی ہی طرف بڑھتے رہے اور جہاں بھی گئے "سفید فام دیوتائے بحر" کی آمد کی خبر ہم سے پہلے ہی پہونچ چکی تھی۔ یہ لوگ ایسے نرم دل یا شریف تھے کہ کسی نے بھی ہمیں نقصان پہونچانے یا ہمارا سامان چرانے کی کوشش نہ کی۔ اس کے برخلاف وہ ہماری ضرورت کی چیزیں اور سامان اٹھانے کے لئے آدمی مہیا کرتے رہے۔ چنانچہ یوں دو دفعہ ہم دو ایسے قبائل میں پہنچ گئے جو آپس میں برسرپیکار تھے لیکن میرے وہاں پہونچتے ہی دونوں قبائل نے اپنے ہتھیار رکھ دئے، عارضی طور پر سہی، اور ہماری ڈولیوں کو اپنے کاندھوں پر اٹھاکر ہمیں اگلی بستی تک پہونچا دیا۔

کئی دفعہ یہ بھی ہوا کہ ہم ان قبائل میں پہونچے جو آدم خور تھے اور ان قبائل میں ہمارا قیام جب تک رہا ہم نے گوشت نہ کھایا کہ کیا پتہ یہ آدمی کا گوشت ہو۔ ان آدم خوروں کی پہلی بستی میں میں نے ایک آدمی کا سر اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے اڑا دیا کیونکہ یہ شخص ایک بچے کو مار کر اور اسے بھون کر کھا جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور اس کی اس حرکت پر میں مارے غصے کے دیوانہ ہو گیا۔ میں نے اس مردود کا سر اڑا تو دیا لیکن پھر اس خیال سے سہم گیا کہ اب یہ لوگ ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے اور ہمیں مار کر کھا جائیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ آدم خوروں نے اپنے شانے اچکائے اور کہا کہ دیوتا جو چاہے

کر سکتا ہے۔ اور آدمی کی لاش کو، جسے میں نے قتل کر دیا تھا، اٹھا کر لے گئے اور بھون کر کھا گئے۔

کئی دفعہ ہم گھنے اور خوفناک جنگلوں میں سے گزرے۔ یہاں نیچے اندھیرا چھایا رہتا تھا کیونکہ اوپر درختوں کی ٹہنیاں آپس میں یوں گتھ گئی تھیں کہ سورج کی شعاعیں اور روشنی نیچے نہ پہونچ سکتی تھی۔ ان جنگلوں میں ہمیں بیلیں اور جھاڑیاں کاٹ کر راستہ بنانا پڑتا تھا۔ ان جنگلوں میں وہ درندے کثرت سے تھے جن میں ایک کا ذکر میں پہلے کسی جگہ کر چکا ہوں۔ چنانچہ رات کے وقت جب ہم قیام کرتے تو ان درندوں سے محفوظ رہنے کے لئے پڑاؤ کے چاروں طرف الاؤ روشن کر دیتے۔ اکثر دفعہ ہمیں تیز بہنے والے دریا عبور کرنے پڑے اور کئی دریا ہم نے ان پلوں سے عبور کئے جو ان پر بنے ہوئے تھے۔ یہ پل رسیوں اور رسوں کے بنے ہوئے تھے اور جھولتے ہوئے تھے چنانچہ ان پر سے گزرتے وقت میرا دل لرزتا اور پیر کانپتے تھے۔ لیکن پھر میں ان پلوں کے جھولنے کا عادی ہو گیا ایک دفعہ ہم دلدلوں میں سے گزرے۔ ان دلدلوں میں سبز رنگ کے بڑے بڑے سانپ تھے جنھیں دیکھتے ہی میرا خون خشک ہو جاتا تھا خصوصاً اس لیے کہ ان سانپوں نے ہمارے چند باربرداروں کو ڈس لیا اور وہ صحیح معنوں میں پانی مانگے بغیر مر گئے۔

دوسری قسم کے سانپ بھی کثرت سے تھے جو آدمی کے بدن جتنے موٹے اور پانچ چھ قدم تک لمبے تھے۔ یہ سانپ درختوں پر رہتے تھے اور اپنے شکار کے گرد لپیٹ کر اور اسے دبا کر اس کی ہڈیوں کا چورا کر دیتے تھے مجھے بتایا گیا کہ یہ سانپ آدمی کو بھی اسی طرح مار کر نگل لیتے تھے لیکن میں

نے انھیں کسی آدمی کا شکار کرتے نہیں دیکھا۔ بہرحال یہ سانپ دیکھنے میں بڑے ہی خوفناک تھے۔

ایک دفعہ ایک دریا کے کنارے میں نے ایک ایسا سانپ دیکھا کہ مارے خوف کے میرے گھٹنے آپس میں ٹکرانے لگے۔ خدا کی قسم یہ سانپ ساٹھ فٹ یا اس سے زیادہ لمبا تھا۔ سر تیبیے جتنا تھا اور اس کی کھال پر قوس قزح کے سارے رنگ موجود تھے۔ اس کے علاوہ اس مردود نے اپنی آنکھوں سے مجھے جکڑ لیا کیونکہ جب تک وہ دریا میں نہ چلا گیا میں اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔

چنانچہ یوں کئی مہینوں تک ہم سفر کرتے رہے۔ حالانکہ راستے میں ہمیں کئی طرح کے خطرات سے دوچار ہونا پڑا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایسے گرم اور خشک موسم کے باوجود ہم میں سے کوئی بھی بیمار نہ پڑا۔ میرے خیال میں یہ اس جڑی بوٹی کا کمال تھا جو کاری کی چرمی تھیلی میں ہمیشہ رہا کرتی تھی، جس کا نام، جیسا کہ معلوم ہوا، کوکا تھا اور جو اب اس ملک میں آسانی سے مل جاتی تھی۔ اس سفر میں ہمیں بھوک کی تکلیف بھی برداشت نہ کرنی پڑی۔ کیونکہ جب ہم بھوکے ہوتے یہی جڑی بوٹی زیادہ مقداریں کھالیتے اور بھوک مٹ جاتی۔

مجھے تو وقت کا اندازہ ہی نہ تھا اور نہ ہی اب مجھے اس کی پرواتھی۔ البتہ کاری ایک لمبی کالی ڈوری پر گرہیں لگاکر وقت کا اور دنوں کا حساب رکھ رہا تھا۔ چنانچہ اس حساب سے اپنے سفر کے نویں مہینے ہم ایک زبردست ریگستان کے کنارے پر پہنچ گئے۔ جو یہاں کے باشندوں کے بقول، جنوب کی طرف سو یا اس سے زیادہ لیگ تک پھیلا ہوا تھا اور

اس میں کہیں پانی نہ ملتا تھا۔ اس کے علاوہ اس ریگستان کے مشرق کی طرف پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا تھا جن کی چوٹیاں اتنی بلند تھیں کہ آج تک کوئی انسان ان پر چڑھ نہ سکا تھا۔ چنانچہ یہاں، معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ہمارا یہ سفر ختم ہو جائے گا۔ کیوں کہ کاری کو کچھ یاد نہ تھا کہ ماضی میں اور اپنی دیوانگی میں اس نے یہ ریگستان کس طرح عبور کیا تھا۔ بشرطیکہ اس نے یہ ریگزار عبور کیا ہو یا اس کے کنارے کنارے اور چکر کاٹ کر اس طرف آیا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے شک تھا کہ شاید ہی کاری اس راستے سے آیا ہوگا۔

کوئی ایک ہفتے تک ہم اس قبیلے میں مقیم رہے جو اس ریگستان کے عین کنارے پر ایک سرسبز وادی میں آباد تھا اور تمام عرصے میں اس ریگستان کو عبور کرنے کے مسئلے پر غور کرتے رہے۔ جہاں تک میرا سوال تھا تو میں اس مسلسل سفر سے اس قدر تھک گیا تھا کہ میرا جی ہمیشہ کے لئے اسی جگہ ٹھہر جانے کو چاہتا تھا۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ اس قبیلے کے لوگ بڑے ہی مخلص اور ملنسار تھے۔ اور انھوں نے بھی مجھے دیوتا تسلیم کر لیا تھا۔ چنانچہ میں تو مرتے دم تک انہی لوگوں میں رہ پڑنے کے لئے تیار تھا۔ لیکن کاری اس کے لئے تیار نہ تھا۔ وہ تو بہرحال اپنے وطن پہنچنا چاہتا تھا جو اس کے خیال میں جنوب کی طرف تھا۔

چنانچہ اب ہم اس قبیلے میں مقیم تھے۔ اچھا کھانا کھا کر اپنی کھوئی ہوئی قوتیں واپس حاصل کر رہے تھے اور روزانہ پہلے ریگستان کی طرف پھر بائیں طرف کے سلسلۂ کوہ کی فلک بوس چوٹیوں کی طرف اور پھر دائیں طرف سمندر کی طرف دیکھتے اور آپ ہی آپ الجھ جاتے کہ اب کیا کریں۔

اب اس قبیلے کے لوگ ماہی گیر تھے۔ یہ ایک قسم کی ان گڑھ سی کشتیوں یا بیڑوں میں بیٹھ کر مچھلیاں پکڑنے جاتے تھے۔ یہ کشتیاں یا بیڑے جو بالسا کہلاتے تھے۔ دیکھنے میں بڑے کمزور معلوم ہوتے تھے کہ ایک چوبی جو کھٹے سے ہوا بھری کھالیں اور بیچ میں خشک نرسل باندھ کر بنائے گئے تھے لیکن یہ لوگ انہی کمزور نظر آتے ہوئے بیڑوں میں بیٹھ کر مچھلیاں پکڑنے کے لئے دور دور کے جزیروں تک جاتے تھے۔ چپوؤں سے ان بالساؤں کو وہ خیر کھیتے ہی تھے۔ اس کے علاوہ ان پر ایک چوکور بادبان بھی لگا دیتے تھے۔ چنانچہ موافق ہوا میں یہ بالسا بڑی تیز رفتاری سے بہتے ان کے آخری سرے پر ایک چپو بندھا ہوتا تھا جو سکان کی غرض پوری کرتا تھا۔

جب ہمارا قیام اس قبیلے میں تھا تو شمال کی طرف سے ہوا چلنے لگی۔ حالانکہ یہ ہوا تیز نہ تھی اس کے باوجود سارے بالساؤں کو ساحل کے قریب اور محفوظ مقام پر لے آیا گیا۔ میں نے کارتی کے ذریعہ اس کا سبب پوچھا تو جواب ملا کہ مچھلیاں پکڑنے کا موسم ختم ہوگیا تھا اور یہ کہ یہ ہوا جو شمال سے چلنے لگی ہے مدت تک یہ چلتی رہے گی۔ اور اب اگر کوئی بالسا کھلے سمندر میں گیا تو یہ ہوا اسے جنوب کی طرف اتنی دور تک کھینچ لے جائے گی کہ وہ بالسا اور اس میں بیٹھنے والے کبھی واپس نہ آئیں گے۔ ان لوگوں نے بتایا کہ ان کے قبیلے کے اکثر مہم جو نوجوان اکثر دفعہ اس ہوا کی پروانہ کرکے کھلے سمندر میں گئے تھے اور آج تک واپس نہیں آئے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئے یا ان کا کیا بنا؟

"کارتی! اگر تم جنوب کی طرف جانا ہی چاہتے ہو تو یہ سفر جاری رکھنے کا ایک راستہ ہے" میں نے کارتی سے کہا۔

اس دن تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن دوسرے دن صبح اس نے مجھ سے اچانک پوچھا:۔

"آقا! تم اس سفر پر جانے کی ہمت کر سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں؟" میں نے جواب دیا "سمندر میں بھی مرنا اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ خشکی پر۔ اس کے علاوہ میں جنگلوں، پہاڑوں اور دلدلوں میں سفر کرتے کرتے اکتا گیا ہوں۔"

ہماری اس مختصر سی گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ کارتی نے ایک چاقو اور چند ٹیکوں کے عوض ان لوگوں کے پاس سے وہ بالسا خرید لیا جو تمام بالساؤں سے بڑا تھا۔ خشک مچھلی اور مٹی کے برتنوں میں پانی بھر کر بالسا میں رکھا، پھر ہمارا سامان اس پر چڑھایا اور پھر اعلان کیا کہ "دیوتائے بحر" جو سمندر میں سے آیا تھا واپس اپنے گھر، یعنی سمندر میں جا رہا ہے اور اپنے خادم، یعنی کارتی کو بھی اپنے ساتھ لیئے جا رہا ہے۔

چنانچہ ایک صبح، جب جنوب کی طرف سے ذرا تیز ہوا چل رہی تھی، ہم بالسا میں سوار ہوئے۔ پورا قبیلہ ساحل پر جمع تھا اور حیرت سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم نے بادبان کھولا اور ہم اس سفر پر روانہ ہو گئے جو میرے خیال میں ایسا بحری سفر تھا کہ ایسا پاگل پنے کا سفر ابتدائے آفرینش سے کر اب تک کسی ابنِ آدم نے نہ کیا ہو گا اور نہ آئندہ کبھی کرے گا۔

بالسا ہر چند کہ ان گڑھ سا تھا لیکن وہ اس جنوبی ہوا میں سرعت سے بہہ رہا تھا اور ایک گھنٹے میں تقریباً دو لیگ کا فاصلہ طے کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ گاؤں جہاں ہمارا قیام تھا اور اس کے عقب میں سلسلۂ کوہ دھندلا گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد نظروں سے اوجھل ہو گیا اور اب ہمارے بائیں طرف زبردست ریگستان تھا اور تمام طرف زیرِ آب چٹانوں کے خوف سے ہم بالسا کو ساحل سے دور لے آئے اور وہ دن بھر اور رات بھر سفر کرتے رہے۔ دوسرے دن کی

روشنی پھیلی تو نظر آیا کہ ہم اس ساحل کے متوازی سفر کر رہے تھے جس پر پہاڑوں کی ایک ہلکی دیوار سی کھڑی تھی۔ اور ان پہاڑوں کی چوٹیاں برف پوش تھیں۔ دوسرے دن کی شام کو یہ پہاڑ بڑے ہی ہولناک بن گئے تھے اور ان کے درمیان گہری وادیاں تھیں جن میں چشمے بہہ رہے تھے

تین دنوں اور تین راتوں تک ہمارا سفر اسی طرح جاری رہا۔ جنوبی ہوا برابر بہتی رہی اور ہمارا سفر سلامت رہا۔ ان تین دنوں میں، میرے اندازے کے مطابق، ہم اتنا ہی فاصلہ طے کر چکے تھے جتنا کہ ہم نے خشکی پر چھ مہینوں میں طے کیا تھا۔ اس خیال سے مجھے خوشی ہوئی اور جب اس کا اظہار میں نے کارتی سے کیا تو وہ بھی خوش ہو گیا۔ اور کہا کہ پہاڑوں کی ساخت اس کے ملک اور وطن جیسی ہے۔ چنانچہ، اس نے کہا، یقیناً ہم اس ملک کے قریب پہونچ گئے ہیں اور یہ کہ دن بہ دن اس کے اور قریب پہونچ رہے ہیں۔

لیکن چوتھے دن کی صبح سے ہماری مشکلات کا آغاز ہوا۔ کیوں کہ وہ جنوبی ہوا، جو اب تک ہماری دوست اور معاون رہی تھی، تیز ہو گئی اور پھر تیز ہوتی ہی چلی گئی یہاں تک کہ وہ طوفانی جھکڑ بن گئی جلد ہی ہمارا بادبان چھری چھری تھا۔ اس کے باوجود ہمارا بالسا موجوں کے سہارے آگے بڑھتا رہا۔ لیکن اب اس کی رفتار خطرناک تھی۔

اب میں نے سوچا کہ بالسا کو کنارے تک لے جایا جائے اور جہاں بھی وہ کنارے سے جا لگے وہیں سے خشکی کا سفر شروع کیا جائے۔ لیکن معلوم ہوا کہ یہ ممکن نہ رہا تھا۔ ہم نے لاکھ چپو چلائے لیکن بالسا کو اس کے راستے سے ہٹا کر کنارے تک تو کیا اس کے قریب بھی نہ لا سکے چنانچہ اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ رہ گیا تھا کہ سکان کا چپو سنبھال کر

بالسا کو سیدھے راستے پر ہی رکھتے اور یہی ہم کر رہے تھے۔ اس کے باوجود بالسا زیر آب دھارے میں پھنس کر اکثر دفعہ کئی چک پھیریاں کھا جاتا تھا۔

دوپہر ہوئے دو گھنٹے گزر چکے تھے کہ یکایک آسمان کالے کالے بادلوں سے ڈھک گیا اور کچھ دیر بعد ہی ہمارا بالسا زبردست طوفانِ باد و باراں میں پھنسا ہوا تھا۔

اب سکان سنبھالنا بھی ممکن نہ رہا تھا۔ چنانچہ ہم بالسا میں چت لیٹ گئے اور وہ رسیاں مضبوطی سے پکڑ لیں جن سے لکڑی کے کھٹے اور نرسلوں وغیرہ کو باندھا گیا تھا۔ اکثر اوقات زبردست موجیں بالسا پر چڑھ آتی تھیں، اور اگر ہم رسیاں پکڑے ہوئے نہ ہوتے تو یہ موجیں ہمیں اپنے ساتھ گھسیٹ لے جاتیں۔ یہ واقعی حیرت انگیز بات ہے کہ یہ کمزور نظر آتا ہوا بالسا اس طوفان میں کھل کر بکھر نہ گیا۔ نرسلوں اور ہوا بھری ہوئی کھالوں کی وجہ سے وہ اس زبردست طوفان اور کوہ پیکر موجوں میں بھی تیرتا رہا اور چک پھیریاں لیتا جنوب کی طرف، اپنی نامعلوم منزل کی طرف، بھاگتا رہا۔ اس کے باوجود میں جانتا تھا کہ بالسا اس طوفان اور موجوں کے تھپیڑوں کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکے گا چنانچہ میں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور دل ہی دل میں اپنے پیدا کرنے والے کو یاد کرنے لگا۔ کیونکہ اب میرے خیال میں، بہت جلد بلکہ کوئی دم میں مجھے اس کے حضور میں حاضر ہونا تھا۔

رات کا اندھیرا اتر آیا لیکن بادل بدستور گرجتے رہے اور بجلی بدستور چمکتی رہی اور بجلیوں کی روشنی میں مجھے ساحل سے دور برف پوش

پہاڑوں کی جھلکیاں نظر آتی رہیں۔ اور انھیں بجلیوں کی روشنی میں مجھے کاری نظر آرہا تھا جو میرے قریب ہی چت پڑا تھا اور بار بار اپنی گردن میں پڑے ہوئے اپنے دیوتا پاچامک کے سنہرے بت کو چوم رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اپنا منہ میرے کان سے لگا کر اور چیخ کر کہا:۔

"دیکھو آقا! اب بھی ہمارے دیوتا ہمارے ساتھ ہیں —— اس طوفان میں۔"

"ہاں" میں نے جواب دیا "اور جلد ہی ہم اپنے دیوتاؤں کے ساتھ ہوں گے۔"

عین اسی وقت بجلی زور سے چمکی اور پورے آسمان میں آگ سی لگ گئی اور اس کی روشنی میں میں نے سامنے ایک خوفناک منظر دیکھا۔ سمندر کی طوفانی موجیں زیر آب چٹانوں پر لڑھک رہی تھیں اور ان ٹوٹتی ہوئی موجوں کے پس منظر میں ایک زبردست سیاہ دیوار نظر آئی۔ بلند کنارہ یا ساحل یا خدا جانے جزیرہ۔

یکایک ہم ان دیوانی موجوں میں تھے۔ ان موجوں نے ہمارے بالسا کو اٹھایا اور آبی وادی میں پٹخ دیا۔ دوسری موج آئی اور اس نے بھی بالسا کو اٹھا کر پٹخ دیا۔ پھر تیسری، چوتھی اور پانچویں موج آئی۔ موجیں ہمارے بالسا کو گیند سمجھ کر اس سے کھیل رہی تھیں یہاں تک کہ میرا سر چکرانے لگا اور میں خدا کو یاد کرنے لگا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میرا آخری وقت آگیا تھا۔

آخری بات مجھے یاد ہے وہ یہ ہے کہ میں ایک زبردست موج پر یوں سوار تھا جیسے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور وہ موج مجھے بالسا

سمیت کہیں آگے گھسیٹے لئے جا رہی تھی۔ یکایک ایک تڑاخا ہوا اور پھر میں اندھیرے میں غرق تھا۔

کہیں دور سے کوئی مجھے پکار رہا تھا۔ بڑی کوششوں سے میں نے آنکھیں کھولیں لیکن پھر فوراً بند کر لیں کیونکہ ان میں روشنی چبھ رہی تھی۔ پھر کچھ دیر کے بعد میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور پورے بدن میں درد محسوس کیا جیسے کسی نے مجھے ہاون دستے میں ڈال کر اچھی طرح سے کوٹا ہو ایک بار پھر میں نے آنکھیں کھول دیں۔

اوپر شفاف آسمان میں سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ سامنے سمندر تھا جو تقریباً پرسکون تھا اور میرے چاروں طرف ریت، پتھر اور چٹانیں تھیں۔ اور بہت سے جانور رینگ رہے تھے۔ یہ بڑے بڑے کچھوے تھے اور میرے قریب اپنے گھٹنوں کے بل کارتی بیٹھا ہوا تھا اس کی کمر سے وہ تلوار بندھی ہوئی تھی جو اس نے ڈھیلے راے کی لاش کے ہاتھ سے چھڑائی تھی۔ کارتی کے جسم پر کے کسی زخم سے خون بہہ رہا تھا اور اس کے پورے بدن پر خشک نمک کی پپڑیاں تھیں جس نے اسے قریب قریب سفید بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ تندرست اور صحیح سلامت معلوم ہوتا تھا۔ میں اس کی صورت تکنے لگا اور مارے حیرت کے میری زبان گنگ تھی۔ چنانچہ یہ کارتی ہی تھا جس نے زبان کھولی اور اس کا لہجہ فتح مندانہ تھا۔

"میں نے کہا نہیں تھا کہ دیوتا ہمارے ساتھ ہیں؟ اے سفید فام! کہاں چلا گیا تھا تمہارا اعتقاد؟ .... دیکھو.... دیکھو۔ دیوتا مجھے اس زمین پر واپس لے آئے ہیں جہاں کا میں شہزادہ ہوں۔"

کاری کا لہجہ ایسا تھا کہ مجھے غصہ آگیا۔ وہ مجھے اعتقاد کے لئے سرزنش کیوں کر رہا تھا؟ مجھے "آقا" کے بجائے "سفید فام" کہہ کر کیوں مخاطب کر رہا تھا؟ کیا اس لئے کہ وہ اپنے وطن میں پہونچ گیا تھا جہاں کا شہزادہ تھا اور میری حیثیت کچھ نہ تھی؛ یقیناً یہی بات تھی۔ چنانچہ میں نے جواب دیا:۔

"اور یہ تمہاری رعایا ہیں اے شہزادے کاری؟" میں نے رینگتے ہوئے کچھوؤں کی طرف اشارہ کیا "اور یہ وہ حیرت انگیز سرزمین ہے جہاں سونا چاندی کیچڑ کی طرح ہے" اور میں نے ریت اور ننگی چٹانوں کی طرف اشارہ کیا۔

میرے یوں کہنے پر وہ مسکرایا اور بڑی انکساری سے بولا:۔

"نہیں آقا۔ وہاں ہے میرا وطن"

اور میں نے اس طرف دیکھا جس طرف کاری دیکھ رہا تھا۔ پانی کے اس پار اور کئی لیگ دور پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں بادلوں سے بھی اوپر نکل گئی تھیں۔

"میں ان پہاڑوں کو پہچانتا ہوں" کاری نے کہا "وہ میرے ملک کے بہت سے دروازوں میں کا ایک دروازہ ہیں"

"تب تو یوں سمجھو کہ ابھی ہم لندن میں ہی ہیں۔ کیوں کہ تمہارے وطن کے اس دروازے میں سے گزرنا ممکن نظر نہیں آتا —— خیر یہ بتاؤ کاری کہ ہمارے ساتھ کیا واقعہ ہوا؟"

"ایک زبردست موج نے ہمیں اٹھا کر کنارے پر کی چٹان پر دے مارا۔ دیکھو۔ وہ ہے ہمارا بالسا"

اور اس نے ٹوٹے ہوئے نرسلوں اور پھٹی ہوئی کھالوں کی طرف اشارہ کیا۔

کار بھی کا سہارا لے کر میں اٹھا اور لب آب گیا جہاں ہمارا بالسا پڑا ہوا تھا۔ ہمارے سارے برتن ٹوٹ گئے تھے۔ لیکن نرسلوں اور کھالوں کے انجھیڑوں میں ہماری وہ چیزیں ابھی پڑی ہوئی تھیں جو ہم ساتھ لائے تھے۔ مثلاً میری کالی کمان اور تلوار شعلہ بار اور میری زرہ۔

"یہ بالسا ہمیں یہاں تک تو لے آیا لیکن اب ہمیں واپس نہ لے جا سکے گا" میں نے کہا

"تم ٹھیک کہتے ہو آقا۔ لیکن اگر ہم اپنے وطن پہونچ گئے تو میں اس ٹوٹے ہوئے بالسا کو سونے کے صندوق میں رکھ کر بطور یادگار سورج کے مندر میں رکھ دوں گا۔"

قریب ہی ایک چٹان کے کھڈ میں بارش کا پانی جمع تھا۔ ہم دونوں نے یہ پانی پیا کیونکہ ہم پیاسے تھے۔ بالسا کے "کھنڈر" میں ہمیں تھوڑی سی خشک مچھلیاں بھی بچی ہوئی مل گئیں یہ مچھلیاں ہم نے دھو کر کچی ہی کھائیں۔ اس کے بعد ہم لنگڑاتے ہوئے اس ڈھلان کی چوٹی پر چڑھ گئے جو قریب ہی تھی۔ چاروں طرف دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ہم ایک چھوٹے سے جزیرے پر تھے جو کوئی دو سو ایکڑ لمبا تھا اور اس پر کچھ نہیں اگ رہا تھا سوائے ایک قسم کی گھاس کے اور یہ گھاس بھی چھدری چھدری تھی۔ لیکن اس جزیرے کو بے شمار آبی پرندوں اور کچھوؤں نے، جن کا میں ذکر کر چکا ہوں، اپنا گھر بنا رکھا تھا۔ یہاں اود بلاؤ جیسے جانور بھی کثرت سے تھے۔

"چلو۔ ہم بھوکوں تو نہ مریں گے" میں نے کہا "البتہ خشک موسم میں شاید پیاس سے ہم مر جائیں گے۔"

اور جزیرے پر ہمارا قیام پورے چار مہینے تک رہا اور یہ چار مہینے میری زندگی کے طویل ترین مہینے تھے۔

اس عرصے میں ہماری خوراک کچھوے ہی رہے جنہیں ہم بھون لیتے یا پکا لیتے تھے ایک ٹکری میں موجود

کرکے کاری اس میں خشک گھاس کے تنکے بھر دیتا اور پھر دوسری لکڑی کا نوکدار سرا اس سوراخ میں داخل کرکے اسے اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان یوں گھماتا جیسے دہی بلوتے ہیں اور اس ترکیب سے وہ آگ جلاتا اور اس آگ پر ہمارا کھانا پکتا۔ اگر وہ اس طرح آگ جلانا نہ جانتا ہوتا تو یا تو ہم بھوکوں مرجاتے یا کچی مچھلیاں کھا کر زندہ رہنے کی کوشش کرتے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہم کچھوؤں کے گوشت سے پیٹ بھرتے رہے۔ کبھی کبھی پرندے بھی شکار کر لیتے، کبھی پرندوں کے انڈے ہاتھ لگ جاتے اور کبھی مچھلیاں پکڑنے میں بھی کامیاب ہو جاتے۔ کچھوؤں کے بہت سے خولوں اور پتھروں سے ہم نے ایک قسم کی جھونپڑی بنائی کہ دھوپ اور بارش سے محفوظ رہ سکیں اور اس گرم سرزمین میں یہ جھونپڑی واقعی غنیمت تھی۔ اس کے علاوہ انہی خولوں میں ہم نے بارش کا پانی جمع کر لیا کہ خشک موسم میں پینے کے کام آئے۔ اب لباس کا مسئلہ درپیش تھا جو یوں حل ہوا کہ کاری نے اپنی کمان سے اود بلاؤ کی قسم کے بہت سے جانور شکار کیے۔ ان کی کھالیں اتاریں، کچھوؤں کے خولوں اور پتھروں سے رگڑ رگڑ کر انھیں نرم کیا، کچھوؤں کی چربی ان پر ملی اور انھیں اور بھی ملائم بنایا اور پھر ان کھالوں کے لباس بنائے۔

چنانچہ یوں ہم اس ویران جزیرے پر رہنے لگے اور دن پر دن اور مہینوں پر مہینے گزرتے رہے یہاں تک کہ میں نے سوچا کہ یہاں کی تنہائی اور ویرانی مجھے پاگل کر دے گی کیونکہ کسی طرف سے کوئی مدد نہیں آ رہی تھی اور نہ آنے کی امید ہی تھی۔ ہمارے سامنے لیکن دور براعظم کے پہاڑ نظر آ رہے تھے لیکن ان کے اور ہمارے درمیان کئی لیگ تک سمندر کروٹیں بدل رہا تھا اور ہم اسے سر کر عبور نہ کر سکتے تھے اور نہ ہی اسے عبور کرنے کے لئے ہم کشتی بنا سکتے تھے کیونکہ کشتی بنانے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس جزیرے پر تھی ہی نہیں۔

"جب تک ہم مر نہیں جاتے ہمیں یہیں رہنا ہے" آخر کار میں انتہائی مایوسی کے عالم میں چیخ اٹھا۔ "نہیں" کاری نے کہا "ہمارے دیوتا اب بھی ہمارے ساتھ ہیں اور وہ ہمیں بچائیں گے"۔

اور ایسا ہی ہوا۔ ہمارے "دیوتاؤں" نے ہمیں عجیب طریقے سے بچایا۔

تیسرا باب (۳)

دختر ماہتاب

اس ویران اور سنگستانی جزیرے پر ہمیں پہونچے یہ تھا مہینہ تھا اور چوتھی دفعہ حیرت انگیز طور پر شفاف اور نیلے آسمان میں پورا چاند طلوع ہو رہا تھا۔ میں اور کاری اسے دو برف پوش چوٹیوں کے درمیان سے ابھرتے دیکھ رہے تھے۔ یہ ان پہاڑوں کی چوٹیاں تھیں جنھیں کاری نے اپنے وطن کا دروازہ کہا تھا جو ہم سے قریب ہوتے ہوئے بھی خود آسمان سے زیادہ دور تھے۔ موت کے پروں پر سوار ہو کر آسمان تک پہونچنے کی تو امید تھی لیکن اس ملک تک پہنچنے کی کوئی امید نہ تھی۔

ہم بیٹھے پورے چاند کو بادل کے ایک نیلے زینے اونچے زینے پر آہستہ آہستہ چڑھتے دیکھ رہے تھے اور پھر تھک کر اس سیمیں راستے کی طرف دیکھنے لگے جو اس کی کرنوں نے کالے سمندر کے سینے پر بنا دیا تھا۔ یکایک کاری چونکا اور غور سے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے کاری؟" میں نے بے تعلقی سے پوچھا۔

"میرے خیال میں ــــ میں نے کوئی چیز دیکھی ہے" وہ بولا۔

"کہاں؟"

"وہاں ــــ جہاں قیولا کے قدموں نے پانی کو روشن کر رکھا ہے"

"قیولا!" میں نے کہا "اوہ ــــ ہاں ــــ یاد آیا ــــ تمھاری بولی میں یہ خاتون ماہتاب کا نام ہے ــــ خوش آمدید قیولا اور میں تم سے شادی کروں گا۔ اور تمھاری پرستش کروں گا اور کہتے ہیں کہ زمانۂ قدیم کے لوگ تیری پرستش

کرتے تھے ۔۔ ہاں میں بھی تیری پرستش کروں گا اور پھر کسی پر نگاہ نہ ڈالوں گا چاہے وہ عورت ہو، حور ہو، یا دیوی ہو۔ بس تو آکر مجھے اس منحوس جزیرے پرسے لے جا اور اس کے عوض میں اپنی جان تیرے سپرد کردوں گا۔"

"ہشت ۔۔ خاموش" کارِی نے سرگوشی میں کہا۔ غالباً وہ میری اس بکواس سے پریشان ہوگیا تھا جو انتہائی مایوسی کے عالم میں میرے منہ سے بے ساختہ نکلی تھی۔

"کیوں خاموش رہوں؟" میں نے پوچھا "کس قدر فرحت بخش اور امید افزا خیال ہے یہ کہ چاند خوبصورت عورت کے روپ میں ایک تنہا شخص کو پیار اور سکون دینے کی غرض سے زمین پر آجائے۔"

"اس لئے آقا کہ میرے اور میرے لوگوں کے لئے چاند دیوی ہے جو ہم انسانوں کی پکار اور دعائیں سنتی اور قبول کرتی ہے۔ اب فرض کرو کہ اس نے تمہاری دعا سن لی اور قبول بھی کرلی اور پھر وہ زمین پر آگئی اور تمہاری محبت طلب کی تو؟"

"بھئی چاند میرے لئے تو مذکر ہے لیکن اگر ایسا ہوا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو" میں نے بکواس جاری رکھی "تو پھر میں اس خاتون کو خوش آمدید کہوں گا۔ کہتے ہیں کہ مرد پیار کرتا ہے اور عورت اس پیار کو قبول کرتی ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مرد پیار کا انتظار کرتا ہے اور جتنا پیار اسے ملتا ہے اتنا ہی وہ لوٹاتا ہے، اس سے نہ کم اور نہ زیادہ، ایک ایماندار تاجر کی طرح لیکن اگر وہ حماقت کرکے زیادہ پیار دے دیتا ہے تو پھر اس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑتا ہے جیسا کہ میرا تجربہ ہے۔ چنانچہ آؤ قبولا اور اپنا پیار مجھے دو اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں جسمانی طور پر اور روحانی طور پر تمہارے ساتھ رہوں گا اور تمہارے ساتھ ساتھ چلوں گا۔ پھر چاہے تم مجھے جہنم میں لے جاؤ چاہے جنت میں کیونکہ مجھے پیار چاہئے یا پھر موت۔"

"آقا! میں پھر کہتا ہوں کہ ایسی باتیں نہ کہو" کارتی نے خوفزدہ آواز میں کہا "کیونکہ یہ الفاظ تمہارے دل سے نکلتے ہیں اور دل سے جو دعا نکلتی ہے سنی جاتی ہے اور قبول کی جاتی ہے۔ دیوی بھی عورت ہی ہے اور کون عورت ہوگی جو ایسے لالچ میں نہ آجائے؟"

"تو پھر اسے سننے اور قبول کرنے دو۔ کیا ہرج ہے اس میں؟"

"اس لئے میرے دوست کہ تیولا کی شادی یوٹی سے ہو چکی ہے۔ چاند سورج کی بیوی ہے اور اگر سورج کو حسد آگیا تو اس آدمی کا انجام کیا ہوگا جس نے سب سے بڑے دیوتا کی بیوی کو اس سے چھین لیا ہو؟"

"میں نہیں جانتا اور نہ ہی مجھے اس کی پرواہ ہے۔ اگر تیولا آئی اور اس نے مجھے پیار دیا تو پھر میں یوٹی سے نپٹ لوں گا"

میرے اس کفر کے کلمہ پر کارتی کانپ گیا۔ اس نے ایک بار پھر سطح آب پر کے سیمیں راستے کی طرف دیکھا۔ وہ مچھلی یا کسی درخت کا تنہ یا جو کچھ بھی وہ تھا جسے کارتی نے دیکھا تھا اب وہاں نہ تھا چنانچہ اب وہ روح کائنات یا چانگ با دیوتائے عالم سورج کو یاد کرنے اور دعائیں مانگنے لگا اور پھر کھالوں میں اپنے آپ کو لپیٹ کر سونے کے لئے جھونپڑی کے اندر گھس گیا۔

لیکن میری نیند کوسوں دور تھی ہر چند کہ کارتی پیار اور عورت، دونوں سے ہی نفرت کرتا تھا لیکن اس کی باتوں نے میرے خون میں گرمی پیدا کر دی تھی اور میری نیند اڑا دی تھی اور کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو میں نے کنگھی اٹھائی جو میں نے کچھوے کے خول سے بنائی تھی اور اپنی داڑھی میں پھیرنے لگا جو اب میرے سینے تک آگئی تھی۔ پھر اپنے بالوں میں پھیرنے لگا۔ میرے بال بھی اب شانوں تک آگئے تھے اور اس اجنبی سرزمین میں آکر میری بھی ظاہری صورت

یہاں کے وحشی باشندوں جیسی ہی ہوگئی تھی۔ اور اس الاؤ کے قریب بیٹھ کر ہم جسے دن رات سلگا رکھتے تھے، میں ایک گیت گانے اور اپنے گزرے ہوئے خوشگوار دنوں کو یاد کرنے لگا۔

آخرکار یہ دورہ گزر گیا اور مجھے شدید تھکن کا احساس ہوا چنانچہ میں الاؤ کے قریب ہی لیٹ گیا کیونکہ رات گرم تھی اور جھونپڑی میں دم گھٹتا تھا۔ پتہ نہیں کب میں سو گیا۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بے حد خوبصورت عورت، جس کے برہنہ سینے پر چاند کا چمکدار تعویذ لٹک رہا تھا میرے قریب کھڑی اپنی خوبصورت کالی آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میری طرف یوں دیکھتے ہوئے اس نے تین دفعہ آہیں بھریں۔ پھر وہ میرے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی ۔۔ کم سے کم خواب میں مجھے ایسا ہی معلوم ہوا ۔۔ اور اپنے کالے ریشمی بالوں کی ایک لٹ میرے سنہرے بالوں کے قریب لے آئی جیسے وہ اپنے اور میرے بالوں کا موازنہ کر رہی ہو۔۔ بلکہ اس نے کچھ اور بھی کیا۔ اس نے یہی لٹ اٹھا کر میرے چہرے اور منہ پر پھیلا دی اور پھر اسے چوم لیا کیونکہ بالوں کے آر پار میں اس کے سانس کی خوشبو محسوس کر رہا تھا۔

اور یوں یہ خواب ختم ہوا حالانکہ میں چاہتا تھا کہ یہ خواب ابھی ختم نہ ہو اس کے فوراً بعد ایک دم سے میری نیند ہوشیار ہو گئی۔ اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔۔ اور وہاں ۔۔۔ میرے قریب ہی، چھٹکی ہوئی چاندنی میں، میرے خواب کی دیوی کھڑی ہوئی تھی البتہ اب اس کا برہنہ سینہ نہایت ہی خوبصورت چینے سے ڈھکا ہوا تھا، جس کے کناروں پر چاندی کی جھالر تھی اور اس کے کالے بالوں پر پردہ

کی ٹوپی تھی جس پر چاندی کا ہلال جگمگا رہا تھا۔ اور اس دیوی کے ہاتھ میں چاندی کا ہی ایک چھوٹا سا بھالا تھا۔

"میں پڑے پڑے اس کی طرف دیکھنے لگا کیونکہ میں ہلنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور تب مجھے کاری کے ساتھ اپنی احمقانہ بکواس یاد آئی اور میں نے آہستہ سے ایک لفظ، صرف ایک لفظ کہا۔

"قیولا!"

اس نے اپنا سر ذرا سا جھکا دیا اور ایسی آواز میں جواب دیا جو نرسلوں میں بہتی ہوئی ہوا کی سی تھی اور اس نے جس زبان میں جواب دیا وہ وہی تھی جو کاری نے مجھے سکھائی تھی اور جو کو نجا کہلاتی تھی۔ میں کہہ چکا کہ مشق کے لئے پورے سفر میں اور جزیرے پر میں اور کاری اسی زبان میں باتیں کیا کرتے تھے چنانچہ یہ زبان اب میں آسانی سے سمجھ لیتا اور روانی سے بول لیتا تھا۔

"بے شک۔ یہی میرا نام ہے جو میری ماں چاند کے نام پر رکھا گیا ہے" وہ بولی "لیکن اے اجنبی! تمھیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟ ہاں اجنبی کہ تمھاری کھال سمندر کے جھاگ کی طرح سفید اور بال مندر میں رکھے ہوئے سونے کی طرح زرد ہیں"

"میرے خیال میں خود تم نے اس وقت میرے کان میں کہا تھا جب مجھ پر جھکی ہوئی تھیں" میں نے کہا۔

اس کے رخسار سرخ ہو گئے لیکن اس نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا:۔

"نہیں۔ میری ماں چاند نے تمھیں بتایا ہو گا۔ یا شاید روحانی طور سے تم نے معلوم کیا ہو گا۔ بہر حال قیولا ہی میرا نام ہے"

میں ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا کیونکہ

یہ معاملہ یا اتفاق حقیقت میں حیرت انگیز تھا اور وہ بھی میری طرف دیکھ رہی تھی وہ حیرت انگیز حد تک حسین تھی۔ اور اس کا رنگ مقامی باشندوں سے زیادہ کھلتا ہوا تھا اور وہ اپنے چمکدار چغہ اور پروں کی ٹوپی میں اور بھی زیادہ دل لوٹ لینے والی معلوم ہوتی تھی۔ اس کا قد بھی لمبا تھا، جسم سڈول اور تیر کی طرح سیدھا، سینہ ابھرا ہوا اور جلت پھرت میں پرواز کرتے ہوئے عقاب کی سی تیزی اور نزاکت اس کے علاوہ اس کے حسین چہرے پر دیوں کا سا تقدس بھی تھا یا شاید مجھے ایسا معلوم ہوا۔

میرے خیال میں یہ تو وہ عورت تھی جس کے انسانی خون میں کسی غیر ارضی خون کی ملاوٹ تھی جیسا کہ خود اس نے کہا تھا کہ وہ دختر ماہتاب ہے۔

ایک سوال میری زبان پر آیا اور میں اپنے آپ کو روک نہ سکا۔

"یہ بتاؤ تیولا کہ تم بیوی ہو یا دوشیزہ؟"

"میں دوشیزہ ہوں" اس نے جواب دیا "لیکن وہ دوشیزہ جسے زوجیت میں دینے کا وعدہ کیا جا چکا ہے" اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور جلدی سے، جیسے وہ یہ موضوع چھیڑنا نہیں چاہتی، پوچھا "اب بتاؤ اجنبی کہ تم کون ہو؟ انسان یا دیوتا؟"

اور اب مجھے شرارت سوجھی اور میں نے کہا:۔

"میں پسر آفتاب ہوں جس طرح کہ تم دختر ماہتاب ہو"

اس نے سر گھما کر اس چاندنی کی طرف دیکھا جو سطح سمندر پر لیٹی ہوئی تھی اور پھر جیسے اپنے آپ سے کہا:۔

"چاند سمندر پر جھک رہا ہے اور سمندر اسے آئینہ دکھاتا ہے اس کے باوجود دونوں ایک دوسرے سے بہت دور ہیں اور کبھی ایک دوسرے کے قریب نہ آئیں گے

"ایسی بات نہیں ہے قیولا۔ سمندر ہی سے چاند طلوع ہوتا ہے اور اپنی منزلیں طے کرنے کے بعد اسی کی باہوں میں جا سوتا ہے۔"

ایک بار پھر اس کے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی اور اس نے نظریں جھکا لیں "معلوم ہوتا ہے سمندر والے ہماری زبان بولتے ہیں اور اچھی طرح سے بولتے ہیں" وہ آہستہ سے بولی اور پوچھا "لیکن چاند آسمان سے طلوع اور آسمان میں ہی غروب نہیں ہوتا؟"

اور یہاں ہماری گفتگو ختم ہو گئی کیونکہ عین اس وقت کاری جھونپڑی سے باہر آیا اور اب وہ اپنے وحشیانہ وقار سے کھڑا کبھی میری طرف اور کبھی قیولا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا کہا تھا میں نے آقا؟" اس نے انگریزی میں کہا "میں نے نہیں کہا تھا کہ دل سے نکلی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے؟ دیکھو! تمہارے سامنے چاندکی وہی بیٹی کھڑی ہوئی ہے۔ جس کی تمھیں تلاش تھی۔ حسن کے لباس میں ملبوس وہ تمھارے لئے پیار اور غم کا تحفہ لائی ہے۔"

"ہاں!" میں نے کہا "اور میں خوش ہوں کہ وہ آ گئی۔ رہی دوسری بات تو اس کا تو یہ ہے کہ اگر یہ میری ہو گئی تو اس کے عوض میں اپنا سب کچھ لٹا دوں گا۔"

قیولا کاری کی طرف گھور کر دیکھ رہی تھی۔ اور اس نے اپنا چاندی کا بھالا یوں اوپر اٹھا لیا تھا جیسے کاری پر وار کرنا چاہتی ہو۔

"تو سمندر میری قوم کے مرد بھی پیدا کرتا ہے" اس نے کاری کو مخاطب کیا "یہ بتاؤ اجنبی کہ تم اور یہ سفید فام دیوتا اس جزیرے پر کس طرح آ گئے؟"

"سمندر کی موجوں پر سوار ہو کر ہزاروں لیگ دور سے آئے ہیں"
کاری نے جواب دیا "اور خاتون! تم اس جزیرے میں کیسے آگئیں؟"
"چاند کی شعاعوں پر سوار ہو کر" اس نے مسکرا کر جواب دیا "کیونکہ میں دختر ماہتاب ہوں اور میرا نام چاند ہے اور اس کی علامت میرے ماتھے پر چمک رہی ہے۔"
"میں نے کہا نہیں تھا تم سے" کاری نے قدرے اداس ہو کر کہا۔
پھر قیولا نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:
"اے اجنبیو! میں اپنی دو خادماؤں کے ساتھ مچھلیوں کے شکار کو نکلی تھی اور ہماری کشتی ساحل سے دور بہہ آئی۔ سورج غروب ہو رہا تھا جب میں نے تمھارے الاؤ کا دھواں دیکھا۔ میں نے سنا تھا کہ یہ جزیرہ غیرآباد ہے چنانچہ یہ معلوم کرنے کے لئے میں بے چین ہو گئی کہ یہ آگ کس نے جلائی ہے؟ حالانکہ میری خادمائیں خوفزدہ تھیں میں کشتی اس جزیرے تک لے آئی اور اس کے بعد کے واقعات سے تم واقف ہی ہو۔"
"سنو! اب میں اپنا تعارف کراتی ہوں۔ میں چانکا لوگوں کے بادشاہ ہوراکا کی اکلوتی بیٹی ہوں اور اس کی بیوی کے بطن سے ہوں اور میری ماں صحیح النسب انکا شہزادی تھی جو اب اپنے باپ سورج کے پاس چلی گئی ہے۔ میں یہاں اپنے ماں کے ایک عزیز سے ملنے آئی ہوں جس کا نام کوساماتکو ہے اور ساحلی علاقے کے قبیلے یونکا کا سردار ہے۔ میرے باپ بادشاہ نے کوساماتکو کے پاس کسی معاملے کے لئے، جس سے میں واقف نہیں، وفد بھیجا ہے۔ ان پہاڑوں کے پیچھے میرا بالسا ہے اور اس میں میری دو خادمائیں بیٹھی میرا انتظار کر رہی ہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ تم اس جزیرے میں

ہی رہنا چاہتے ہو یا واپس سمندر میں لوٹ جانا چاہتے ہو یا میرے ساتھ کوسا مانگو کی بستی میں چلنا پسند کرو گے ؟ اگر میرے ساتھ چلنا ہے تو ہمیں فوراً روانہ ہو جانا چاہیئے مبادا موسم خراب ہو جائے اور ہم غرق ہو جائیں "

" بے شک میں تمہارے ساتھ چلوں گا خاتون ۔ لیکن غرق ہونے کا سوال میرے لئے تو پیدا ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ سمندر کا دیوتا غرق ہو ہی نہیں سکتا " اس سے پہلے کہ کاری کچھ کہتا میں نے جلدی سے جواب دیا ۔

کاری خاموش ہی رہا ۔ اس نے اپنے شانے اچکائے اور ایک گہرا سانس لیا ۔ اس شخص کی طرح جو مقدر کا کوئی برا تحفہ قبول کر لیتا ہے کیونکہ اس کے علاوہ اس کے لئے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا ۔

" ٹھیک ہے " تیوولا نے کہا " اچھا تو اب میں بالسا تیار کرنے اور اپنی خادماؤں کو مطلع کرنے جا رہی ہوں مبادا وہ خوفزدہ ہو جائیں ۔ جب تم تیار ہو جاؤ تو اس طرف آ جاؤ ۔ ان چٹانوں کے پیچھے تم ہمیں اپنا منتظر پاؤ گے "

پھر وہ بڑے وقار سے میرے سامنے جھک کر رخصت ہوئی اور جب وہ جا رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ اس کی چال پروقار اور ہرن کی طرح سبک تھی ۔

اپنی جھونپڑی میں سے میں نے اپنی زرہ نکالی اور کاری کی مدد سے پہن لی ۔ کیونکہ اس نے کہا کہ اس طرح زرہ کو اٹھانا نہ پڑے گا حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس نے کسی اور ہی مقصد سے مجھے زرہ پہنائی تھی ۔

" ہاں " میں نے جواب دیا " لیکن اگر بالسا الٹ گیا تو میں اس بوجھل زرہ کی وجہ سے تیر نہ سکوں گا "

" بالسا الٹے گا نہیں "

"یہ تم ایسے یقین سے کس طرح کہہ رہے ہو؟"

"اس لئے کہ وہ چاند کے سائے میں رہے گا اور خود چاند کی بیٹی اسے کھے رہی ہو گی" اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔"البتہ اس وقت اگر سورج روشن ہوتا تو بات دوسری تھی۔ اس کے علاوہ جال میں پھنسنے کا راستہ ہمیشہ چوڑا اور آسان ہوتا ہے۔"

"کون سا جال؟"

"وہی جو عورت کے نرم اور ریشمی بالوں کا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ایسا پھندا تمہارے گلے میں پڑ چکا ہے آقا اور اب اگر دوسری دفعہ پڑا تو تم اس سے کوئی خلاصی حاصل نہ کر سکو گے۔ اچھا اب میری بات سنو۔ دیوتاؤں نے ہمیں ایک عجیب معاملے میں پھنسا دیا ہے۔ یہ لیونکا لوگ، جن کے سردار کی یہ خاتون مہمان ہے، بڑے زبردست ہیں جنہیں میرے لوگوں نے جنگ میں شکست دی تھی لیکن یہ لوگ اسی وقت سے بغاوت کرنے کا، اگر انہوں نے اب تک نہیں کی ہے، موقع تلاش کر رہے تھے۔ چانکا لوگ یہ خاتون جن کے بادشاہ کی بیٹی ہے، اور بھی بڑے اور زبردست لوگ ہیں جو برسوں سے میرے لوگوں کو جنگ کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔"

"تو اس سے ہمیں کیا کام؟ ان واقعات سے اس خاتون کا کوئی واسطہ نہیں۔"

"میرے خیال میں اس کا تعلق ہے اور گہرا تعلق ہے۔ میرے خیال میں وہ بہت کچھ جانتی ہے حالانکہ ظاہر نہیں کر رہی ہے اور یہ کہ وہ چانکا کی طرف سے سفیر بن کر لیونکا کے پاس آئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ابھی کی منگنی کس سے ہوئی ہے؟ خیر۔ یہ تو ہمیں وقت آنے پر معلوم ہو ہی جائے گا۔

تب تک، میری تم سے درخواست ہے آقا، تم یہ نہ بھولنا کہ خود اس نے کہا ہے کہ وہ کسی سے منسوب ہے اور یہ کہ اس سرزمین کے لوگوں میں رشک و رقابت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے پھر ان کا حریف چاہے سفید فام دیوتا ہی کیوں نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ یاد رکھوں گا" میں نے تلخی سے جواب دیا "ایسی منسوب عورت کو اپنی بنا کر میں سبق حاصل کر چکا ہوں۔"

"آج رات تم نے چاند سے جو دعا مانگی تھی اور اس نے جس طرح فوراً قبول کر لی اس کے پیشِ نظر میں سمجھتا ہوں کہ یہ سبق مکمل نہیں ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دخترِ ماہتاب خوبصورت ہے اور شاید اس نے اپنے منگیتر کو اپنا ہاتھ دیا ہے دل نہیں۔ ہاں اور سنو آقا۔ میں کون ہوں اور کیا ہوں اس کے متعلق ان لوگوں سے کچھ نہ کہنا۔ میرے متعلق بھولے سے بھی ایک لفظ نہ کہنا۔ صرف یہ کہنا کہ جب تم سمندر سے باہر آئے تو تم نے مجھے اس ویران جزیرے میں راہبانہ زندگی گزارتے پایا۔ رہا میرا نام تو کہنا کہ وہ زیاٰنہ ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اگر تم نے میری سرگزشت یا میری حیثیت کے متعلق کسی سے، چاہے وہ خوبصورت آنکھوں اور کھلتی رنگت والی حسینہ ہی کیوں نہ ہو، ایک لفظ بھی کہا تو پھر میں مارا جاؤں گا اور اب میں مرنا نہیں چاہتا کیونکہ اب مجھے ایک انتقام لینا ہے اور اپنا تخت حاصل کرنا ہے" چنانچہ آقا اب مجھے ایک حقیر کتا سمجھو اور خواب میں بھی میرے متعلق نہ کچھ سوچنا اور نہ کچھ کہنا۔"

"اچھی بات ہے۔ یاد رکھوں گا کارتی"

"نہیں یہ کافی نہیں ہے"

"قسم کھاؤ۔"

"میں چاند کی قسم کھاتا ہوں۔"

"نہیں چاند کی نہیں کیونکہ چاند عورت ہے اور عورت متلون مزاج ہوتی ہے۔ اس کی قسم کھاؤ" اور اس نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر یاچانگ کا سنہرا بت برآمد کیا "روح کائنات کی قسم کھاؤ۔ جس کے سامنے چاند سورج اور ستارے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اور یہ وہ روح ہے جس کی پرستش، ایک یا دوسرے نام سے، اور ایک یا دوسرے روپ میں، دنیا کے سارے انسان کرتے ہیں۔"

چنانچہ اسے خوش کرنے کے لئے میں نے اپنا ہاتھ سنہرے بت پر رکھ کر قسم کھائی۔ اس کے بعد ہم نے ایک کہانی گڑھی کہ کس طرح میں زرہ ملبوس سمندر سے نکل کر جزیرے پر آیا اور کارنی نے مجھے پہچان لیا کہ میں وہی سفید فام دیوتا ہوں جو صدیوں پہلے اس سرزمین میں آیا تھا اور یہ کہ اسی دیوتا کی دوبارہ آمد کی پیشین گوئیاں صدیوں سے کی جا رہی تھیں چنانچہ اس نے، کارنی نے میری پرستش کی اور اپنے آپ کو میری غلامی میں دے دیا۔

اس طرف سے اپنا اطمینان کر کے ہم نے اپنا تھوڑا سا سامان، جس میں ڈیلے رائے کی تلوار بھی تھی، اٹھایا اور اس چٹان کی طرف چل دئے جس کے دوسری طرف فیولا کا بالسا تھا۔ بالسا ساحل کی ریت پر کھینچ لیا گیا تھا۔ اور اس کے قریب فیولا منتظر کھڑی تھی۔ اس نے اپنا فوق البھڑک خیمہ اتار لیا تھا اور وہ مچھلیاں پکڑنے والی کے اسی لباس میں تھی جس میں میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ دو دوسری بلند قامت لڑکیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ انھوں نے بھی ایسا ہی ناکافی لباس پہن رکھا تھا۔ جب انھوں نے مجھے چمکدار زرہ پہنے، کمر سے شعلہ بار لگائے، سر پر خود اور ہاتھ میں کالی

بڑی کمان لیے دیکھا تو ان کے منہ سے خوف کی چیخ نکل گئی اور وہ دونوں فوراً ہی میرے سامنے سجدے میں گر گئیں حتیٰ کہ قیولا بھی چونک کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی اور اپنی کشتی کی طرف دیکھنے لگی۔

"ڈرو نہیں" میں نے کہا "دیوتا ان پر اپنی رحمتیں نازل کرتے ہیں جو ان کی خدمت کرتے ہیں اور ان پر قہر نازل کرتے ہیں جو ان کو ناراض کرتے ہیں۔"

کارتی ان دونوں لڑکیوں کے قریب پہونچا اور ان کے کانوں میں پتہ نہیں کیا کہا۔ بہر حال وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئیں حالانکہ اب بھی کانپ رہی تھیں۔ انھوں نے مجھے اشارے سے بالسا میں بیٹھ جانے کو کہا۔ اور جب میں سوار ہوگیا تو انھوں نے کارتی کی مدد سے بالسا کو سمندر میں ڈھکیل دیا اور میں نے دیکھا کہ بالسا مضبوط تھا اور آرام دہ بھی۔ پھر وہ بھی یکے بعد دیگرے اس میں سوار ہوگئیں۔ قیولا نے سکان سنبھال لیا، کارتی اور خادماؤں نے مل کر چھوٹا سا بادبان کھولا اور پھر وہ بالسا کو کھیتے ہوئے جزیرے سے دور لے آئے۔ اور اب ہم اطمینان سے براعظم کی طرف جا رہے تھے۔

میں بالسا کے ماتھے پر اور قیولا اس کے آخری سرے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اور ہمارے درمیان دونوں خادمائیں اور کارتی حائل تھا چنانچہ اس سے میں بات چیت نہ کر سکا۔ اس کے علاوہ میں نے یہ عجیب بات دیکھی کہ جب بھی میں قیولا کی طرف دیکھتا کارتی میری نظروں اور قیولا کے درمیان حائل ہو جاتا۔

یوں طویل گھنٹے گزرتے رہے اور جب ہم براعظم کے قریب پہونچے تو چاند غروب ہو گیا اور ہمارا سفر دھندلکے میں جاری رہا اور پھر پو پھٹی اور ہم نے خوبصورت ساحل دیکھا جو سرسبز اور شاداب تھا اور برف پوش پہاڑوں کے درمیان جیسے نگینے کی

طرح جڑا ہوا تھا۔ ان میں کے دو دو بلند پہاڑ تھے جو ہم نے دور سے دیکھے تھے۔

ساحل پر چپٹی چھتوں والی اور سفید عمارتوں کا شہر تھا اور اس کے پیچھے سمندر سے کوئی نصف میل دور ایک ٹیلا تھا جو چار یا پانچ سو فٹ بلند تھا اور اسے اوپر سے چپٹا بنایا گیا تھا۔ اور زینہ دار تھا۔ اس ٹیلے کی چوٹی پر ایک عظیم الشان عمارت کھڑی تھی جو سرخ تھی اور وضع قطع سے ان لوگوں کی عبادت گاہ معلوم ہوتی تھی۔ اس عمارت کے بیچ میں زبردست دروازے چمک رہے تھے جن پر جیسا کہ بعد میں مجھے معلوم ہوا، سونے کے پتر چڑھے ہوئے تھے۔

"دیکھو آقا! پاچاماک کا مندر" کاری نے میرے کان میں کہا اور سر جھکا کر ہوا میں بوسہ لیا۔

اس عرصے میں ان لوگوں نے، جنھیں قیولا کی کشتی کی تلاش کے لئے ساحل پر متعین کیا گیا تھا، ہماری کشتی دیکھ لی۔ وہ لوگ چلائے اور میری طرف اشارے کرنے لگے۔ کہ میں کشتی کے ماتھے پر بیٹھا ہوا تھا اور میری زرہ صبح کے سورج کی شعاعوں میں چمک رہی تھی۔ وہ لوگ غالباً خوف یا شاید جوش کے عالم میں ادھر ادھر بھاگ پڑے اور جب ہم کنارے پر پہونچے ہیں تو وہاں لوگوں کی بھیڑ جمع ہو چکی تھی۔ اس عرصے میں قیولا اپنا فوق البھڑک جبہ پہن چکی تھی اور سر پر پروں کی ٹوپی رکھ چکی تھی۔ کشتی ساحل سے لگی۔ تو قیولا اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آئی اور رات بھر کے سفر میں اب پہلی دفعہ اس نے مجھے مخاطب کیا:۔

"آقا! تم یہیں بالسا میں بیٹھے رہو۔ میں جا کر ان لوگوں سے بات کرتی ہوں۔ جب میں کہوں تو کنارے پر تشریف لے آنا۔ تم بے فکر رہو۔ ان لوگوں سے تمھیں کوئی نقصان نہ پہونچے گا۔"

اور پھر وہ ساحل پر کود گئی۔ اس کی دونوں خادماؤں نے اس کی تقلید کی

اور بالسا کو ساحل پر گھسیٹ لیا۔ قیولا ان سفید پوش آدمیوں کی طرف بڑھی جو جھیل میں کھڑے ہوئے تھے چند لمحوں تک وہ سفید پوشوں سے کچھ کہتی اور بار بار گھوم کر میری طرف اشارے کرتی رہی۔ آخر کار یہ لوگ، چند دوسرے آدمیوں کے ساتھ بھاگ کر میری طرف آئے۔ میں نے سوچا کہ یہ لوگ مجھ پر حملہ کرنے والے ہیں لیکن پھر قیولا کی ہدایت یاد کر کے میں اپنی جگہ پر بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

اور واقعی میرا خوف بے بنیاد تھا۔ کیونکہ یہ سفید لبادوں میں ملبوس سردار یا مہنت اور ان کے ساتھی میرے قریب آئے تو ایک دم سے سجدے میں گر گئے اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ بھی مجھے دیوتا یقین کر رہے تھے۔ چنانچہ جواب میں میں بھی ان کے سامنے ذرا سا جھک گیا اور اپنی تلوار گھسیٹ لی تلوار دیکھتے ہی وہ لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ اور خوف و حیرت سے اس عجیب و غریب ہتھیار کی طرف دیکھنے لگے۔ عجیب و غریب یوں کہ یہ لوگ فولاد سے واقف نہ تھے۔ اب میں نے تلوار والا ہاتھ آگے بڑھا دیا، میرے دوسرے ہاتھ میں ڈھال تھی اور بائیں بازو سے ترکش لٹک رہا تھا جس میں تین تیر تھے۔

اب وہ لوگ سجدے میں سے اٹھے اور ان میں سے چند، جو میرے خیال میں کٹر مذہبی تھے، بالسا کے قریب آئے اور دفعتہً اپنے شانوں پر اٹھا لیا۔ اور اب یہ جلوس یوں چلا کہ آگے آگے سفید پوش سردار اور ان کے پیچھے وہ تھے جو بالسا اٹھائے ہوئے تھے اور بالسا میں میں بیٹھا ہوا تھا اور میرے پیچھے کاری جیسے دبکا ہوا تھا۔ یہ منظر کچھ ایسا عجیب اور مضحکہ خیز تھا کہ میں بے تحاشہ ہنس پڑا اور سوچنے لگا کہ لندن کے تاجر اگر مجھے اس شان میں دیکھیں تو کیا کہیں۔

"کارکی!" میں نے اس کی طرف سر گھمائے بغیر کہا "یہ لوگ کیا سلوک کریں گے ہمارے ساتھ؛ ہماری پرستش کرنے کے لئے اس عظیم الشان مندر میں بٹھا دیں گے اور کھانے کو کچھ نہ دیں گے؟"

"میرے خیال میں ایسا تو نہ ہوگا آقا" وہ بولا "کیونکہ اس صورت میں خاتون قیولا ہم سے بات چیت نہ کرسکے گی نہ آسکے گی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ ہمیں یہاں کے بادشاہ کے محل میں لے جائیں گے جہاں، میرا خیال ہے، خاتون قیولا مقیم ہے۔"

اور ہوا بھی ایسا ہی۔ ہمیں شہر کے خاص بازار میں سے، جہاں اب ہزاروں لوگ جمع تھے، لے جایا گیا۔ لوگ ان کے، جو بالسا اٹھائے ہوئے تھے، اوپر پھول ڈال رہے تھے اور میری طرف یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا دیدے ان کے حلقوں میں سے نکل آئیں گے۔ یہ لوگ ہمیں ایک بڑی عمارت کے سامنے لے آئے جس کے چاروں طرف دیوار تھی۔ انھوں نے پھاٹک میں پہونچ کر آہستہ سے بالسا زمین پر رکھ دیا خود الٹے قدموں پیچھے ہٹ گئے۔

اور اب عمارت کے دروازے میں سے قیولا باہر آئی۔ اس کے ساتھ ایک بلند قامت اور پر وقار شخص تھا جو عمدہ چغہ پہنے ہوئے تھا اور اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کی عورت تھی وہ بھی فوق البھڑک لباس میں ملبوس تھی۔

"اے آقا!" قیولا نے میرے سامنے جھک کر کہا "یہ ہیں میرے ننھیالی عزیز اور کوراکا (یہاں کے کم درجہ بادشاہ یا سردار کا لقب تھا)۔ یہ یونکا کے بادشاہ ہیں اور یہ ان کی بیوی ہیں میرا"

"سلام ہو تم پر اے دیوتائے بحر اور اے آقا" سردار کوسا مانکو نے کہا "سلام ہو تم پر چاندی میں لپٹے ہوئے سفید فام دیوتا، سلام ہو تم پر اے ہوراجی"

اس وقت تو میں سمجھ نہ سکا کہ کوسا مانگو نے مجھے " ہوراجی " کیوں کہا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ لقب مجھے ان تیروں کی وجہ سے دیا گیا تھا جو میری ڈھال پر بنے ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کی زبان میں تیر کو ہوراجی کہتے تھے۔ بہر حال اسی وقت اور اسی دن سے میں اس پورے ملک میں ہوراجی کے لقب سے مشہور ہو گیا حالانکہ مجھے مخاطب تو " دیوتائے بحر " یا " آقائے بحر " کہہ کر کیا جاتا تھا۔

وہ لوگ مجھے ایک بڑے کمرے میں لے آئے جو میرے قیام کے لئے بڑی عجلت اور افراتفری میں تیار کیا گیا تھا اور اس کی دیواروں پر زردوزی پردے لٹکا دئے گئے تھے۔

مجھے ایک منقش تپائی پر بٹھا دیا گیا اور فوراً ہی تیولا اور دوسری عورتیں میرے لئے کھانا اور ایک نشہ آور مشروب، جسے یہ لوگ " چکا " کہتے تھے، لے آئیں پچھلے کئی مہینوں سے مجھے صرف پانی پینے کو ملا تھا۔ اب یہ چکا مجھے بے حد فرحت بخش معلوم ہوا۔

کھانا سونے چاندی کی طشتریوں اور قابوں میں پیش کیا گیا تھا اور جام بھی سونے کے تھے اور عجیب ساخت کے تھے۔ بہر حال اس سے میں نے سمجھ لیا کہ قسمت نے مجھے دنیا کی امیر ترین سرزمین میں پہونچا دیا ہے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ سونے اور چاندی کی یہاں کوئی قیمت نہ تھی اور جتنا بھی سونا اور چاندی دستیاب ہوتا تھا سب کا سب زیورات بنانے یا مندروں اور انکا کے محلوں کی سجاوٹ میں لگا دیا جاتا تھا۔

انکا یہاں کے بادشاہوں کا لقب تھا۔

چوتھا باب (۴)

رمیاک کی پیشنگوئی

کوسا نانکو کے شہر میں میرا قیام سات دنوں تک رہا۔ اس عرصے میں میں بہت کم باہر نکلا۔ کیونکہ جب بھی میں باہر نکلتا لوگ میری طرف دوڑ پڑتے، سجدے کرتے اور میری طرف دیکھنے لگتے اور دیکھا ہی کرتے۔ مکان کے عقب میں خوبصورت باغ جس کے چاروں طرف اینٹوں کی بلند دیوار بنی ہوئی تھی۔ اسی باغ میں میرا زیادہ تر وقت گزرتا اور یہیں شہر کے "بزرگ" اور "بڑے" مجھ سے ملنے آتے اور میرے لئے چھنے، سونے کے ظروف اور پتہ نہیں کیا کچھ تحفے لاتے ان سب کو میں ایک ہی داستان سناتا بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ کارتی سناتا۔ یعنی یہ کہ میں سمندر سے نکل کر جزیرے پر آیا اور اسے، یعنی زیانہ کو دجو، جیسا کہ ہم نے طے کیا تھا کہ کارتی کا فرضی نام ہے) اس غیر آباد جزیرے پر راہبانہ زندگی گزارتے پایا۔ سب سے بڑی بات تو یہ کہ ان لوگوں نے میری اس من گھڑت داستان پر آمنا و صدقنا کہا اور اس پر یقین کیا۔

اسی باغ میں وقتاً فوقتاً فیولا بھی میرے پاس پھولوں کا تحفہ لے کر آتی اور تب ہم تنہائی میں باتیں کرتے۔ وہ ایک نیچی تپائی پر بیٹھ کر میری طرف یوں دیکھتی جیسے میرے باطن کا جائزہ لے رہی ہو۔ ایک دن اس نے مجھ سے کہا:۔

"یہ بتاؤ آقا کہ تم کون ہو؟ انسان یا دیوتا؟"

"دیوتا کیا ہوتا ہے فیولا؟" میں نے پوچھا

"دیوتا وہ ہوتا ہے جس کی پوجا کی جاتی ہے اور جس سے محبت کی جاتی ہے۔"

"تو کیا مرد کی پوجا اور اس سے محبت کبھی نہیں کی گئی قیولا؟ مثلاً یہ کہ تمھاری شادی ہونے والی ہے اور یقیناً تم اس کی پوجا کرتی ہو گی اور اس سے محبت کرتی ہو گی جس سے تم منسوب ہو اور جو مستقبل قریب میں تمھارا شوہر بنے گا۔"

میں نے دیکھا کہ وہ کانپ گئی اور پھر اس نے جواب دیا:-

"نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔"

"پھر؟"

"میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔"

"تو پھر تم اس سے شادی کیوں کر رہی ہو؟ کیا تمھیں اس کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے؟"

"نہیں آقا میں اپنی قوم کی بھلائی کے لئے اس سے شادی کر رہی ہوں۔ وہ میرے حسن اور میرے ورثہ کی خاطر مجھے حاصل کرنا چاہتا ہے اور اپنے حسن کے جال میں پھنسا کر میں اسے اس راستے پر لے آؤں گی جس پر میری قوم کے لوگ اسے چاہتے ہیں کہ ہو۔"

"یہ پرانی کہانی ہے قیولا۔ لیکن کیا تم اس کے ساتھ خوش رہو گی؟"

"نہیں آقا۔ میں اداس اور غمگین رہوں گی۔ لیکن اس سے کیا؟ میں عورت ہوں اور عورت کی قسمت میں یہی کچھ ہوتا ہے۔"

"مردوں اور دیوتاؤں کی طرح کبھی کبھی عورت کی بھی پرستش اور اس سے محبت کی جاتی ہے قیولا۔"

اس کے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی اور اس نے کہا:-

"ہا۔ آ۔ اگر ایسا ہوا تو پھر زندگی کچھ اور ہی ہو گی۔ لیکن اگر ایسا ہوا بھی اور اگر مجھے کوئی ایسا مرد مل بھی گیا جو میری پوجا کرے اور مجھ سے پیار

کرے، ایک سال کے لئے ہی سہی۔ تب بھی اس کا وقت اب گزر چکا ہے۔ اور اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میں اس قسم سے منسوب کی گئی ہوں جس کو توڑنا ممکن نہیں کیونکہ اس قسم کے توڑنے کا مطلب ہے اپنی قوم پر موت نازل کرنا!!

"کس سے منسوب ہو تم؟"

"اس سے جو سب سے بلند ہے"

"کوئی دیوتا ہے؟"

"ہاں۔ دیوتا جو اس سرزمین کا انکا بنے گا"

"تو انسان ہی ہے؟"

"لیکن اعلیٰ وارفع۔ پسر آفتاب"

"اور یہ دیوتا پسر آفتاب کیسا ہے؟

"دیو ہیکل اور سیاہ ہے یوں لوگ کہتے ہیں اس کا منہ بڑا ہے اور یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ پتھر دل اور ظالم ہے۔ وہ جھوٹا ہے، بے درد ہے، بے وفا ہے اور اس کے حرم میں اس کی عورتوں کا شمار نہیں اس کے باوجود اس کا باپ انکا ہے، اسے بہت چاہتا ہے اور اس کے بعد اور بہت جلد یہ پسر آفتاب بادشاہ، بن جائے گا"

"اور تم جو چاند کی طرح حسین ہو اور نازک ہو، اپنا جسم اور اپنی روح ایسے آدمی یا دیوتا یا جو بھی وہ ہے، کے سپرد کر دو گی؟"

اس کا چہرہ ایک بار پھر سرخ ہو گیا۔

"یہ میرے کانوں نے مجھے دھوکا تو نہیں دیا؟ کیا سفید فام دیوتا کے بجز مجھے چاند کی طرح حسین اور نازک کہہ رہا ہے؟"

"نہیں۔ تمھارے کانوں نے تمھیں دھوکا نہیں دیا"

"تو پھر میں دیوتائے بحر کا شکریہ ادا کرتی ہوں — اور کہتی ہوں کہ دیوتائے بحر ایک بات یاد رکھیں"

"کیا؟"

"یہی کہ ہمیشہ مکمل ترین اور حسین ترین کو ہی دیوتا پر بھینٹ چڑھانے کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ شروع سے ایسا ہوتا آیا ہے اور آخر تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔"

"لیکن تمھاری یہ قربانی تو رائیگاں ہی جائے گی۔"

"کیسے؟"

"کتنے دنوں تک تم اس حسن پرست اور ہوس پرست شہزادے کو اپنے قبضے میں رکھ سکو گی؟"

"اپنا مقصد پورا ہونے تک" اس نے کہا اور پھر یکایک اس کی خوبصورت آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور اس نے اضافہ کرتے ہوئے کہا "یا کم سے کم اس وقت تک جب تک میں اسے قتل نہیں کر دیتی۔ اگر اس نے میری قوم کی راہ پر چلنے سے انکار کر دیا۔ ہائے۔ اب زیادہ نہ کہو کیونکہ تمھارے الفاظ میرے دل میں ایسے جذبات پیدا کر دیتے ہیں جن کے متعلق میں نے کبھی خواب میں بھی سوچا نہ تھا۔ اگر یہی باتیں میں نے تین مہینے پہلے سنی ہوتیں تو معاملہ مختلف ہوتا۔ میرے آقا ہوراچی! تم انسان ہو یا دیوتا لیکن تم تین مہینہ پہلے کیوں نہ ظاہر ہوئے؟"

اور پھر ایک ہچکی لے کر وہ اٹھی، میرے سامنے جھکی اور چلی گئی۔

اس شام جب ہم اپنے کمرے میں اکیلے تھے اور ہماری باتیں کوئی سن نہ

رہا تھا تو میں نے کارتی کو بتایا کہ قیولا اس شہزادے سے منسوب ہے جو پورے ملک کا اتکا بننے والا ہے۔"

"اچھا کارتی نے کہا" تب تو جان لو آقا کہ یہ شہزادہ میرا وہی بھائی ہے جس سے میں سخت نفرت کرتا ہوں۔ وہی جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے، وہ جس نے میری بیوی مجھ سے چھین لی اور مجھے زہر دیا۔ اس کا نام — اورکو ہے۔ کیا خاتون قیولا اسے چاہتی ہے؟"

"میرے خیال میں تو نہیں۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ تمھاری طرح وہ بھی اس سے نفرت کرتی ہے۔ تاہم چند سیاسی وجوہات کی بنا پر وہ اس سے شادی کر رہی ہے۔"

"ایک ہفتے پہلے خاتون کے دل میں کیسا ہی جذبہ کیوں نہ رہا ہو لیکن اب وہ اورکو سے یقیناً نفرت کرتی ہے" کارتی نے خشک آواز میں کہا۔ "لیکن اس درخت پر پھل کیسا آئے گا؟ آقا! کل تم میرے ساتھ پاچا مک کے مندر کے اندرونی حصے میں چلو گے جہاں دیوتا ریماک بیٹھا ہوا ہے جو استخارے سے پیشینگوئی کرتا ہے۔"

"کیوں؟"

"تاکہ ہم اس کی آواز سے پیشینگوئی سنیں۔ میں سمجھتا ہوں اگر تم نے جانا پسند کیا تو خاتون قیولا بھی ہمارے ساتھ آئے گی کیونکہ شاید وہ بھی پیشینگوئی سننا چاہتی ہے۔"

"اگر یہ کام خفیہ طور پر ہوا تو میں چلوں گا مثلاً رات کے وقت۔ کیونکہ دن کے وقت تو لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری طرف دیکھتے ہیں اور اس سے میں تھک گیا ہوں۔"

یہ میں نے اس لئے کہا تھا کہ میں ان لوگوں کے مذہب اور اعتقادات سے واقف ہونا چاہتا تھا۔

"شاید ایسا ہو جائے گا۔ بہر حال میں دریافت کروں گا"

اور کارتی نے پوچھا۔ شاید یا چامگ کے بڑے مہنت سے یا شاید کوساماںگو سے یا شاید تیولا سے۔ میں نہیں جانتا کہ کس سے بہر حال یہ ضرور ہوا کہ اسی دن کوسا مانگو نے مجھ سے پوچھا کہ آیا میں اسی رات دیوتا کے مندر جانا پسند کروں گا۔

چنانچہ رات کا اندھیرا اترنے کے کچھ ہی دیر بعد دو ڈولیاں لائی گئیں ایک میں تو تیولا اپنی خادماؤں کے ساتھ سوار ہوئی اور دوسری میں میں اور کارتی کے ساتھ سوار ہوا۔ کوسا مانگو اور اس کی بیوی نہ آئے۔ پتہ نہیں کیوں؟ اس وقت یکا یک بارش شروع ہو گئی تھی اور وہ بھی کڑک اور گرج کے ساتھ۔ تیسری ڈولی میں دیوتا کا مہنت سوار تھا اور تینوں ڈولیوں کو سپاہیوں کے محافظ دستے نے گھیرے میں لے رکھا تھا چنانچہ یوں ہم دیوتا کے مندر کی طرف روانہ ہوئے جو ٹیلے کی چوٹی پر تھا اور زیادہ دور نہ تھا۔

مندر کے سنہرے دروازے کے سامنے، جس پر بجلی چمک چمک کر اپنا عکس ڈال رہی تھی، ہم ڈولیوں میں سے اترے۔ مشعلیں لیے ہوئے سفید پوش مہنتوں نے ہمارا استقبال کیا اور ہمیں اندر لے آئے۔ ان کی راہبری میں کئی دالانوں اور گزرگاہوں میں سے گزرتے ہم مندر کے بیچ یا اندرونی دالان میں پہنچ گئے۔ مشعلوں کی روشنی میں میں جہاں تک دیکھ سکا اس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ بے حد وسیع و عریض جگہ تھی یہ اور نظر جس طرف

بھی اٹھتی تھی بس سونا ہی سونا دکھائی دیتا تھا۔ دیواروں پر سونے کے پتر تھے فرش پر سونے کے چڑھاوے تھے اور حقیقت میں سونے کے تارے تھے اس مقام مقدس کی سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ وہ خالی تھا۔ اس میں نہ تو قربان گاہ تھی اور نہ ہی دیوتا کا بت۔ کچھ نہ تھا سوائے ایک خالی کمرے کے جس میں ایک چراغ جل رہا تھا۔

یہاں میرے علاوہ سب کے سب سجدے میں گر کر دعائیں پڑھنے لگے۔ جب یہ لوگ اٹھے تو میں نے کارتی کے کان میں پوچھا:۔

"دیوتا کہاں ہے؟"

"کسی جگہ نہیں ہے اس کے یا وجود ہر جگہ ہے" کارتی نے جواب دیا۔

اور اس کا یہ کہنا مجھے سچ معلوم ہوا اور یہ حقیقت ہے کہ اس مقام کی ہیبت اور فضا کا تقدس کچھ ایسا تھا کہ میں یوں محسوس کرنے لگا جیسے کسی عظیم پاک ہستی نے مجھے گھیر رکھا ہے۔

چند ثانیوں کے بعد مہنت ہمیں ایسے دروازے کے سامنے لے آئے جو اس مقام مقدس کے انتہائی سرے پر تھا اور زینہ پر کھلتا تھا۔ یہ زینہ اتر کر ہم ایک گزرگاہ میں چل پڑے۔ یہ گزرگاہ شاید زیر زمین تھی کیونکہ یہاں کی ہوا بو جھل تھی۔ اس تنگ گزرگاہ میں کوئی سو قدم چلنے کے بعد ہم دوسرے زینے اور دوسرے دروازے کے سامنے تھے۔ اس دروازے میں سے گزرے تو ہم ایک مندر میں تھے، جو پہلے مندر کے مقابلے میں، جسے عبور کر کے ہم آئے تھے، چھوٹا تھا لیکن اسی کی طرح سونے سے جگمگا رہا تھا۔ اس مندر کے بیچ میں ایک بت بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بت بھی سونے کا تھا اور اس کی شکل و صورت اور جسم بھی انسان کا اور مرد کا تھا۔

"دیکھو! یہ ہے بولنے والا ریاگ" کاری نے سرگوشی میں کہا۔

"سونا کیسے بول سکتا ہے؟"

کاری نے کوئی جواب نہ دیا۔

مہنت دعائیں اور منتر بڑبڑانے لگے جو مجھے شیطانی معلوم ہوئے اور اس کے بعد انھوں نے دیوتا کے حضور چڑھاوے رکھے سونے کے بڑے بڑے پیالوں میں کچے گوشت کے لوتھڑے تھے۔ یہ پیالے دیوتا کے قدموں میں رکھ کر مہنت پیچھے ہٹ گئے۔ اور پوچھا کہ ہم کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ یہ پورا معاملہ ہی مجھے سرے سے پسند نہ تھا اور مجھے یہ سب کچھ شیطانی چکر معلوم ہوتا تھا۔ کاری بھی خاموش رہا لیکن قیولا نے بے خوفی سے کہا کہ ہم مستقبل کے متعلق معلوم کرنا اور یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہمارا کیا ہوگا۔

یکایک موت کی سی گہری خاموشی طاری ہوگئی اور مجھے اعتراف ہے کہ مجھ پر خوف طاری ہوگیا۔ کیونکہ میں نے یوں محسوس کیا جیسے ہمارے چاروں طرف روحیں حرکت کر رہی ہوں، سرسرا رہی ہوں اور جیسے میں ان کے بازوؤں کی سرسراہٹ اور سرگوشیاں سن رہا تھا۔ اس خاموشی میں دیوتا کا سنہرا بت یکایک یوں روشن ہونے لگا جیسے پگھل رہا ہو یا پگھلے ہوئے سونے کا ہو۔ اور اس کی زمردی آنکھوں میں خوفناک چمک آگئی۔ اس چمک نے مجھے ایسا خوفزدہ کر دیا کہ اگر شرم دامنگیر ہوتی تو میں وہاں سے بھاگ گیا ہوتا۔ لیکن میں دل پر جبر کر کے کھڑا رہا اور دل ہی دل میں دعا مانگنے لگا۔ کہ خدا مجھے شیطان اور اس کے چکر سے محفوظ رکھے اور پھر میری دعا میں شدت آگئی۔ کیونکہ بت بولنے لگا تھا۔ ہاں۔ سیٹی کی سی مدھم اور خوفناک آواز میں حالانکہ کوئی اس کے قریب نہ تھا۔

اور بت نے یوں کہا :-

" چاندی میں ملبوس یہ کون ہے جس کی رنگت سفید ہے اور بال زرد ہیں؟ ایسا آدمی میں نے ہزاروں برسوں میں نہیں دیکھا اور اس کے جیسے ہی سرزمین ٹاڈیتیو کو اپنے قبضے میں کرلیں گے اور اس کی ساری دولت لے جائیں گے، اس کے لوگوں کو قتل کردیں گے اور دیوتاؤں کو پھینک دیں گے۔ لیکن ابھی نہیں۔ ابھی نہیں چنانچہ یہ پاچامک کا حکم ہے جو بولنے والے ریماک کی زبان سے ادا ہو رہا ہے کہ کوئی بھی اس آقا کو، جو سمندر سے یہاں پہنچا ہے، گزند نہ پہونچائے گا اور نہ ہی کسی معاملے میں اس کی مخالفت کرے گا کیونکہ یہ عظیم ہے اور بہتوں کے لئے پناہ کی مضبوط دیوار بنے گا۔ اور اس کی تلوار ظالموں کے خون سے سرخ ہو گی "

سیٹی کی سی آواز خاموش ہو گئی اور وہاں کھڑے ہوئے مہنت اور قیولا میری طرف دیکھنے لگے کیونکہ ان کے خیال میں ریماک کے الفاظ ان کا مقدر تھے یکا یک وہی خوفناک آواز پھر کہنے لگی :-

" اور یہ کون ہے جو اس سفید رنگت اور چمکنے والے کے ساتھ ہی سمندر سے آیا ہے؛ کون ہے جو اتنی دور گیا تھا کہ ہمارے یہاں کی قدیم قوم کا کوئی فرد نہیں گیا؟ ہاں میں جانتا ہوں ــــ جانتا ہوں لیکن کہوں گا نہیں کیونکہ وہ روحوں کی روح، جس کا بت اس کے گلے میں پڑا ہے، مجھے خاموش رہنے کو کہہ رہی ہے بہادر بنو۔ بہادر بنو۔ شادکام رہو، پھلو پھولو اور عظیم بنو اے پسر پاچامک کیونکہ تمھاری آوارہ گردی کا زمانہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ ابھی تمھیں ایک پہاڑ چڑھنا ہے اور اس کی چوٹی پر آسمانی سونے کی ڈبچی لٹک رہی ہے "

ایک بار پھر آواز خاموش ہو گئی اور اس دفعہ سب کے سب کا دی کی

طرف دیکھنے لگے۔ جو اپنا سر یوں ہلا رہا تھا جیسے اس بات سے پریشان تھا جو اس کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔

ایک بار پھر بت نے کہا:۔

"سورج کی یہ بیٹی کون ہے جس کی رگوں میں چاند کی شعاعیں کھیلتی ہیں اور جو شام کے ستارے کی طرح خوبصورت ہے؟ میرے خیال میں یہ وہ ہے جس کی آرزو مرد کریں گے اور جس کی خاطر خون کی ندیاں بہیں گی۔ یہ وہ ہے جس کا دماغ بجلی کا سا ہے اور جو سانپ کی طرح تیز و طرار ہے اور نازک بھی۔ یہ وہ ہے جس میں جذبات یوں سلگتے ہیں جیسے آتش فشاں پہاڑ کے بطن میں آگ لیکن جو اس روح سے بھری ہے جو آگ پر رقص کرتی ہے اور جوان چیزوں کی آرزو کرتی ہے جو بہت دور ہیں۔ اے سورج کی بیٹی جس کی رگوں میں چاند کی شعاعیں کھیلتی ہیں سن۔ تو قابل نفرت باہنوں میں سے نکل آئے گی اور سورج تیری پناہ گاہ ہو گا اور آخر کار تو پیار کے باہنوں میں سوئے گی۔ لیکن دھوکا دیتے ہوئے دیوتا سے دور بھاگ جائیو اور فوراً بھاگ جائیو۔"

آواز پھر خاموش ہو گئی اور میں نے سوچا کہ چلو یہ تماشہ ختم ہوا۔ لیکن نہیں۔ ایسا نہ تھا۔ دوسرے ہی لمحے دیوتا کا بت اور بھی شدت سے چمکنے لگا، اس کی آنکھوں کی چمک لرزہ خیز ہو گئی اور اب وہ بولا ہے تو چیخ کر بولا ہے۔

اس نے کہا:۔

"ٹاڈینٹسو کی برف خون سے سرخ ہو جائے گی اور دریا خون سے بھر جائیں گے۔ ہاں تم تینوں خون کے دریاؤں سے گزرو گے اور خون کی بارشوں میں اپنی آرزو کے پھل توڑو گے۔ اس کے باوجود ابھی ایک مدت تک ٹاڈینٹسو کے دیوتا قائم رہیں گے۔ اس کے بادشاہ حکمرانی کریں گے۔ اور اس کی گود کے پالے

آزاد رہیں گے۔ لیکن آخر میں ــــ دیوتاؤں کا خاتمہ، بادشاہوں کا خاتمہ اور یہاں کے باشندوں کا خاتمہ۔ لیکن ابھی نہیں ــــ ابھی نہیں۔ تم میں سے کوئی یہ انقلاب دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہے گا، نہ تمہاری اولاد اور نہ اولاد کی اولاد یہ انقلاب دیکھے گی۔ ریناک کی آواز کہہ چکی۔ اس کے الفاظ خزانے کی طرح محفوظ رکھو اور ان سے جیسے چاہو معنی نکالو"

صحرا میں روتے ہوئے کسی بھیڑ کے پیاسے بچے کی طرح کی آواز کی طرح دیوتا کی بیٹی کی سی آواز ڈوب گئی اور مندر میں گہرا سناٹا طاری ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے سونے کے بت کی دمک اور اس کی زمردی آنکھوں کی روشنی بجھ گئی۔ اور اب وہ دھات کا ایک بے جان بت تھا۔ مہنتوں نے دیوتا کو سجدہ کیا اور کچھ کہے بغیر ہمیں مندر سے باہر لے آئے۔ لیکن میں نے مشعلوں کی روشنی میں دیکھا کہ ان کے چہروں پر انتہائی خوف تھا ــــ اتنا زیادہ کہ مجھے شک ہونے لگا کہ کہیں یہ بناوٹ تو نہ تھی۔

جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے ہم لوٹے اور آخر کار ہم مندر کے سونے کے دروازے کے باہر تھے جہاں ہماری ڈولیاں تھیں۔

"کیا مطلب تھا اس کا؟" میں نے قیولا سے، جو میرے قریب تھی، سرگوشی میں پوچھا۔

"تمہارے اور تمہارے غلام کے لئے تو میں نہیں جانتی" اس نے جواب دیا "لیکن میرے لئے تو اس نے موت کی پیشنگوئی کی ہے ــــ لیکن اس وقت تک نہیں ــــ جب تک کہ ــــ جب تک کہ ــــ"

اور وہ خاموش ہو گئی۔

اور عین اسی وقت بارش کے بادلوں میں سے چاند نکل آیا اور قیولا کے اوپر اٹھے ہوئے چہرے پر چمکنے لگا اور میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں خوشی اور فتحمندی کے جذبات تھے۔

اب، جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا، ریماک کی پیشینگوئی لفظ بہ لفظ ملک میں اس سرے سے اس سرے تک پھیل گئی اور لوگ اس کے متعلق باتیں کرنے لگے اور ساتھ ہی ان پر خوف طاری ہوگیا کیونکہ صدیوں سے ریماک نے ایسی اہم باتیں نہ کہی تھیں۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہوئی کہ اس کے الفاظ نے میری قسمت کا اور میرے مستقبل کا بھی فیصلہ کر دیا۔ جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ کوسامانگو اور اس کے قبیلے نے فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھے ان کے درمیان سے جانے نہ دیا جائے۔ سفیدفام دیوتا سمندر میں سے ہر روز نہیں آتا اور چونکہ یہ دیوتا سمندر میں سے نکل کر ان لوگوں میں آیا تھا اس لئے اب انہیں میں رہے گا اور ان کی مدد کرے گا اور حفاظت کرے گا اور وہ لوگ اس کے وجود پر فخر کریں گے اور اس کے ساتھ راہب زیانہ بھی انہی لوگوں میں رہے گا جس کے سامنے سب سے پہلے سفیدفام دیوتا غیرآباد جزیرے پر ظاہر ہوا تھا۔ لیکن ریماک کی پیشینگوئی کے بعد ان لوگوں نے اپنا یہ فیصلہ بدل دیا۔ جب میں نے کہا کہ میں قیولا کے ساتھ اس کے باپ اور حیاتکا لوگوں کے بادشاہ ہوراکا کے پاس، جس نے تیز رفتار پیغامبر بھیج کر مجھے بلوایا تھا، جانا چاہتا ہوں تو کوسامانگو نے جواب دیا کہ اگر میرا حکم یہی ہے تو ایسا ہی ہوگا کیونکہ ریماک نے میری ہر خواہش پوری کرنے اور میری مخالفت نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ تاہم، کوسامانگو نے کہا، اسے یقین تھا کہ میری اور اس کی ملاقات پھر ہوگی۔

اب جب میں ان باتوں پر غور کرتا ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ریماک کی

آواز واقعی دیوتا کی آواز تھی یا قیولا کے یا کاریتی کے یا دونوں کے دل کی آواز تھی جو چاہتے تھے کہ میں یونکا لوگوں میں ہی مقیم نہ رہوں بلکہ ان کے ساتھ چانکا لوگوں کی سرزمین تک اور اس سے بھی آگے سفر کروں۔ یہ میں نہ اس وقت معلوم کرسکا اور نہ اب جانتا ہوں کیونکہ جہاں تک ان لوگوں کے دیوتاؤں کا تعلق ہے یہ لوگ ان کے متعلق قبر کی طرح خاموش ہیں۔ میں نے اس کے متعلق قیولا سے پوچھا اور کاری سے پوچھا لیکن دونوں معصوم نظروں سے میری صورت تکنے لگے۔ اور کہا تو صرف یہ کہ وہ ریاک کی سنہری زبان پر اپنے دل کی بات ڈال دیں؟ میں یہ بھی نہ معلوم کرسکا کہ ریاک کوئی روح تھا یا محض مونے کا بت جس میں چھپ کر کوئی مہنت بولتا تھا۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ ٹاونیشو کے اس سرے سے اس سرے تک لوگ ریاک کو ایک روح یقین کرتے تھے جس کی زبان سے سب سے بڑا دیوتا پیشینگوئی کرتا ہے۔

چنانچہ یوں ہوا کہ چند دنوں کے بعد میں قیولا اور کاریتی اور چند بوڑھوں کے ساتھ، جو میرے خیال میں مہنت یا پیغمبر یا دونوں ہی تھے، اپنے دوسرے سفر پر روانہ ہوا۔ جب ہم اس شہر سے چلے تو لوگ میری ڈولی کے قریب میری جدائی کے غم میں رو رہے تھے۔ اب یہ میں نہیں جانتا کہ ان کا یہ رونا حقیقی تھا یا جھوٹا تھا۔ بہرحال ہم ڈولیوں میں سوار ہو کر اس شان سے روانہ ہوئے کہ ہمارے ساتھ دو سو محافظ سپاہی تھے جو تانبے کی کلہاڑیوں سے مسلح تھے اور ڈولی برداروں کے قدموں میں ہر ہر قدم پر پھول ڈال رہے تھے لیکن میری آنکھ سے ایک بھی آنسو نہ ٹپکا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ بڑے سادہ لوح اور مخلص تھے لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں ان لوگوں سے اکتا گیا تھا۔

اس کے علاوہ میں محسوس کر رہا تھا کہ نہ جانے انجانے طور پر میں کسی قسم کی سازش میں پھنس رہا ہوں یا پھنسایا جا رہا ہوں۔ حالانکہ میں نہ جانتا تھا کہ یہ سازش کیا ہے سوائے اس کے کہ قیولا، جو بظاہر بڑی معصوم بھولی تھی، اس سازش میں شریک ہے یا اس کی تہہ میں اس کا ہاتھ ہے۔ اور میرا خیال غلط نہ تھا جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ایک زبردست جنگ کی تیاری تھی اور یہ جنگ یانکا اور جانکا اپنے شہنشاہ یانکا کے خلاف ۔۔۔۔۔۔۔ تھے جو کوئجا کی زبردست قوم کا بادشاہ تھا اور جو اندرون ملک میں اور کوزا کو نامی شہر میں رہتا تھا۔ چنانچہ یانکا اور جانکا میں اتحاد کا معاہدہ ہو گیا اور یہ معاہدہ قیولا نے کیا، جو اپنے باپ کی سفیر بن کر آئی تھی۔ وہی قیولا جو اپنا جسم اپنی قوم کی خاطر انکا کے بیٹے کو پیش کر رہی تھی اور یوں انکا کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتی تھی کہ قیولا کا باپ انکا کی حکومت اپنے قبضے میں کر لے اور پورے ٹاونٹیسو کا شہنشاہ بن جائے۔

ہم ساحل کو پیچھے چھوڑ کر آگے اندرون ملک کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پہاڑوں کے درمیان میں سے گزر کر اب ہم ایسی چوڑی اور ہموار سڑک پر سے گزر رہے تھے کہ ایسی عمدہ سڑک میں نے انگلستان میں بھی نہ دیکھی تھی۔ کئی دفعہ ہم نے دریا عبور کئے لیکن ان پر پتھروں کے پل بنے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی راستے میں دلدلیں پڑتیں اور سڑک ان کا چکر نہ کاٹتی بلکہ ان پر سے گزر جاتی۔ جی ہاں ان دلدلوں میں پتھروں کی مضبوط بنیادوں پر بھی پل بنے ہوئے تھے۔ یہ راستہ کبھی گھوم کر یا چکر کاٹ کر آگے نہ بڑھتا بلکہ ہر رکاوٹ کو عبور کر جاتا تھا کیونکہ یہ انکا کی ان شاہراہوں میں سے ایک تھی جو ٹاونٹیسو کے ایک سے دوسرے سرے

تک چلی گئی ہیں۔ ہم اکثر بستیوں میں سے گزرے کیونکہ یہ پورا ملک آباد تھا پوری طرح سے۔ ہماری ہر رات کسی نہ کسی بستی میں گزرتی تھی۔ ایک بات البتہ میں نے دیکھی کہ ہر جگہ میری شہرت مجھ سے پہلے ہی پہنچ جاتی تھی اور جہاں میں پہنچتا تھا بستی کے "کوراکا" یا سردار میرے منتظر اور میرے استقبال کو موجود رہتے تھے

اس سفر کے پہلے پانچ دنوں میں قیولا سے میری ملاقات نہ ہوئی اور اگر ہوئی بھی تو یونہی سرسری سی لیکن آخر کار ایک رات ہمیں ایک قسم کے مسافر خانے یا مہمان خانے میں قیام کرنا پڑا جو ایک بلند درے میں تھا اور یہاں چونکہ چاروں طرف برف تھی اس لئے سخت سردی تھی۔ یہاں چونکہ کوراکا نہ تھے اور کاری بھی کہیں گیا ہوا تھا اس لئے میں تنہا قیام گاہ سے نکلا اور پہاڑ کی اس چوٹی پر چڑھ گیا جو ہماری قیام گاہ سے زیادہ دور نہ تھی۔ میں اس چوٹی پر اس لئے چڑھا تھا کہ غروب آفتاب کا منظر دیکھ سکوں اور سکون سے حالات پر غور کر سکوں

اس بلندی پر سے جو منظر نظر آیا وہ مسحور کن تھا۔ میرے چاروں طرف پہاڑوں کی ٹھنڈی، برف پوش چوٹیاں تھیں جو آسمان کی نیلاہٹوں میں کھبی جا رہی تھیں ان کی آغوش میں گہری وادیاں تھیں جن میں دریا بہہ رہے تھے۔ جو سیمیں رگوں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ یہ منظر اتنا وسیع تھا کہ کہیں ختم ہوتا معلوم نہ ہوتا تھا اور ایسا عظیم اور شاندار تھا کہ روح کو کچلتا معلوم ہوتا تھا اور اوپر شفاف آسمان کا گنبد تھا جس میں شام کی روشنی سمٹ رہی تھی اور جلتا ہوا سورج برف پوش چوٹیوں کے پیچھے غروب ہو رہا تھا۔

اوپر، بہت اوپر آسمان کی نیلاہٹوں میں ایک پرندہ اپنے بازو پھیلائے چکر کاٹ رہا تھا۔ پہاڑی عقاب جو کسی بھی پرندے سے جو آج تک میں نے دیکھا تھا، بڑا تھا اور غروب ہوتے ہوئے سورج کی سرخ روشنی اسے آگ کے گولے میں گرا رہی

تھی، میں نے اس عقاب کی طرف دیکھا اور سوچا کہ کاش میرے بازو ہوتے جو مجھے اس اجنبی ملک سے دور اور سمندر کے اس پار لے جاتے۔

لیکن کیا واقعی میں جانا چاہتا تھا حالانکہ روئے زمین پر کہیں میرا کوئی گھر نہ تھا اور کوئی نہ تھا جو پیار سے اپنے بازو پھیلا کر مجھے خوش آمدید کہتا۔ ایک لمحہ پہلے میں نے اس سوال کا جواب یوں دیا ہوتا "ہاں کہیں بھی پہونچا دو مجھے۔ لیکن اس تنہائی اور انجانے ملک سے دور لے جاؤ مجھے" لیکن اب میرا جواب: ڈالوانڈول تھا۔ یہاں کم سے کم میرا ایک دوست تو تھا حالانکہ اس میں رشک و حسد کا مادہ زیادہ تھا۔ میرا مطلب ہے کارکی۔ حالانکہ وہ اب دوستی سے زیادہ کسی اور بات کے متعلق سوچ رہا تھا ــــ گہری سازشوں کے متعلق اور اپنے جاہ طلب اور بلند ارادوں کے متعلق حالانکہ اس نے ان باتوں کے متعلق مجھ سے کچھ نہ کہا تھا۔

اور پھر وہ عجیب و حسین عورت قیولا تھی جس کی طرف میرا دل کھنچ گیا تھا صرف اس لئے نہیں کہ وہ بے حد حسین تھی اور مجھ پر مہربان معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اگر ایسا تھا تو پھر اس کا انجام کیا ہوگا؟ وہ کسی اور سے منسوب تھی۔ ایک وحشی شہزادے کی، جو بادشاہ بننے والا تھا۔ بے شک میں ایک دفعہ دھوکا کھا چکا تھا، ایک ایسی عورت سے شادی کر چکا تھا جو کسی اور سے منسوب تھی چنانچہ اب عقلمندی اسی میں تھی کہ میں قیولا کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا۔

یہ خیال آیا تو بے بسی اور شدید اور مکمل ترین تنہائی کے احساس نے میرا دل الٹ دیا۔ مایوسیاں میرے دل کی گہرائیوں تک اتر گئیں۔ میں نے اسی جگہ بیٹھ کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھک لیا اور اپنے والدین سے بچھڑے ہوئے بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

یکایک میں نے اپنے شانے پر کسی کے ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ محسوس کیا اور یہ سوچ

کر کہ کاری نے مجھے روتے ہوئے پکڑ لیا ہے میں نے اپنے چہرے پر سے ہاتھ ہٹائے تو قیولا کی شیریں آواز سنائی دی۔

"تو معلوم ہوا کہ دیوتا بھی روتے ہیں۔ اے سمندر سے نکلنے والے دیوتا، جس کو یہاں کے لوگوں نے ہوراچی کا لقب دیا ہے، تم کیوں رو رہے ہو؟"

"میں اس لئے رو رہا ہوں کہ ایک اجنبی ملک میں میں ایک اجنبی ہوں۔ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ میرے بازو نہیں ہیں کہ میں اڑ کر جا سکوں"

وہ ایک ٹک میری طرف دیکھتی رہی اور پھر بڑی نرمی سے کہا:-

"اور تم اڑ کر کہاں جاؤ گے سمندر سے نکلنے والے دیوتا، واپس سمندر میں؟"

"مجھے دیوتا نہ کہو۔ تم اچھی طرح سے جانتی ہو کہ میں دیوتا نہیں ہوں بلکہ ایک سفید فام نسل کا انسان ہوں"

"ہاں یہ میرا خیال ضرور تھا لیکن میں یقین سے کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔ تو تم اڑ کر کہاں جاؤ گے ہوراچی؟"

"اس ملک میں جہاں میں پیدا ہوا تھا اور جسے اب میں کبھی نہ دیکھ سکوں گا"

"آ- ہاں- یقیناً وہاں تمھاری بیویاں اور بچے ہوں گے جن کی یاد تمھیں تڑپا رہی ہے"

"نہیں- اب نہ میری بیوی ہے اور نہ بچے"

"تو کبھی تمھاری بیوی تھی۔ اچھا- اب مجھے اپنی اس بیوی کے متعلق بتاؤ۔ بہت خوبصورت تھی وہ؟"

"یہ غمناک کہانی سن کر کیا کرو گی قیولا؟ وہ مر چکی ہے"

"مر چکی ہو یا زندہ ہو لیکن تم اب بھی اسے چاہتے ہو اور جہاں محبت ہوتی ہے وہاں موت نہیں ہوتی"

"نہیں۔ میں اس سے محبت کرتا تھا جیسی کہ میں نے اسے سمجھا تھا"

"تو پھر وہ بے وفا تھی؟"

"ہاں۔ بے وفا بھی اور بے حد وفادار۔ اتنی وفادار کہ وہ مر گئی کیوں کہ اسے بے وفائی کا احساس تھا"

"یہ کیا بات ہوئی؟ ایک عورت بہ یک وقت وفادار اور بے وفا کیسے ہو سکتی ہے؟"

"عورت بہ یک وقت سب کچھ ہو سکتی ہے۔ یہ سوال تم اپنے دل سے پوچھو قیولا کیا تم بھی بہ یک وقت بے وفا اور وفادار نہیں ہو سکتیں؟"

میرے اس سوال پر وہ سوچ میں پڑ گئی اور پھر موضوع بدل کر بولی:۔

"تو ایک دفعہ محبت کرنے کے بعد تم دوسری دفعہ کبھی محبت نہ کرو گے؟"

"کیوں نہیں کروں گا، شاید پہلے سے بھی زیادہ شدت سے کروں گا۔ لیکن اسے سے فائدہ کیا جب کہ یہ محبت ناکامی اور درد تحفہ میں لاتی ہے"

"آقا ہور اچی! تمھاری نسل کی عورتیں تو بہت دور ہیں چنانچہ اب تم کس سے محبت کر سکتے ہو؟"

"شاید اس سے جو بہت قریب ہے بشرطیکہ وہ محبت کا جواب محبت سے دے"

قیولا نے کوئی جواب نہ دیا اور میں نے سوچا کہ وہ خفا ہو گئی ہے اور چلی جائے گی لیکن وہ نہ خفا ہوئی اور نہ ہی وہاں سے چلی گئی۔ اس کے برخلاف وہ میرے قریب ایک پتھر پر بیٹھ گئی اور اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر، جس طرح کہ میں نے چھپایا تھا، رونے لگی جس طرح کہ میں رو دیا تھا۔ اب میری باری تھی چنانچہ میں نے کہا:۔

"رو کیوں رہی ہو؟"

"اس لئے کہ تنہائی مجھے بھی برداشت کرنی ہوگی اور اس کے ساتھ شرم و ندامت بھی آقا ہور اچی"

اس کے ان الفاظ سے میرا دل دھڑکنے لگا اور اس میں جذبہ بیدار ہوا
میں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اس کے چہرے پر سے ہٹائے اور اس کے بشرے پر جو دنگ تھی اور جو سرخی آ گئی تھی اس نے میرے شک کو یقین میں تبدیل کر دیا۔

"تو تم بھی پیار کرتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ایسا کہ مجھ سے پہلے کبھی کسی خدمت نے نہ کیا ہو گا۔ اس رات پہلی دفعہ میں نے تمھیں اس ویران جزیرے پر سوتے دیکھا تو اسی وقت میری قسمت پر مہر لگ گئی۔ اسی گھڑی سے میں تم سے پیار کرنے لگی۔ میں نے اسے اپنے دل سے نکال پھینکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن یہ جذبہ بڑھتا گیا، بڑھتا ہی چلا گیا اور اب میں اس کے ہاتھوں بے بس ہوں۔ میں نے اپنا دل تمھیں دے دیا ہے اور اب میرے پاس کسی کو بھی دینے کے لئے کچھ نہیں رہا ہے۔"

اور میں نے اٹھ کر تیولا کو اپنی باہوں میں سمیٹ لیا اور اس کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دئے اور میرے اس بوسے کے جواب میں اس نے بھی میرے ہونٹ چوم لئے۔

"آقا ہورا چی! اب مجھے چھوڑ دو اور میری بات سنو" اس نے کہا کیونکہ تم طاقتور ہو اور میں کمزور ہوں۔"

میں نے اسے چھوڑ دیا اور وہ پتھر پر بیٹھ گئی۔

"میرے آقا!" وہ بولی "ہمارا معاملہ مایوس کن ہے بلکہ یوں کہو کہ میرا معاملہ مایوس کن ہے کیونکہ تم مرد ہو اس لئے کئی دفعہ پیار کر سکتے ہو اور میں عورت ہوں اس لئے میرا پیار صرف ایک کے لیے ہے اور رہے گا لیکن افسوس کہ یہ پیار پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ پائے گا۔"

"کیوں نہ پہونچ پائے گا؟" میں نے پوچھا "تمھاری قوم مجھے دیوتا سمجھتی ہے اور کیا دیوتا جسے چاہے اسے اپنی بیوی نہیں بنا سکتا؟"

"اگر وہ کسی دوسرے دیوتا سے منسوب ہو تو نہیں بنا سکتا خصوصاً اس سے جو انکا بننے والا ہو اور اس لئے بھی نہیں کہ اس شادی پر قوم کے مقدر کا دارومدار ہے۔"

"لیکن ہم فرار ہو سکتے ہیں قیولا۔"

"دیوتا سے بچ کر فرار ہو کر کہاں جا سکتا ہے اور دختر ماہتاب فرار ہو کر کہاں جا سکتی ہے جبکہ وہ پسر آفتاب کی منگیتر ہو۔ البتہ ایک راستہ ہے فرار کا — موت۔"

"لیکن قیولا دنیا میں موت سے بھی بدترین چیزیں ہیں۔"

"ہاں پیا۔ لیکن میری زندگی گروی رکھ دی گئی ہے۔ مجھے زندہ رہنا ہے تاکہ میری قوم تباہ نہ ہو۔ اسی غرض سے میں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا ہے اور اب میں محض اپنے لطف اور اپنی دلچسپی کی خاطر اپنا سخن واپس نہیں لے سکتی کہ یہ میری شان کے خلاف ہے۔ شرمندہ ہو کر پیار کی آغوش میں رہنے سے بہتر ہے کہ عزت سے نفرت کی آغوش میں رہا جائے۔"

"تو پھر؟"

"پھر یہ کہ ہمارے سروں پر دیوتا ہی ہی — تم نے دیاک کی پیشین گوئی نہیں سنی کہ میں نفرت کی باہوں میں سے نکل آؤں گی۔ اور سورج میری پناہ گاہ ہوگا اور آخرکار میں پیار کی باہوں میں موؤں گی حالانکہ مجھے دھوکا دئے ہوئے دیوتا کے غضب سے جلد اور دور فرار

ہونا ہوگا۔ میرے خیال میں اس کا مطلب موت ہی ہے لیکن اس کا مطلب موت میں زندگی بھی ہے۔ اے پیارکی ہاتھو! تم اب بھی مجھے آغوش میں لے سکتی ہو۔ میں نہیں جانتی کہ کس طرح لیکن یقین رکھو ـــــ بے شک تم مجھے آغوش میں لو گے۔ تب تک صبر کرو اور مجھے اس وقت عزت اور توقیر کی راہ سے بھٹکانے کی کوشش نہ کرو کیوں کہ جانتی ہوں کہ یہی راہ مجھے منزل تک پہونچائے گی ـــــ لیکن یہ دھوکا دیا ہوا دیوتا کون ہے؟ جس سے فرار ہونا ہے۔ کون؟ کون؟"

پھر وہ خاموش ہوگئی اور میں بھی خاموش رہا۔ اور ہم دونوں آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے ہمیں اس ستارے کی تلاش تھی جو ہمارا راہبر بنتا۔ ہم یوں ہی خاموش بیٹھے ہوئے تھے کہ میں نے سکاری کی آواز سنی۔

"آ ـــــ ہا ـــــ تو تم یہاں ہو آقا ـــــ اور خاتون قیولا تم بھی؟ اچھا اب چلو۔ کیوں کہ سب کے سب تمھیں تلاش کر رہے ہیں اور خوفزدہ ہیں۔"

"میں اور خاتون قیولا اس خوبصورت منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔"

"بے شک۔ لیکن جو دیوتا نہیں ہیں۔ انھیں اندھیرے میں یہ منظر نظر نہیں آسکتا۔ چلئے اب۔"

پانچواں باب (۵)

کارتی کی روانگی

اب یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ اس کے بعد مجھے اور کارتی کو تنہائی میں ملنے کا موقع نہ ملا۔ (ایک دفعہ البتہ ہماری تنہائی میں ملاقات ہوئی لیکن چند سکنڈ کے لئے) کیونکہ ہمیں کسی نے حدِ نظر دور ہونے ہی نہ دیا۔ چنانچہ کارتی میرے ساتھ سائے کی طرح لگا رہا اور جب میں نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میری حفاظت کے لئے۔ دیوتا دیوتا رہتا ہے، اس نے کہا بشرطیکہ وہ مندر میں اکیلا رہے لیکن جب وہ دنیا والوں سے میل جول بڑھاتا ہے اور ان کے جیسے ہی کام کرتا ہے۔ کھاتا ہے، بنتا ہے، ہنستا ہے اور خفا ہوتا ہے، کیچڑ میں پھنستا اور راہ کے پتھروں سے ٹھوکریں کھاتا ہے تو پھر لوگ جو اس کے ساتھ ہوتے ہیں سوچتے ہیں کہ انسان اور دیوتا میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے اور اس وقت تو ان کے خیال کو تقویت پہنچتی ہے جب وہ دیوتا کو عورتوں میں اٹھتے بیٹھتے اور ان کی گرم نگاہوں کے سامنے پگھلتے دیکھتے ہیں۔"

کارتی کے ان طنزیہ تیروں نے، جو پچھلے کئی دنوں سے مجھ پر چلا رہا تھا، مجھے غصہ دلا دیا اور بجائے اس کے کہ میں انجان بنا رہتا میں نے صاف صاف لفظوں میں کہا:-

"سچ تو یہ ہے کارتی کہ تم تھولا سے جلتے ہو جیسا کہ پہلے ایک اور خاتون سے جلتے تھے"

کاری چند ثانیوں تک خاموشی سے میرے اس فتوے پر غور کرتا رہا۔ پھر بولا :-

"ہاں آقا یہ سچ ہے اس میں سے کچھ سچ ہے۔ تم نے مجھے بچایا اور مجھے پناہ دی تھی اور ایک انجانے ملک میں میں اکیلا تھا چنانچہ اس لئے اور اس لئے بھی کہ تم بہترین انسان ہو میں تمہیں چاہنے لگا ہوں اور چاہت سچی ہو تو اس میں رشک اور جلن ہوتی ہے اور ایسا پیار کبھی رقیب کو برداشت نہیں کرتا بلکہ اس سے نفرت کرتا ہے۔"

"محبتیں بھی مختلف قسم کی ہوتی ہیں"۔ میں نے جواب دیا "ایک محبت تو وہ ہوتی ہے جو ایک مرد دوسرے مرد سے کرتا ہے اور دوسری محبت وہ ہوتی ہے جو مرد اور عورت کے درمیان ہوتی ہے۔"

"ہاں آقا اور تیسری قسم کی محبت وہ ہوتی ہے جو عورت مرد سے کرتی ہے اور یہ محبت وہ تیزاب ہوتی ہے جو دوسرے تمام جذبات کو گلا دیتی ہے اور دوسری ساری محبتیں اس کے سامنے ہیچ معلوم ہونے لگتی ہیں۔ عورت مرد کا دل قبضے میں کر لیتی ہے تو مرد کو اپنے دوست بھی برے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ حالانکہ دوستوں کے پیار میں عورت کے پیار سے زیادہ خلوص ہوتا ہے کیونکہ عورت اپنی ذات سے ہی زیادہ پیار کرتی ہے۔ لیکن خیر۔ اس ذکر سے کیا فائدہ کیونکہ یہی قدرت کا قانون ہے اور قدرت سے جنگ کون کر سکا ہے؟ یقولا جو حاصل کرے گی وہ کاری کا نہ رہے گا اور کاری کو یہ نقصان برداشت کرنا پڑے گا"

"بک چکے؟" میں نے غصے سے کہا کیونکہ میں اس کی نصیحت سے اکتا گیا تھا۔

"نہیں آقا۔ جلن اور رشک کا معاملہ معمولی اور سچی ہوتا ہے اور یہی حال پیار کے معاملے کا بھی ہے۔ لیکن آقا تم نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ تم خاتون قیولا سے پیار کرتے ہو اور — یہ بڑی اہم بات ہے — وہ بھی تم سے پیار کرتی ہے۔"

"تو اب بتاتا ہوں۔ بے شک میں اس سے پیار کرتا ہوں اور وہ بھی مجھ سے پیار کرتی ہے۔"

"تم خاتون قیولا سے پیار کرتے ہو اور اس کا کہنا ہے کہ وہ بھی تم سے پیار کرتی ہے — اس کا یہ کہنا ہو سکتا ہے کہ سچ ہو اور ہو سکتا ہے کہ جھوٹ ہو یا ہو سکتا ہے کہ آج سچ ہو لیکن کل جھوٹ ہو جائے۔ لیکن تمہاری بھلائی کی خاطر میں تو یہی چاہتا ہوں کہ جھوٹ ہو۔"

"کیوں؟" میں نے غصے میں بھنا کر پوچھا۔

"اس لئے آقا کہ اس ملک میں بہت سی قسم کے قاتل زہر ہیں جیسا کہ مجھے تجربہ ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ چاقو بھی ہیں اور لانگ تولادکے بھی ہیں اور بہت سے لوگ یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ اس دیوتا پر جو عورتوں سے پیار کرتا ہے، زہر اور چاقو اثر کرتا ہے یا نہیں اور" اس نے اپنا طرز لہجہ ترک کر کے اضافہ کیا "یقین کرو آقا۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا اور مذاق نہ اڑاؤں گا۔ خاتون قیولا کو شطرنج کے کھیل میں ملکہ ہے اور اس کے بغیر بازی شاید جیتی نہیں جا سکتی۔ دیکھو کہ تم وہ رنگ ڈالیا ہی مجھے ہیں جو یہ بازی کھیل رہے ہیں۔ اب تم اس ملکہ کو چرا لو گے اور دیوں ملک پر تباہی اور موت لے آؤ گے۔ یہ لوگ ایسا ہی سوچیں گے۔ چنانچہ عقلمندی نہیں ہے آقا۔ اس ملک میں خوبصورت عورتوں کی کمی نہیں

ہے۔ چنانچہ ان میں سے کسی کو اپنے لئے پسند کر لو اور فکر کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔"

"کاری" میں نے کہا "اگر واقعی کوئی ایسی بازی کھیلی جارہی ہے تو کیا تم بھی ایک کھلاڑی نہیں ہو اس کے چاہے اس طرف یا دوسری طرف کے؟"

"ایسا ہو سکتا ہے آقا اور اگر تم نے اب تک اندازہ نہیں لگا لیا تو ایک دن میں تمھیں بتاؤں گا کہ میں کس طرف سے بازی کھیل رہا ہوں۔ اپنی بھلائی کی خاطر میں تو یہی کہوں گا کہ تم اس فکر کو شطرنج پر سے ہٹا دو لیکن میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اپنے لئے نہیں بلکہ تمھارے پیار سے مجبور ہو کر تمھاری بھلائی کے لئے کہہ رہا ہوں اور خاتون قیولا کی بھلائی کے لئے کہہ رہا ہوں کہ اگر تم گرے تو وہ بھی تمھارے ساتھ گرے گی اور اپنی ماں چاند کی آغوش میں پہونچ جائے گی۔ لیکن میں بہت کہہ چکا لیکن ایسی باتوں میں وقت اور دماغ خراب کرنا حماقت ہے کیونکہ قسمت دونوں کے ساتھ جو چاہے گی کرے گی اور جو بازی ہم کھیل رہے ہیں اس کا انجام ہم میں سے ہر ایک کا انجام، یا چاند کی کتاب میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے رہاک نے اس کے متعلق پیشنگوئی نہیں کی۔ چنانچہ بازی کھیلے جاؤ کھیلے جاؤ اور قسمت کو اپنا کام کرنے اور اس کا لکھا پورا ہونے دو۔ میں نے تمھیں مشورہ دینے کی جرأت کی ہے تو محض اس لئے کہ وہ جو سپہ سالار کی نظر سے جنگ دیکھتا ہے وہ خود جنگ کرنے والے سے زیادہ دیکھتا ہے۔"

جب کاری چلا گیا تو میرا غصہ ایک دم سے ٹھنڈا پڑ گیا کیونکہ ایک بات تو صاف ہو گئی تھی کہ وہ مجھے اس بات سے خبردار کر رہا تھا جس کے متعلق وہ زیادہ کہنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور وہ بھی محض اس لئے کہ کاری مجھے چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ میں خوفزدہ تھا کیونکہ مجھے احساس ہو چلا تھا کہ میں

سازش میں اب زبردست جال کی طرف بڑھ رہا تھا جس کا تانا بانا قیولا، اس کے راہبوں امرا، وہ سردار جس کا میں مہمان رہا تھا اور کاری اور بہت سے لوگ، جن سے میں اب تک واقف نہ تھا، بن رہے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس جال میں پھنس کر میرا دم گھٹ جائے۔ تو کیا ہوا۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا لیکن قیولا کی طرف سے متفکر تھا۔ بے حد متفکر۔

کاری سے اپنی اس گفتگو کے دوسرے دن ہم جانگا لوگوں کے بڑے شہر میں پہنچ گئے۔ اس شہر کا نام بھی، ان لوگوں کے نام پر، جانگا ہی تھا کم سے کم میں نے تو اس شہر کو اسی نام سے جانا اور اب تک اسی نام سے جانتا ہوں۔

صبح سے ہم شاداب وادیاں عبور کر رہے تھے اور ان وادیوں میں یہ جانگا لوگ ہزاروں کی تعداد میں آباد تھے۔ یہ جانگا بڑے طاقتور اور جنگجو معلوم ہوتے تھے۔ یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں راستے کے دونوں طرف کھڑے ہو جاتے خصوصاً میرے، یعنی سفید فام دیوتائے بحر کے درشن کرنے اور ساتھ ہی اپنی شہزادی قیولا کے استقبال کرنے کی غرض سے۔

اور اب پہلی دفعہ مجھے معلوم ہوا کہ قیولا کس بلند پائے کی شہزادی تھی کیونکہ جس طرف سے بھی قیولا کی ڈولی گزرتی لوگ ہوا میں بوسے اڑا کر سجدے میں چلے جاتے اور خاک پر اپنے ماتھے رگڑنے لگتے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں میں پہنچتے ہی اس کے طرز عمل میں یکایک تبدیلی آ گئی۔ اب وہ گردن اکڑائے رہتی تھی اور بہت کم بولتی تھی۔ جیسا کہ میں نے کہا اب وہ پروقار طور پر خاموش تھی اور جب بھی بولتی تو احکام صادر کرنے کے لئے ہی بولتی۔ حتیٰ کہ مجھ سے بھی بہت کم بات کرتی تھی۔ البتہ جب میں اس کی طرف دیکھ نہ رہا ہوتا تو وہ مجھے ہی دیکھ رہی ہوتی۔

دوپہر ہو چکی تھی چنانچہ ہم نے کھانے اور سستانے کے لئے قیام کر دیا اور تب میں نے سامنے دیکھا تو نظر آیا کہ پانچ چھ ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر ہماری طرف آ رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے اس کا؟" میں نے کارتی سے پوچھا۔

"آقا!" اس نے جواب دیا "جانکا کے بادشاہ ہوراکا کی فوج کے یہ چند دستے ہیں جو اس کی اکلوتی بیٹی قیولا اور سفید فام دیوتا کے استقبال کو آئے ہیں۔"

"چند دستے! تو یہ اس کی پوری فوج نہیں ہے؟"

"نہیں آقا! اس کی کل فوج تو اس سے دس گنا ہے۔ جانکا لوگ بڑے زبردست ہیں۔ تقریباً اتنے ہی عظیم جتنے کہ انکا ہیں جو کوزاکو میں رہتے ہیں اب اپنے خیمے میں چلو اپنی زرہ بہن لو ان سے ملنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور دیوتا بن کر اس جگہ کھڑا ہو گیا جو کارتی نے بتائی تھی۔ یہ ایک ٹیلا تھا جو زیادہ بلند نہ تھا۔ مجھ سے ذرا دور اور دائیں طرف قیولا کھڑی جو پہلے سے بھی زیادہ فوق البھڑک لباس میں ملبوس تھی اور اس کے پیچھے اس کی خادمائیں، امرا اور مشیر کھڑے ہوئے تھے۔

فوج، جو مختلف دستوں میں تقسیم تھی، قریب آ گئی اور نیچے کے میدان میں رک گئی۔ ہمارے اور اس کے درمیان دو سو گز کا فاصلہ تھا۔ اب افسر اور سفید پوش بوڑھے، جو غالباً مہنت اور قوم کے بزرگ تھے، فوج میں سے نکل کر ہماری طرف آئے۔ ان کی تعداد بیس یا اس سے کچھ زیادہ تھی پہلے وہ اپنی شہزادی قیولا کے سامنے جھکے۔ اس کے بعد وہ قیولا اور اس کے مشیروں سے باتیں کرنے لگے۔ انھوں نے کیا کہا یہ میں نہیں جانتا۔ البتہ

اس تمام عرصے میں ان کی نگاہیں مجھ پر مرکوز رہیں۔ پھر قیولا انھیں لے کر میرے سامنے آئی اور وہ لوگ ایک ایک کر کے میرے سامنے جھکتے چلے گئے اور اس زبان میں جو میں ٹھیک سمجھ نہ سکتا تھا کیونکہ کاری کی سکھائی ہوئی بولی سے قدرے مختلف تھی، کچھ کہتے رہے۔

اس کے بعد ہم ڈولیوں میں سوار ہوئے اور اس زبردست فوج کے جلو میں آگے روانہ ہوئے۔ پوری سہ پہر سفر کرنے اور پہاڑ اور شاداب وادیاں عبور کرنے کے بعد سورج غروب ہونے سے کچھ ہی پہلے ایک پیالے کی شکل کے میدان میں پہونچ گئے۔ اس میدان میں وہ زبردست شہر آباد تھا جسے چانکا کہتے تھے۔ اس شہر کو اس وقت میں ٹھیک سے نہ دیکھ سکا کیونکہ جب ہم اس میں داخل ہوئے ہیں تو اندھیرا اتر رہا تھا اور بعد میں میں باہر نہ جا سکا جب بھی لوگ مجھے دیکھتے میری طرف دوڑ پڑتے اور ایسی بھیڑ لگ جاتی کہ ایک قدم بھی آگے بڑھنا ناممکن ہوتا۔ بہر حال مجھے ایک چوڑے اور صاف ستھرے راستے سے اس مکان تک لے جایا گیا جو ایک باغ میں تھا اور جس کے چاروں طرف دیوار تھی۔ اس آرام دہ اور عمدہ مکان میں میرے لئے کھانا اور شراب تیار رکھی۔ اور کھانا اور شراب سونے چاندی کی طشتریوں اور پیالوں میں پیش کی گئی۔ اس کے علاوہ بہت سی عورتیں میری خدمت کے لئے موجود تھیں اور دسترخوان کے چاروں طرف مودب اور میرے حکم کی منتظر کھڑی تھیں جس طرح کہ خود کاری بھی، جو اب زیارہ کے نام سے مشہور تھا، کھڑا ہوا تھا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ عورتیں میری خاص خادمائیں بلکہ کنیزیں تھی۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں اکیلا باغ میں نکل آیا۔ یہاں کی ہوا گرم اور خوشگوار تھی۔ باغ خوبصورت تھا اور اس میں پھولوں کے تختوں اور سایہ دار

روشوں پر چہل قدمی کر رہا تھا اور خوش تھا کہ اب مجھے سکون اور تنہائی میسر ہے اور یہ کہ میں اطمینان سے صورت حال پر غور کر سکتا ہوں۔ دوسری باتوں کے علاوہ میں قیولا کے متعلق سوچ رہا تھا کہ اس وقت وہ کہاں ہوگی کیونکہ شہر میں داخل ہونے کے بعد سے لے کر اب تک میں نے اسے کہیں دیکھا نہ تھا کیونکہ اس وسیع دعریض اور اجنبی ملک میں تنہا قیولا ہی وہ ہستی تھی جس سے مجھے انسیت بلکہ پیار ہوگیا تھا اور اس کے بغیر مجھے تنہائی کا احساس ہوتا تھا اور شدت سے ہوتا تھا۔

بے شک کاری موجود تھا جو اپنے طور پر مجھے چاہتا تھا لیکن اس کے اور میرے درمیان ایک زبردست خلیج حائل تھی صرف مذہب اور نسل کی ہی نہیں بلکہ کسی اور چیز کی بھی جسے میں ٹھیک طرح سے سمجھ نہ سکتا تھا۔ لندن میں وہ میرا خادم تھا اور اس کی خوشی کا انحصار بلکہ اس کی ہر بات کا انحصار مجھ پر تھا اور میری آوارہ گردی میں وہ میرا بہترین ساتھی رہا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ اب دوسری دلچسپیوں اور دوسرے مقاصد نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور یہ کہ وہ اس راستے پر گامزن تھا جس کی منزل مجھے نظر نہ آتی تھی اور اب اسے میرا کچھ زیادہ خیال بھی نہ تھا اور اسے اسی وقت میرا خیال آتا تھا جب میں کوئی ایسی بات کہتا یا کوئی ایسا کام کرتا جو اس کے اور اس کی منزل کے درمیان دشواری اور رکاوٹ پیدا کر دیتا۔

چنانچہ میرا تنہا سہارا اب قیولا ہی تھی اور میرا یہ تنہا سہارا بھی مجھ سے بہت جلد چھین جانے والا تھا۔ ہائے میں اس عجیب ملک میں کھوئے برف پوش پہاڑوں سرسبز و شاداب وادیوں، اس کے گہری رنگت والے لوگوں، ان کی بڑی بڑی اور مجھے گھورتی ہوئی آنکھوں، ان کے پراسرار دلوں، بڑے بڑے شہروں،

مندروں، بیکار سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے محلوں، سورج کی تیز دھوپ اور تیزی سے بہتے ہوئے دریاؤں، اس کے بادشاہوں اور دیوتاؤں اور سیاسی جوڑ توڑ سے ــــ ہاں ان سب باتوں سے میں اکتا گیا تھا۔ ہاں یہ سب کے سب میرے لئے اجنبی تھے، بالکل بیگانے اور اگر قیولا مجھ سے چھین لی گئی اور مجھے اکیلا چھوڑ دیا گیا تو پھر میرے لئے مرجانا ہی بہتر ہوگا۔

ایک درخت کے پیچھے کچھ سرسراہٹ سی ہوئی اور ایک سایہ سا دکھائی دیا۔ پتہ نہیں یہ انسان تھا یا کوئی درندہ تھا چنانچہ میرا ہاتھ تلوار کے دستے پر جا پڑا جو اب بھی میری کمر سے بندھی ہوئی تھی حالانکہ میں اس وقت زرہ پہنے ہوئے نہ تھا۔ اس سے پہلے کہ میں تلوار کھینچتا ایک نازک ہاتھ نے میری کلائی پکڑ لی اور ایک شیریں آواز نے کہا :ــ

"ڈرو نہیں ــــ یہ میں ہوں ــــ قیولا"

بے شک یہ قیولا ہی تھی جس نے ٹوپی والا لبادہ پہن رکھا تھا جیسا کہ سرد ممالک کی کسان عورتیں پہنتی ہیں۔ اس نے لبادے کی ٹوپی پیچھے کھسکا دی اور اس کے چہرے کو چاندنی چومنے لگی۔

"سنو" وہ بولی "میرا یہاں آنا ہم دونوں کے لئے خطرناک ہے لیکن میں تمھیں الوداع کہنے آئی ہوں"

"الوداع! ــ مجھے خوف تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ لیکن اتنی جلد کیوں قیولا؟"

"میرے پیارے اور میرے آقا! میں اپنے باپ سے ملی اور انھوں نے جس غرض سے مجھے یونکا دگوں میں بھیجا تھا اس کی پوری رپورٹ ان کی خدمت میں پیش کر دی۔ وہ میری کارگزاری سے بہت خوش ہوئے چنانچہ

موقع غنیمت جان کر میں نے اپنا دل ان کے سامنے کھول دیا اور ان سے کہا کہ میں اوردکو سے اب شادی کرنا نہیں چاہتی جو بہت جلد انکا کا ملبوس زیب تن کرنے والا ہے ـــ تم جانو پیارے میں اسی اوردکو سے منسوب ہوں۔"
"تمہارے باپ ـــ بادشاہ نے کیا جواب دیا؟"
"انھوں نے جواب دیا ـــ تو اس کا مطلب یہ ہے بیٹی کہ تمہاری ملاقات اب ایک ایسی ہستی سے ہوئی ہے جس سے تم شادی کرنا چاہتی ہو۔ میں اس کا نام نہیں پوچھ رہا ہوں کیونکہ اگر مجھے اس کا نام معلوم ہوگیا تو اسے قتل کردینا میرا فرض ہوگا خواہ وہ کتنا بلند مرتبہ کیوں نہ ہو۔"
"تو تمہارے باپ نے سمجھ لیا کہ تم کس سے شادی کرنا چاہتی ہو؟"
"شاید ـــ میں سمجھتی ہوں کسی نے ان کے کان میں یہ بات کہہ دی ہے لیکن میرے باپ یہ بات سننا پسند نہیں کرتے۔ اس کے برخلاف وہ اندھے اور بہرے بن کر رہنا چاہتے ہیں۔"
"اس سے زیادہ انھوں نے کچھ نہ کہا؟"
"انھوں نے بہت کچھ کہا۔ انھوں نے یوں کہا ـــ آقا! اب میں تمھیں راز کی باتیں بتا رہی ہوں اور اپنی عزت تمہارے ہاتھ میں دیتی ہوں کیوں کہ میں اپنا سب کچھ تمھیں دے چکی ہوں پھر یہ بھی کیوں نہ دے دوں؟ میرے باپ نے یوں کہا ـــ بیٹی! تم میری سفیر بن کر گئی تھیں، تم تنہا میری اولاد ہو اور تم میری ہم راز ہو چنانچہ اب یہ بھی جان لو کہ تاوَنٹیسو میں اب ایک ایسی جنگ عظیم ہونے والی ہے جیسی کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی اور یہ جنگ دو زبردست قوموں کے درمیان ہوگی۔ ان میں سے ایک کوزدکو کی قوم کو سمجھا جس کا بادشاہ اور دیوتا بوڑھا اور پاگل ہے اور دوسری قوم چانکا کی ہے جن

کا بادشاہ میں ہوں اور تم شہزادی ہو کہ اگر زندہ رہیں تو ملکہ بنو گی۔ اب یہ دونوں شیر ایک ہی جنگل میں نہیں رہ سکتے ان میں سے ایک کا دوسرے کو کھا جانا ضروری ہو گیا ہے۔ اور سنو میں اکیلا جنگ نہ کروں گا اب میرے ساتھ ساحل کے تمام یونکا بھی ہیں جو، جیسا کہ تم نے کہا، بغاوت کرنے کے لئے ایک پاؤں ہو رہے ہیں۔ لیکن تم نے یہ بھی کہا ہے اور دوسروں سے بھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ یونکا ابھی پوری طرح سے تیار نہیں ہیں۔ بہت سے چاند طلوع ہوں گے اور غروب ہوں گے اور اس کے بعد ہی یونکا کی فوجیں میری فوجوں سے آ ملیں گی۔ اور تب یونکا لوگ اپنی نقابیں اتار پھینکیں گے۔ کہو ایسا ہی ہے نا؟"

"میں نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہے اور میرے باپ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"چنانچہ بیٹی! اس عرصے میں غبار اڑانا ضروری ہے کہ میرے بھالوں کی چمک اس میں چھپی رہے اور بیٹی! وہ غبار تم ہو۔ کل بوڑھا انکا اوپانگی اپنے چند دوستوں کے ساتھ یہاں، مجھ سے ملاقات کرنے آ رہا ہے ــــ میں تمھارے چہرے پر تمہارا سوال پڑھ رہا ہوں اور وہ ہے ــــ تو اے باپ تم بوڑھے انکا اور اس کی تھوڑی سی فوج کو ٹھکانے کیوں نہیں لگا دیتے ہو ــــ اس کا سبب یہ ہے کہ انکا بوڑھا اور دماغی اور جسمانی طور پر کمزور ہو چکا ہے اور عصائے حکومت رکھ دینے والا ہے۔ اب اگر میں نے اسے قتل کر دیا تو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ اپنا بیٹا اوردکو پیچھے چھوڑ جائے گا جو انکا بنے گا اور پھر اس کے ساتھ جو سپاہی آ رہے ہیں وہ پوری فوج کا ذرہ برابر حصہ ہیں۔ اس کے علاوہ وہ میرا مہمان ہوگا اور دیوتا اس شخص سے خفا ہو جاتے ہیں جو اپنے مہمان کو قتل

کرتے ہیں اور پھر یہ بھی ہوگا کہ اس کے بعد لوگوں کا اعتبار مجھ پر سے اٹھ جائے گا۔

"اور اب میں نے کہا۔ اے باپ! تم نے مجھے غبار کہا ہے۔ پھر یہ معمولی سا اور حقیر غبار تمہارے لئے اور قوم کے لئے کس طرح مفید ثابت ہو سکتا اور کیا خدمت کر سکتا ہے؟"

"اور میرے باپ نے جواب دیا۔ اس طرح بیٹی کہ خود تمہاری مرضی سے تمہاری نسبت اوردکو سے کی گئی ہے۔ اب انکا ادیانگی کے کانوں تک یہ افواہ پہونچی ہے کہ جانکا جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ اب یہ بوڑھا جس کا یہ یقیناً آخری سفر ہے، تمھیں اوردکو کی دلھن بنانے کی غرض سے اپنے ساتھ لے جانے آرہا ہے اور اپنے دل میں اس نے کہا ہے۔ اگر یہ افواہیں صحیح ہیں تو پھر بادشاہ ہورا کا اپنی تنہا اولاد اور وارث کو اپنے پاس ہی رکھے گا۔ کیونکہ وہ کبھی کوزدکو پر چڑھائی نہ کرے گا کہ وہاں اس کی بیٹی ہوگی۔ چنانچہ اب اگر میں نے تمھیں اس کے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا تو وہ چلا جائے گا اور اعلان جنگ کر دے گا اور اس سے پہلے کہ ہم اپنی تیاری کو مکمل کر لیں وہ اپنی بے شمار فوج کے ساتھ ہم پر آپڑے گا اور جانکا کو تباہ و برباد کر دے گا۔ اور انھیں غلام بنالے گا۔ چنانچہ بیٹی! صرف میری ہی نہیں بلکہ تمہارے ملک اور وطن کی قسمت بھی تمہارے، اور صرف تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

"اے میرے باپ! تمہاری کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے اور تم نے شروع سے ہی مجھ سے پیار کیا ہے چنانچہ میں تم سے پوچھتی ہوں کہ اور کوئی راستہ نہیں ہے؟ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے؟ یہ زہر مجھے پینا ہی پڑے گا؟

جواب دینے سے پہلے سن لو کہ تمہارا اندازہ صحیح ہے۔ میں نے جب اودو کو سے شادی کرنے کا وعدہ کیا تھا تو اس وقت مجھے اس کی کوئی پروا نہ تھی کہ میرا شوہر کون بنتا ہے لیکن اب میرے دل میں پیار کی آگ بھڑک رہی ہے۔

"میرے باپ نے چند ثانیوں تک میری طرف خاموشی سے دیکھتے رہنے کے بعد کہا ـــــ دخترِ مہتاب اس شادی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے اور ایک ہی جگہ تمہیں پناہ مل سکتی ہے۔ وہی راستہ تمہیں اختیار کرنا چاہیئے۔ موت کا راستہ ـــ اور چاند میں تمہیں پناہ مل سکتی ہے۔ اور وہیں تمہیں جانا چاہیئے۔ مردوں سے شادی کوئی نہیں کرتا۔ اگر واقعی تمہارا دل ایسا ہی ہو گیا ہے جیسا کہ تم کہتی ہو تو بہتر یہی ہے کہ تم مرجاؤ حالانکہ تمہاری موت سے مجھے غم ہوگا لیکن اور کوئی راستہ نہیں ہے اور اس کا بھی مجھے یقین ہے کہ وہ بھی، جس سے تم پیار کرتی ہو، جلد ہی تمہارے پاس پہونچ جائے گا۔ اب جاؤ اور خواب میں آسمانوں سے مشورہ کرو۔ کل اودیاگی کے آنے سے پہلے ہم پھر بات کریں گے۔"

"چنانچہ میں نے اپنے باپ بادشاہ کا ہاتھ چوما اور میں چلی آئی۔ باپ کی شرافت پر میں حیران تھی کہ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو موت کا راستہ بتا رہے تھے حالانکہ میری موت سے ان کا دل ٹوٹ جائے گا، ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا اور میری موت ان کی ساری امیدوں کو خاک میں ملا دیتی۔ تاہم میری قوم کی عورتوں میں یہ راستہ نیا نہیں ہے اور کیوں نہ میں بھی یہی راستہ اختیار کروں جب کہ مجھ سے پہلے ہزاروں عورتیں یہی راستہ اختیار کر چکی ہیں۔"

"تم یہاں کیسے آئیں؟" میں نے پھٹی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میرا خیال تھا کہ اس وقت تم اس باغ میں، جو محل سے ملا ہوا ہے،

ٹہل رہے ہو گے اور پھر ایک سوچے سمجھے ہوئے مقصد کے تحت اس وقت مجھے تنہا چھوڑ دیا گیا ہے اور باغ کا دروازہ بھی کھلا تھا چنانچہ میں چلی آئی اور ایک سوال پوچھنے کے لئے تمھیں یہاں تلاش کر لیا۔"

"کون سا سوال تیولا؟"

"میرے لئے کیا حکم ہے؛ زندہ رہوں یا مر جاؤں؛ حکم دو اور میں ویسا ہی کروں گی۔ لیکن حکم دینے سے پہلے میری بات سن لو کہ تم نے اگر مجھے زندہ رہنے کا حکم دیا تو یہ ہماری آخری ملاقات ہو گی کیونکہ بہت جلد میں اوردوکو کی بیوی بننے اور وہ کردار ادا کرنے، جو میرے سپرد کیا گیا ہے، چلی جاؤں گی۔"

یہ الفاظ سنے تو میں نے محسوس کیا کہ میرا دل میرے سینے میں پھٹ جائے گا اور میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا کہوں۔ چنانچہ سوچنے کا وقت حاصل کرنے کی غرض سے میں نے پوچھا:۔

"تم کیا چاہتی ہو تیولا ۔ زندگی یا موت؟"

وہ ہنسی اور پھر اس نے جواب دیا:۔

"یہ عجیب سوال پوچھا ہے آقا! میں نے کہا نہیں کہ اگر میں زندہ رہی تو مجھے اوردوکو کی بیوی بن کر اپنے آپ کو نجس کرنا پڑے گا اور اگر میں مر گئی تو پاک و صاف جاؤں گی اور اپنے ساتھ اپنی محبت لے کر اس دنیا میں پہونچ جاؤں گی جہاں اوردوکو مجھے پریشان کرنے نہ آسکے گا۔ لیکن وقت آنے پر شاید دوسرا وہاں آئے گا جسے میں چاہتی ہوں۔"

"اور وہ وقت بہت جلد آ جائے گا تیولا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اسے زیادہ دنوں تک زندہ نہ رکھا جائے گا جو اس ساری سازش کو اوندھی

کر دے گا پھر وہ دیوتا ہی کیوں نہ ہو اور وہ زندہ رہنا ہی کیوں نہ چاہتا ہو۔ تاہم میں کہتا ہوں — مرو نہیں — زندہ رہو۔"

"اوردو کو کی ہوس کا شکار بننے کے لئے؟ ایک عاشق کے منہ سے یہ مشورہ عجیب معلوم ہوتا ہے۔ ایسا مشورہ تو ہمارے یہاں کے شرفا کبھی نہیں دیتے۔"

"ہاں قیولا اور یہ مشورہ اس لئے دے رہا ہوں کہ میں تمہاری قوم میں سے نہیں ہوں اور میرے خیالات تمہارے لوگوں کے خیالات نہیں ہیں۔ اور میں اس طرح نہیں سوچتا جس طرح تمہاری قوم کے لوگ سوچتے ہیں۔ تم ابھی اوردو کی بیوی نہیں بنی ہو اور اس سے بچنے کا موت کے علاوہ اور راستہ بھی ہو سکتا ہے اور قبر میں پہونچ جانے کے بعد اور کوئی راستہ نہیں رہ جاتا۔"

"اور آقا قبر میں نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ خطرہ — وہاں اوردو نہیں آسکتا۔ وہاں نہ تو خنگیں ہیں اور نہ سازشیں — وہاں عزت قائم رہتی ہے اور پیار قائم رہتا ہے۔ میں تو کہتی ہوں کہ میں مرجاؤں گی اور سب باتوں کا خاتمہ کر دوں گی۔ رہے مقاصد تو ان کے لئے میری قوم نے قربانیاں دی ہیں۔ جب مجھے اوردو کو دیا جائے گا تو اس وقت میں اپنی جان دے دوں گی اور میں اکیلی نہ مروں گی بلکہ اوردو کو بھی میرے ساتھ مرے گا" اس نے آہستہ سے اضافہ کیا۔

"اور اگر ایسا ہوا تو پھر میں کیا کروں گا؟"

"تم زندہ رہنا آقا اور اپنے لئے دوسری عورت کر لینا، جو تم سے محبت کرے کیونکہ یہی دیوتا کی شان ہے۔ آقا اس ملک میں بہت سی ایسی

عورتیں ہیں جو مجھ سے زیادہ حسین اور عقلمند ہیں اور مجھے چھوڑ کر تم جسے چاہو اپنی بیوی بنا سکتے ہو۔"

"پیتولا! میں ایک کہانی تمھیں سنانا چاہتا ہوں۔"

اور میں نے مختصر لفظوں میں بلا نشٹے کی کہانی سنا دی۔ وہ ایک ایک لفظ غور سے سنتی رہی۔

"ہائے تمھارے لئے میرا دل جلتا ہے" جب میں خاموش ہوا تو وہ بولی۔

"میرے لئے تمھارا دل جلتا ہے اس کے باوجود تم بھی میرے لئے وہی کرنا چاہتی ہو جو اس نے کیا چنانچہ اس طرح میرے دونوں ہی ہاتھ خون میں رنگ جائیں گے اور میں تو پاگل ہو جاؤں گا اور میری قاتلہ تم ہو گی۔"

"نہیں نہیں" وہ بڑبڑائی۔

"تو پھر قسم کھاؤ کہ تم اپنے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤ گی چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے اور اگر تمھیں مرنا ہی ہوا تو میرے ساتھ مرو گی۔"

"میرے آقا ایسی محبت ہے تمھیں مجھ سے کہ تم میرے لئے ایسا خطرہ مول لو گے؟"

"ہاں اگر تمھیں مجھ سے الگ کر دیا گیا تو میں یہاں تنہائی اور جلاوطنی میں نہ رہوں گا۔ پھر اس میں میرا گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ لیکن تم قسم کھاتی ہو؟"

"ہاں میرے پیارے اور میرے آقا! میں تمھاری خاطر قسم کھاتی ہوں اور میں اپنی قسم میں اتنا اضافہ اور کرتی ہوں کہ اگر ہم ان خطرات

سے بچ گئے اور ہمارا ملاپ ہوگیا تو میں تمھاری ایسی وفادار بیوی بنوں گی کہ کبھی کسی مرد کی ایسی بیوی نہ رہی ہوگی۔ میں تمھیں اپنے پیار کے ہالے میں لے کر اتنا بلند کروں گی کہ تم بادشاہ بن جاؤ گے تاکہ تم شان و شوکت سے اور عیش و آرام میں رہو اور اپنا وہ گھر بھول جاؤ جو سمندر کے اس پار ہے۔ اور تمھاری اولاد بھی ہوگی اور تم ان سے شرمندہ نہ ہوگے حالانکہ ان کی رگوں میں میرا گہرا خون گردش کر رہا ہوگا اور فوجیں تمھارے ماتحت ہوں گی اور سونے سے بھرے ہوئے محلات تمھارے ہوں گے۔ ہاں ساری خوشیاں تمھارے لئے ہوں گی۔ اور اگر دیوتاؤں نے اس کے خلاف کیا اور ہم اس دنیا سے ایک ساتھ رخصت ہوئے تو پھر وہاں ــــ دوسری دنیا میں میں تمھیں اور بھی عمدہ تحائف دوں گی حالانکہ میں نہیں جانتی کہ یہ تحائف کیا ہوں ــــ کیونکہ تم جانو محبت کبھی ختم نہیں ہوتی، نہ اس دنیا میں اور نہ اس دنیا میں۔"

میں نے تاروں کی روشنی میں اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور اس پر عجیب دمک تھی۔ یہ کسی اور کا نہیں بلکہ مقدس دیوی کا چہرہ تھا اور یہ دمک تقدس کی تھی۔

"اب میں چلتی ہوں" اس نے آہستہ سے کہا "لیکن اب میرے دل میں کوئی خوف نہیں ہے۔ اب شاید ہماری ملاقات نہ ہو یا اگر ہو تو شاید ہمیں بات کرنے کا موقع نہ ملے لیکن مجھ پر بھروسا رکھنا۔ تم اپنا کردار ادا کرو اور میں اپنا کردار ادا کروں گی۔ جہاں بھی مجھے لے جایا جائے تم میرے پیچھے وہیں آجانا اور اگر ہو سکے تو میرے قریب ہی رہنا۔ اسی طرح ہم ساتھ رہیں گے۔ الوداع میرے پیارے۔ میرا بوسہ لو اور مجھے

رخصت کر دو۔"

دوسرے ہی لمحے وہ مجھ سے رخصت ہو کر اندھیرے کے سایوں میں گم ہو چکی تھی۔

وہ چلی گئی اور میں اپنے خیالات میں گم جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ پتہ نہیں کب تک میں یونہی کھڑا رہتا کہ ایک آواز سن کر چونکا۔ کوئی میرے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

"کون ہے؟" میں نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا کیونکہ اس کا چہرہ مجھے نظر نہ آرہا تھا۔

"میں ہوں" یہ کارتی کی آواز تھی۔

"ایں! تو پھر یہاں کیسے آگئے؟ میں نے تو کسی کو اس طرف آتے نہیں دیکھا"

"آقا! تم سمجھتے ہو کہ اکیلے تمھیں کو باغ کی ٹھنڈک میں چہل قدمی کرنا پسند ہے؟ میں تم سے پہلے یہاں آیا تھا اور اس درخت کے پیچھے تھا" اور اس نے تین قدم دور پام کے درخت کی طرف اشارہ کیا۔

"تو پھر کارتی تم نے دیکھا ــــ؟"

"ہاں آقا۔ میں نے دیکھا بھی اور سنا بھی لیکن ہر بات نہیں کیوں کہ ایک مقام ایسا بھی آیا جب میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ اس کے باوجود بہت کچھ دیکھا اور بہت کچھ سنا۔"

"کارتی! میرا جی چاہتا ہے کہ تمھیں قتل کر دوں" میں نے دانت پیس کر کہا "تم جاسوسی کرتے ہو میری۔"

"یہی میرا بھی خیال تھا آقا" اس نے بے حد ملائمت سے کہا "اسی

لیے ہیں، جیسا کہ تم دیکھ سکتے ہو، تم سے دور کھڑا ہوا ہوں۔ تم سوچ رہے ہو گے کہ میں یہاں کیوں آیا۔ میں بتاتا ہوں۔ میں اس غرض سے یہاں نہیں آیا تھا کہ تمھیں پیار کرتے دیکھوں ـــ کیونکہ ان باتوں سے میں اکتا گیا ہوں ـــ البتہ میں وہ راز معلوم کرنے کی غرض سے آیا تھا جس کی وجہ سے پیار مات کھا جاتا ہے اور یہ اسرار میں نے معلوم کر لیے ہیں۔ یہی ایک راستہ تھا جس کے ذریعہ میں پیار کی مات کا راز یا اس کے اسرار معلوم کر سکتا تھا۔"

"دکاری! یقیناً تم قتل کر دینے کے قابل ہو" میں نے غصّے میں کہا۔

"تمھارا یہ خیال شاید غلط ہے۔ پہلے میری بات سنو اور پھر خود ہی فیصلہ کرو۔ میں اپنی داستان کا کچھ حصہ تمھیں سنا چکا ہوں اور اب آگے سناتا ہوں اس کے بعد ہی ہم اس مسئلے پر بحث کریں گے کہ میں کس قابل ہوں اور کس قابل نہیں ہوں۔ سنو میں اوپانگی کا بڑا بیٹا ہوں اور اوردکو جس کے متعلق تم دونوں باتیں کر رہے تھے، میرا چھوٹا بھائی ہے لیکن ہمارا باپ اوپانگی اوردکو کی ماں کا شیدا تھا اور میری ماں کو چاہتا نہ تھا اور جب اوردکو کی ماں کا آخری وقت تھا تو میرے باپ نے اس کے سامنے قسم کھائی تھی کہ اس کا، یعنی مرنے والے کا بیٹا اوردکو ہی انکا بنے گا۔ چنانچہ میرا باپ مجھ سے نفرت کرتا تھا کیونکہ میں اوردکو کی راہ کا روڑا تھا چنانچہ یوں مجھ پر بہت سے مصائب ٹوٹ پڑے۔ اور مجھے اوردکو کے سپرد کر دیا گیا۔ چنانچہ اس نے میری بیوی ہتھیا لی۔ اور مجھے زہر دینے کی کوشش کی اور اس کے بعد کی داستان سے تم واقف ہو۔ اب یہ میرے لئے ضروری ہو گیا کہ صورت حال سے باخبر رہا جاتا، حقیقت

حاصل کروں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمھاری اور اس خاتون کی باتیں سنیں اور معلوم ہوا کہ میرا باپ ادیانکی کل یہاں آرہا ہے۔ چنانچہ اب مجھے کہیں غائب ہو جانا چاہیئے کیونکہ ادیانکی یا اس کے خفیہ مجھے پہچان لیں گے اور چونکہ وہ لوگ اورو کو کے حمایتی ہیں دوست ہیں۔ اس لئے شاید میں ایک بار پھر زہر کا مزہ چکھوں گا اور اس دفعہ کا زہر پہلے سے زیادہ تیز، قاتل اور زود اثر ہوگا۔"

"لیکن تم غائب کہاں ہو جاؤ گے؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا آقا اور اگر جانتا بھی تو نہ بتاتا کیونکہ ابھی ابھی میں نے دیکھا کہ راز ایک سے دوسرے کے کان تک کس طرح پہونچ جاتا ہے۔ مجھے کہیں روپوش ہو جانا ہے۔ بس تمھارے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ لیکن اس سے تم یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تمھیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ نہیں آقا! یہاں اپنے ملک میں میں تمھاری حفاظت کروں گا جس طرح اپنے ملک میں تم نے میری حفاظت کی تھی۔"

"شکریہ کاری۔ تم واقعی میری حفاظت کر رہے ہو اور اکثر دفعہ تو تمھاری یہ حفاظت حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔"

"تمھارا خیال ہے کہ تمھاری اور اس خاتون کی جاسوسی کر کے میں تسکین حاصل کرتا ہوں۔ لیکن ایسی بات نہیں ہے میں جو کچھ کر رہا ہوں تمھارے بھلے کے لئے کر رہا ہوں۔ میں تم دونوں کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو میں تمھارا گوہر مقصود دلا دوں۔ وہ خاتون بڑے دل کی عورت ہے جیسا کہ مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے اور تم نے اس سے محبت کر کے غلط نہیں کیا اور اس نے بھی تم سے پیار کر کے غلط نہیں کیا۔ چنانچہ اگر

ہو سکا تو میں اسے اورو کو سے بچاؤں گا اور اسے تمھاری باہنوں میں پہونچا دوں گا حالانکہ جانتا ہوں کہ اس میں خطرات بہت ہیں اور زبردست ہیں نہیں۔ یہ نہ پوچھو کہ کس طرح کہ فی الحال تو میں بھی نہیں جانتا اور معاملہ بڑا ہی ٹیڑھا معلوم ہوتا ہے"

"لیکن اگر تم چلے گئے تو میں اکیلا کیا کروں گا؟" میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"تم یہیں رہو اور یہ ظاہر کر دینا کہ تمھارا غلام زیانہ تمھیں چھوڑ کر چلا گیا ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تمھارے لئے بھی اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہوگا کیونکہ بادشاہ قطعی نہ چاہے گا کہ تم اس کی بیٹی کے ساتھ کوزو کو جاؤ چاہے ادیانکی تمھیں اپنے ساتھ لے جانا کیوں نہ چاہے اور ادیانکی کے ساتھ جانا عقلمندی بھی نہیں ہے۔ اگر ادیانکی تمھیں اپنے ساتھ لے بھی گیا تو راستے میں ہی تمھیں بدقسمتی آلے گی۔ آقا! اکثر عورتیں اپنی محبت چھپا نہیں سکتیں اور وہ ان کی آنکھوں سے چھلکی پڑتی ہے اور اب یہ ہوگا کہ بہت سے اس کی آنکھوں پر نظر رکھیں گے اور اس کے دل کا راز معلوم کرنا چاہیں گے اچھا تو اب میں رخصت ہوتا ہوں چنانچہ اس وقت تک کے لئے الوداع جب تک کہ میں دوبارہ نہیں آجاتا یا اپنا کوئی پیغامبر تمھارے پاس نہیں بھیج دیتا۔ مجھ پر اعتبار کرنا آقا۔ کسی اور کو میں بے وفا ہی کیوں نہ معلوم ہوں لیکن میں تمھارا وفادار ہوں اور وفادار رہوں گا۔ ہاں تمھارا اور اس دوسری ہستی کا بھی کہ وہ تمھاری زندگی بن گئی ہے"

اور اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر چوما اور دوسرے ہی لمحے وہ اندھیرے میں غائب ہو چکا تھا۔

چھٹا باب (۶)

انتخاب

مجھ پر اتنی کچھ بیت گئی تھی اور خوشگوار اور ناخوشگوار اتنے بہت سے واقعات ہو گئے تھے کہ اس رات میں سو نہ سکا۔ مجھے پیار ملا تھا۔ لیکن جس نے پیار دیا تھا وہ بہت جلد مجھ سے بچھڑ جانے والی تھی اور اس کی آغوش میں دے دی جانے والی تھی جس سے وہ نفرت کرتی تھی اور یوں وہ ایک جنگجو قوم کی سازشوں کا شکار بننے والی تھی اور ان کے شیطانی قاعدوں اور منصوبوں پر بھینٹ چڑھ جانے والی تھی۔ میں نے اسے بڑے دلاسے دئے تھے اور بڑے امید افزا الفاظ کہے تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ میرے دل میں امید کی رمق تک نہ تھی۔ چنانچہ اب وہ وہی کرنے جا رہی تھی جسے وہ اپنا فرض سمجھتی تھی اور اپنا یہ فرض وہ انجام تک ادا کرنے والی تھی۔ اور اگر وہ اپنے وعدے پر قائم رہی تو اس کا انجام اعبہ کوکی باہوں میں ہی ہونے والا تھا۔ ان باہوں سے اس کے بچنے کی کوئی صورت مجھے تو نظر نہ آرہی تھی اور یہ خیال ہی مجھے پاگل کئے دے رہا تھا۔ اس کے علاوہ وہ مجھے بالکل اکیلا چھوڑ کر کاری بھی چلا گیا تھا اور وہ واپس آئے گا یا نہیں یہ میں نہ جانتا تھا ــــ میرا تو جی چاہ رہا تھا کہ میں مر ہی جاؤں۔

آخر کار صبح ہوئی، میں اٹھا اور اپنے خادم زیانہ کو آواز دی۔ جواب میں دو سرے خادم دوڑے آئے اور انھوں نے بتایا کہ زیانہ کا

کمیں پتہ نہیں ہے اس پر میں نے حیرت اور شفقت کا اظہار کیا۔ بہرحال دوسرے خادم میری خدمت میں حاضر رہے اور میری مؤدبانہ خدمت کی۔ ابھی میں ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ پیغامبر نے کہا کہ بادشاہ حضور آکا نے مجھے طلب کیا تھا۔

چنانچہ حسب معمول میں ڈولی میں سوار ہو کر روانہ ہوا حالانکہ میری قیامگاہ اور محل کے درمیان صرف ایک تیر کا فاصلہ تھا۔ محل کے دروازے پر جس کی ساخت ان دوسرے دروازوں کی سی ہی تھی جو میں نے اب تک دیکھے تھے، سپاہیوں اور خاص قسم کے لباس میں ملبوس خادموں نے میرا استقبال کیا۔ یہ لوگ مجھے ایک اندرونی صحن میں لے آئے جیسے شاید کسی رسم یا جشن کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ یہ صحن عبور کر کے ہم اس کے دوسرے سرے پر ایک چھوٹے سے کمرے میں پہونچے۔ جب میری آنکھیں کمرے کی نیم تاریکی کی عادی ہوئیں تو میں نے دیکھا کہ ایک تپائی پر ایک ساٹھ سالہ بوڑھا بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پیچھے دو سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ یہاں ایک بات میں نے خصوصیت سے دیکھی سادگی۔ ہر چیز میں اور ہر بات میں سادگی۔ کمرے کی دیواریں سفید تھیں، فرش میں پتھر جڑے ہوئے تھے۔ وہ تپائی پر بیٹھا ہوا بوڑھا تھا اور وہ لباس جو بوڑھے نے پہن رکھا تھا وہ بھی سادا تھا۔ یہاں نہ سونا تھا، نہ چاندی تھی اور نہ ہی سونے کے تاروں والی زرق برق پوشاکیں تھیں اور نہ ہی سجاوٹ کی قیمتی چیزیں تھی جیسی کہ یہاں کے لوگوں کو پسند تھیں۔ اور یہ سادگی ایک سپاہی کے شایان شان تھی اور سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنے چوڑے چکلے سینے اور چہرے پر کے نشانات کی وجہ سے سپاہی معلوم

ہوتا تھا اور اس کی آنکھوں میں چمک تھی اور نظر گہری تھی۔

میں کمرے میں داخل ہوا تو بادشاہ ہوراکا ۔۔ کیونکہ یہ بوڑھا بادشاہ ہوراکا ہی تھا ۔۔ اٹھا اور کمر جھکا کر میرے سامنے جھک گیا جواب میں میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ پھر اس نے ایک سپاہی کو میرے لئے تپائی لانے کا اشارہ کیا۔ میں تپائی پر بیٹھ گیا تو ہوراکا نے نیچی مگر گونجدار آواز میں مجھے مخاطب کیا اور اس زبان میں جو کاری نے مجھے سکھائی تھی۔

"سلام ہو تم پر اے دیوتائے بحر! اے سنہری ڈاڑھی والے آقا ہوراچی کہو! تم بات سمجھتے ہو میری؟"

یوں کہا اس نے اور اپنی بڑے جیسی نظر سے میرا جائزہ لیتا رہا لیکن میں نے دیکھا کہ اس کی نظریں میری زرہ اور تلوار شعلہ بار پر ہی ٹکی رہیں۔

میں نے اس کے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ میں اس کی زبان سمجھ سکتا ہوں حالانکہ بہت اچھی طرح سے نہیں۔ اس پر اس نے میری زرہ اور تلوار کا ذکر کیا جس نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا کیونکہ اس نے پہلے کبھی فولاد نہ دیکھا تھا۔

"ایسی مجھے چند ایک بنا دو" اس نے کہا "اور میں اس کے وزن سے دس گنا سونا تمہیں دوں گا جو کسی کام کا نہیں ہے کیونکہ سونے سے دشمن کو مارا نہیں جا سکتا۔"

"میرے ملک میں سونے سے دشمن کو توڑا جا سکتا ہے" میں نے جواب دیا" یا اسے خرید کر دوست بنایا جا سکتا ہے۔"

"تو تمہارا کوئی ملک بھی ہے" بوڑھے نے تلخی سے کہا "میرا تو خیال تھا کہ دیوتاؤں کا کوئی ملک نہیں ہوتا"

"دیوتا بھی کسی جگہ تو رہتے ہی ہیں۔"

وہ ہنسا اور دونوں سپاہیوں کی طرف گھوم کر انہیں چلے جانے کا اشارہ کیا۔ جب وہ لوگ چلے گئے۔ دروازہ بند ہوگیا اور ہم دونوں اکیلے رہ گئے تو اس نے کہا :-

"میرے آقا ہوراجی! اپنی بیٹی سے میں نے سن لیا ہے کہ تم اسے سمندر میں سے کس طرح ملے۔ بے حد دلچسپ اور حیرت انگیز داستان ہے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے یا اندازاً معلوم کر لیا ہے کہ میری بیٹی کا دل تمہاری طرف مڑ گیا ہے اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ تمہاری شخصیت ہی ایسی ہے اور تم ایسے ہی مرد ہو کہ عورتوں کے دل تمہاری طرف مائل ہو جائیں۔ اور عورتیں ان مردوں سے تو پیار کرتی ہی ہیں جو ان کے خیال میں نجات دہندہ ہوتے ہیں بشرطیکہ تم مرد ہی ہو اور اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو ـــ یہ سچ ہے آقا ہوراجی؟"

"مناسب ہوگا کہ تم خود قیولا سے پوچھو۔"

"شاید میں نے قیولا سے پوچھ لیا ہے اور کم سے کم یہ تو ظاہر ہوا کہ تم انکار نہیں کر رہے ہو۔ اب سنو میرے آقا ہوراجی! تم ہمارے معزز مہمان ہو اور ایک چیز کو چھوڑ کر جو میرا ہے وہ سب تمہارا ہے لیکن ـــ لیکن اب تم قیولا سے رات کے اندھیرے میں اور باغ میں کبھی نہ ملوگے اور نہ اس سے بات کروگے۔"

میں نے بوڑھے کو جھٹلانے یا اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش نہ کی کیونکہ بوڑھا ساری باتوں سے واقف معلوم ہوتا تھا ـــ کس طرح؟ یہ میں نہیں جانتا اور نہ ہی یہ پوچھنا مناسب سمجھا۔

"کیوں؟" میں نے پوچھا

"میرا خیال تھا کہ میری بیٹی نے تمھیں سب کچھ بتا دیا ہو گا لیکن اگر تم میری زبانی سننا چاہتے ہو تو سنو۔ قیتولا کی نسبت ہو چکی ہے اور اس کی شادی کا وعدہ کیا جا چکا ہے اور اگر وہ زندہ رہی تو یہ وعدہ پورا کرنا ضرور ہو گا کیونکہ اسی پر ایک قوم کی قسمت کا انحصار ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ آئندہ سے تم دونوں کی ملاقات باغ میں نہ ہو حالانکہ ایسی عمدہ جوڑی کو الگ کرتے میرا دل دکھتا ہے لیکن مجبوری ہے اور جان لو آقا ہوراجی کہ اگر آئندہ تم اس سے باغ میں یا کسی جگہ ملے تو پھر قیتولا کے لیے موت ہو گی اور تمھارے لئے بھی بشرطیکہ دیوتاؤں کا مرنا ممکن ہو۔"

چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے کہا:۔

"بادشاہ ہوراکا! تم نے یہ بڑے بھاری الفاظ کہے ہیں کیوں کہ میں تمھاری بیٹی سے پیار کرتا ہوں اور وہ بھی مجھ سے پیار کرتی ہے اور مجھے اپنا شوہر بنانا چاہتی ہے۔"

"ہاں۔ یہ میں جانتا ہوں اور یقین کرو کہ تم دونوں کے لئے میرا دل جلتا ہے۔"

"بادشاہ ہوراکا!" میں نے کہا "اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تم ایک سپاہی اور لشکر کے آقا ہو اور مجھے خیال آیا ہے کہ شاید تم جنگ کے خواب دیکھ رہے ہو۔"

"ہاں۔ دیوتاؤں کی نظریں دور تک دیکھ سکتی ہیں۔"

"میں دیوتا ہوں چاہے انسان لیکن میں بھی ایک سپاہی ہوں اور ان فنونِ حرب سے واقف ہوں جن سے نہ تم واقف ہو اور نہ تمھاری قوم

واقف ہے۔ اس کے علاوہ اس جادوئی لباس کی وجہ سے، جو میں نے پہن رکھا ہے، ہتھیار مجھ پر اثر نہیں کر سکتے۔ اور جنگ میں کوئی میرا مقابلہ نہیں کر سکتا اور کوئی میرے سامنے ٹھک نہیں سکتا کیونکہ میرے پاس جادوئی تلوار بھی ہے اور میں ایک سپہ سالار کی سی مہارت اور جرنیل کی سی نظر سے میدانِ جنگ میں سپاہیوں کو لڑا سکتا ہوں۔ بادشاہ ہوراکا! میں تمہاری بیٹی کے شوہر اور تمہارے بیٹے کے طور پر جنگِ عظیم میں تمہارے کام آ سکتا ہوں اور فنونِ حرب میں میری مہارت شاید تمہیں اور تمہاری قوم کو فتح دلا سکتی ہے۔"

"ہاں بے شک ایسا ہی ہے لیسر بجر۔"

"اسی طرح اے بادشاہ اگر میں دشمن کی طرف ہوا تو ان کے لئے فتح اور تمہارے لئے شکست کا تحفہ لا سکتا ہوں۔ اب بتاؤ میں کس کا ساتھ دوں؟ تمہارا یا ان کا؟"

"میرا" اس نے بڑے اشتیاق سے کہا "ہاں میرا ساتھ دو اور اس ملک کی ساری دولت تمہاری ہو گی اور میری پوری فوج تمہارے ماتحت ہو گی اور تمہارے اوپر کوئی اور سردار نہ ہو گا سوائے میرے۔ تمہارے محلات ہوں گے، سونا اور چاندی ہو گا اور ملک کی حسین ترین لڑکیاں تمہاری بیویاں بنیں گی اور تمہاری پرستش کی جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ میرے بعد تم بادشاہ بنو نہ صرف میری مملکت کے بلکہ اس مملکت کے بھی جو بہت بڑی ہے۔"

"تمہاری پیش کش بری تو نہیں لیکن میرے لئے کافی نہیں ہے۔ مجھے اپنی بیٹی قیولا دے دو اور دوسرا سب کچھ تم رکھ لو۔"

"یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس طرح مجھے وعدہ خلافی کرنی پڑے گی۔"

"تو پھر اے بادشاہ میں اپنی خدمات تمھارے لئے وقف نہیں کر سکتا۔ اور اگر تم نے مجھے پہلے قتل نہ کر دیا۔ بشرطیکہ تم ایسا کر سکے۔ تو پھر میں تمھارا دوست نہیں بلکہ دشمن بنوں گا۔"

"کیا دیوتا کو قتل کیا جا سکتا ہے؟ اگر ہاں تو کیا مہمان کو قتل کیا جا سکتا ہے؟ تم جانتے ہو آقا کہ یہ بڑی ذلیل حرکت ہے۔ مہمان کا خون مقدس ہوتا ہے۔ آقا! تم میرے ملک میں آئے ہو اور میرے ہی ملک میں تمھیں رہنا ہے البتہ چاندی کے اس خول کے نیچے تمھارے بازو ہوں جن سے تم پرواز کر سکو تو بات دوسری ہے۔ تیولا یہاں سے چلی جائے گی لیکن میرے آقا ہوراچی تم یہیں رہو گے۔"

"شاید مجھے بازو مل جائیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں ہو سکتا ہے آقا کیونکہ کہتے ہیں کہ مردے پرواز کر سکتے ہیں چنانچہ اگر میں نے تمھیں قتل نہ کیا تو دوسرے تمھیں قتل کر دیں گے چنانچہ میری مانو اور یہیں رہو اور میرا ملک جو چیزیں پیش کرتا ہے انھیں اپنے استعمال میں لاؤ اور چاند کا (اس کی مراد تیولا سے تھی) تعاقب شہر کوزاکوتک، جواب اس کا گھر ہو گا، کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

اب کہنے کو کچھ نہ رہ گیا تھا اور ہم دونوں کے درمیان گویا اعلان جنگ ہو چکا تھا چنانچہ میں بادشاہ سے رخصت ہونے کے لئے اٹھا۔ وہ بھی اٹھا اور پھر یکایک کچھ سوچ کر بولا کہ وہ میرے خادم زیاآنہ سے چند باتیں پوچھنا چاہتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ زیاآنہ کہیں چلا گیا ہے اور یہ کہ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں گیا ہے۔"

یہ سن کر وہ قدرے پریشان ہو گیا اور قدرے سختی سے مجھ سے پوچھ ہی

رہا تھا کہ زپانہ کون تھا اور میری اس سے ملاقات کہاں ہوئی تھی وغیرہ کہ دروازہ کھلا اور فیولا آگئی۔ اس وقت اس نے اور بھی زرق برق پوشاک پہن رکھی تھی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔ وہ پہلے بادشاہ کے سامنے اور پھر میرے سامنے جھک کر بولی:-

"میرے آقا اور اے میرے باپ! میں یہ اطلاع دینے آئی ہوں کہ انکا اوپانگی اپنے شہزادوں اور افسروں کے ساتھ قریب آگیا ہے"

"اچھا" ہوراکا نے کہا "تو پھر بیٹی تم سفید فام دیوتا کے بجرے اسی جگہ اور اسی وقت رخصت ہو لو کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم اوپانگی کے ساتھ ہی شہر کوزو کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ تمھیں لینے ہی آیا ہے کہ وہاں وہ تمھیں پسر آفتاب اُردوکو کی بیوی بنادے جو بہت جلد انکا بن جائے گا"

"تمہارے حکم کے مطابق میں سفید فام آقا ہوراچی سے رخصت ہوتی ہوں۔ لیکن جان تو اے میرے باپ کہ میں اس سفید فام دیوتا سے پیار کرتی ہوں اور یہ بھی مجھ سے پیار کرتا ہے چنانچہ میں اُردوکو کی خدمت میں پیش تو کردی جاؤں گی جس طرح کہ سنہرا جام پیش کیا جاتا ہے لیکن وہ اس جام سے کبھی پی نہ سکے گا اور اصل میں میں اس کی بیوی نہ بنوں گی"

"بیٹی! تم بہت بہادر اور نڈر ہو اور یہ خصوصیات مجھے پسند ہیں" ہوراکا نے کہا "رہیں دوسری باتیں تو تمھیں اختیار ہے اگر تم اس سانپ کی گرفت سے کسی طرح نکل سکو تو بے شک نکل آنا کیونکہ میرا وعدہ بہر حال پورا ہو جائے گا اور میری ناک سلامت رہے گی۔ لیکن تم یہاں واپس نہ آؤ گی اور آقا ہوراچی تمھارے ساتھ شہر کوزو کو جائے گا"

"اس کا تو یہ ہے کہ جیسا دیوتا چاہیں گے ویسا ہی ہوگا اور اس وقت

ایسا ہی ہوگا جیسا تم چاہتے ہو ۔ آقا ہورا جی! جب تک اس زندگی یا دوسری زندگی میں ہماری ملاقات نہیں ہو جاتی تب تک کے لئے الوداع ۔"
اور وہ چلی گئی اور چند ثانیوں بعد ہم بھی کمرے سے باہر آ گئے۔

محل کے سامنے عمارتوں سے گھرا ہوا ایک وسیع و عریض میدان تھا البتہ مشرق کی سمت سے کھلا ہوا تھا۔ اس میدان میں مسلح سپاہیوں کے دستے صف در صف کھڑے ہوئے تھے اور ان کے سامنے رنگین پردوں سے آراستہ ایک شہ نشین تھی۔ اس شہ نشین پر رکھے ہوئے تخت پر بادشاہ ہورا کا بیٹھ گیا اس وقت بھی وہ سفید اور سادے چغے میں ملبوس تھا البتہ اس وقت اس نے اپنے سر پر سونے کا تاج رکھ لیا تھا۔ اور ہاتھ میں بڑا سا نیزہ تھا۔ اس کے دائیں طرف نسبتاً چھوٹے تخت پر فیولا بیٹھی تھی۔ بائیں طرف ایک تخت اور تھا۔ یہ سونے کا اور منقش تخت خالی تھا۔ اس خالی تخت اور ہورا کا کے تخت کے درمیان ایک بلند کرسی رکھی ہوئی تھی۔ اس کرسی پر جسے ایسے رخ سے رکھا گیا تھا کہ سب مجھے دیکھ سکتے تھے، مجھے بیٹھنے کو کہا گیا۔ شہ نشین پر چاروں طرف امراء، مشیر اور افسر کھڑے ہوئے تھے۔
ابھی ہم آکر بیٹھے ہی تھے کہ میدان کے عین سامنے والی ڈھلان کے پیچھے سے چند نقیب نکل کر سامنے آئے ان کے ہاتھوں میں بھالے تھے اور ان کا لباس خیرہ کن تھا۔
"لیسر آفتاب انکا اوپانکی اور وہ دیوتا جو روئے زمین کا حکمران ہے قریب آ گیا" نقیبوں نے چیخ کر اعلان کیا۔
"آنے دو" ہورا کا نے کہا۔

اور نقیب چلے گئے۔

اور کچھ ہی دیر بعد ہمارے کانوں میں وحشیانہ قسم کے باجے اور گانے کی آوازیں آئیں اور چند ثانیوں بعد اسی ڈھلان کے پیچھے سے ایک چمکتی ہوئی ڈولی نمودار ہوئی جسے ان لوگوں نے اپنے شانوں پر اٹھا رکھا تھا جو شاہانہ لباس میں ملبوس تھے اور حقیقت میں جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا یہ شاہی خاندان سے تھے اور شہزادے ہی تھے۔ ڈولی کو خوبصورت عورتوں نے گھیر رکھا تھا اور ان عورتوں نے جڑاؤ پنکھے اٹھا رکھے تھے۔ ان کے بعد امرا کے پرے تھے۔ یہ انکا (دیانکی) کی ڈولی تھی اور اس کے پیچھے محافظ سپاہیوں کا دستہ تھا ان کی تعداد سو سے زیادہ نہ تھی۔

تخت کے سامنے ڈولی رکھ دی گئی، سنہرے پردے ہٹائے گئے اور ڈولی میں سے جو شخص باہر آیا اس کے لباس نے آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دی۔ یہ لباس اون کا تھا جو اس میں جڑے ہوئے سونے اور جواہرات کی کثرت سے بوجھل ہو رہا تھا۔ اس کے سر پر عجیب سی ٹوپی تھی اور اس میں بھی جواہرات اور سونے کے تار جڑے ہوئے تھے اور اس میں دو پر لگے ہوئے تھے۔ میرے خیال میں اس ٹوپی کا بوجھ یہی شخص برداشت کر سکتا تھا۔ ٹوپی کے آگے اونی جھالر سی تھی جو اس کے ماتھے پر لٹک رہی تھی۔ یہ انکا کا تاج تھا اور اس قدر مقدس تھا کہ اسے چھو لینے کی سزا بھی موت تھی۔ اور اس کا نام تھا "لاتو"۔ وہ بہت بوڑھا تھا اور اس کے سفید بال اور اس کی داڑھی اس کے زرق برق لباس پر لٹک رہی تھی اور اپنے شاہی عصا کا، جس کے ماتھے پر کافی بڑا زمرد لگا ہوا تھا، سہارا لیے کر اور اسے زمین پر ٹیک ٹیک کر چل رہا تھا۔ اس کا چہرہ بھی طویل عمر کی وجہ سے سُتا

ہوا تھا اور آنکھوں میں جالے تھے۔ اسے دیکھتے ہی سب کے سب کھڑے ہو گئے اور ہوراکا تخت پر سے اتر آیا اور اس نے اونچی آواز میں کہا:۔

"اے انکا! اے اوپانگی! اے کوبچانے کے شہنشاہ! چانکا کی سرزمین میں تمہارا آنا مبارک ہو"

بوڑھا بادشاہ ہوراکا کی طرف چند ثانیوں تک دیکھتا رہا اور پھر بعید باریک آواز میں کہا:۔

"چانکا کے کوراکا ہوراکا کو سلام ہو"

ہوراکا نے کمر میں سے خم ہو کر کہا:۔

"میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن یہاں اپنے لوگوں میں میرا لقب کوراکا نہیں بلکہ بادشاہ ہے"

اوپانگی اپنا جسم کھینچ کر اور تن کر کھڑا ہو گیا اور جواب دیا:۔

"ہوراکا! انکا اپنے علاوہ کسی اور کو بادشاہ نہیں سمجھتے۔ پورے تاونتیسو میں صرف انکا بادشاہ ہے"

"یونہی سہی۔ لیکن چانکا لوگ، جنہیں آج تک کوئی غلام نہیں بنا سکا، ایک اور بادشاہ کو جانتے ہیں اور وہ میں ہوں تشریف رکھیے اے انکا"

انکا اپنے ماتھے پر بل ڈال کر چند ثانیوں تک کھڑا رہا اور شاید کوئی جواب دینے والا تھا کہ اس کی نظر مجھ پر پڑی اور اپنا جواب بھول گیا۔

"یہی ہے وہ سفید فام دیوتا سے بجر؟" اس نے بچوں کے سے تجسس سے پوچھا۔ "میں نے سنا تھا کہ یہ دیوتا یہاں مقیم ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اسی لئے میں یہاں آیا ہوں ۔ تم سے بحث کرنے نہیں بلکہ دیوتا کو

دیکھنے آیا ہوں ـــ تم سے تو' کہتے ہیں کہ بھالے کی زبان سے گفتگو کی جاتی ہے۔ کس قدر سرخ ڈاڑھی ہے اس کی اور اس کا لباس کتنا چمکتا ہے اس سے کہو کہ آگے آئے اور میری پوجا کرے۔"

"یہ آگے تو آئے گا لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہ تمہاری پوجا کرے گا کیونکہ یہ خود دیوتا ہے۔"

"اچھا! ـــ ہاں ـــ اب مجھے یاد آیا ایک ایسے سفید دیوتا کے متعلق جو سمندر میں سے آئے گا جس طرح کہ انکا کے اجداد آئے تھے' عجیب و غریب پیشین گوئیاں مشہور ہیں۔ پیشین گوئیوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب یہ دیوتا آئے گا تو ملک میں بڑی شرارتیں پھیلائے گا چنانچہ بہتر ہوگا کہ یہ میرے بہت زیادہ قریب نہ آئے کیونکہ اس کی اس بہت بڑی تلوار سے مجھے ہول آتا ہے۔ اپنے باپ آفتاب کی قسم یہ تو خاصا بلند قامت اور مضبوط اور طاقتور ہے (میں اپنی کرسی پر سے اٹھا تھا) اور اس کی ڈاڑھی آگ کی طرح ہے جو ساری عورتوں کے دلوں میں آگ لگا دے گی۔ حالانکہ اگر یہ دیوتا ہے تو عورتوں کی طرف متوجہ نہ ہوگا۔ اس کے متعلق میں ساحروں اور ہیکل آفتاب کے مہنت اعظم سے بات چیت کروں گا یہ بہت ضروری ہے۔ اچھا سفید فام دیوتا سے کہو کہ وہ میرے ساتھ شہر کوزو کو چلنے کے لئے تیار ہو جائے۔"

"اے انکا آقا ہوراچی میرے مہمان ہیں اور یہیں رہیں گے۔" ہورا کا نے کہا۔

"بکواس ـــ بکواس ـــ انکا جب کسی کو بھی اپنے دربار میں بلاتا ہے تو وہاں آنا اس کا فرض ہوتا ہے۔ لیکن اس دیوتا کے متعلق بہت سی باتیں

ہو چکیں۔ میں یہاں دوسرے معاملات کے متعلق بات چیت کرنے آیا ہوں کیا ہیں وہ معاملات؟ مجھے بیٹھ کر سوچنے دو۔"

چنانچہ اسے خالی تخت تک لے جایا گیا۔ وہ تخت پر بیٹھ گیا اور دماغ پر زور ڈال کر یاد کرنے لگا جو، میں نے دیکھا، بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا۔ لیکن جب اسے کچھ یاد نہ آیا تو اس نے ایک کرخت اور شیطانی چہرے اور آنکھوں والے اور ادھیڑ عمر کے ایک مشیر کو اپنے قریب بلایا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ مہنت اعظم لاریکو تھا اور انکا اور اس کے بیٹے اوردکو کا مشیر خاص تھا۔ اور بادشاہ اور ولی عہد کے بعد ملک میں اسی کا سکہ چلتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ یہ شخص "کان والے" کے درجہ تک پہونچا ہوا تھا یعنی اس کے کان کی لو، کارنجی ہی کی طرح، چھدی ہوئی تھی۔ یہ سوراخ کھینچ کر بڑا کیا تھا اور اس سوراخ میں سیب کے سائز کی چاندی کی تختی پھنسی ہوئی تھی جس پر سورج کی تصویر کندہ تھی۔

اپنے سٹھیائے ہوئے آقا انکا کے اشارے پر لاریکو نے یوں بولنا شروع کیا جیسے وہ خود انکا ہے۔ اس نے کہا:-

"سنو ہورا کا۔ انکا کے طور پر میں نے یہ آخری سفر کیا ہے کیونکہ اب میں اپنے بیٹے اوردکو کے حق میں تخت سے اتر آؤں گا اور زندگی کے بقیہ دن یوکائی کے محل میں سکون سے گزاروں گا یہاں تک کہ میرا باپ آفتاب مجھے اپنے پاس بلالے۔"

یہاں لاریکو خاموش ہو گیا کہ یہ زبردست اعلان یا خبر سننے والوں کے دلوں میں اتر جائے۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا:-

"میرے، یعنی انکا کے کانوں تک یہ خبر پہونچی ہے کہ تم اے ہوراکا ہمارے خلاف جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہو۔ انہی افواہوں کی تصدیق کے لیے، حالانکہ مجھے ان پر یقین نہ تھا، کچھ عرصہ پہلے میں نے اپنا وفد تمہارے پاس بھیجا تھا اور اپنے بیٹے اوردکو کا پیغام تمہاری اکلوتی بیٹی قیولا کے لئے دیا تھا کہ ماں کی طرف سے اس کی رگوں میں انکا کا مقدس خون ہے۔ چنانچہ وفد نے کہا تھا کہ تمہاری بیٹی اوردکو کی "کویا" (ملکہ) اور اس بیٹے کی ماں بنے جو تاج وتخت کا وارث ہوگا۔"

"اے انکا! وہ وفد آیا تھا اور میرا جواب لے کر گیا تھا۔" ہوراکا نے کہا۔

"ہاں۔ اور جواب یہ تھا کہ قیولا کو شہزادے اوردکو کی شادی میں دیا جائے گا۔ لیکن چونکہ اس وفد کی آمد کے وقت قیولا کہیں باہر گئی ہوئی تھی اس لئے اسی وقت اسے رخصت کرنا ممکن نہ تھا لیکن اس کے بعد مزید افواہیں میرے کانوں تک پہونچیں کہ تم اب بھی جنگ کی تیاریاں کر رہے ہو اور میری رعایا سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے انھیں میرے خلاف بھڑکا رہے ہو اور اپنی حمایت اور مدد کے لئے بلا رہے ہو۔ چنانچہ قیولا کو لے جانے میں خود آیا ہوں کہ اسے شہزادے اوردکو کے سپرد کردوں۔"

"شہزادہ اوردکو خود کیوں نہ آئے؟" ہوراکا نے پوچھا۔

"میں کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا چنانچہ بتاتا ہوں کہ شہزادہ اوردکو کیوں نہ آئے۔ اس لئے کہ اگر وہ آتا تو شاید تم سازش کر کے اسے قتل کر دیتے اور تم جانو وہ مملکت کی امیدوں کا سہارا ہے۔"

"ایسا تو میں تمہارے لئے بھی کر سکتا ہوں۔"

"ہاں۔ یہ میں جانتا ہوں لیکن اس سے تمھیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیوں کہ شہزادہ کوزدکو میں بیٹھا ہوا ہے جو فوراً بادشاہ بن جائے گا۔ اس کے علاوہ میں بوڑھا ہوں اور اب اس کی مجھے پروا نہیں کہ میں کب اور کیسے مرتا ہوں اس کے علاوہ ایک بوڑھے مہمان کو قتل کر کے دیوتاؤں کا غضب کون مول لینا پسند کرے گا۔ چنانچہ دیکھو میں یہاں، اپنے گنتی کے ساتھیوں کے ساتھ، تمھارے درمیان بے خوف بیٹھا ہوا ہوں اور مجھے تم پر اعتبار ہے اور اپنے باپ آفتاب پر بھروسا ہے کہ وہ میری حفاظت کرے گا۔ اب بتاؤ کہ تم اپنی بیٹی کا ہاتھ میرے بیٹے کے ہاتھ میں دے کر میری حکومت سے دوستی یا اتحاد قائم کروگے یا مجھ سے جنگ کر کے خود اپنی قوم کی اور اپنی فرماں روائی کی تباہی پسند کروگے؟"

اوپانگی، جو اب تک خاموش بیٹھا ہوا تھا لارہ یکو کی تقریر سن رہا تھا جو خود اس کی طرف سے بول رہا تھا، ایک دم سے بول پڑا:۔

"بالکل۔ بالکل۔۔۔ اسے یہ بھی سمجھا دو کہ انکا بالادست ہوگا اور یہ خود انکا کے ماتحت ہوگا کیونکہ پوری زمین میں انکا اپنے کسی رقیب اور حریف کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میرا جواب یہ ہے انکا" ہوراکا نے کہا "کہ میں اپنی بیٹی تمھارے بیٹے کو شادی میں دے رہا ہوں جیسا کہ میں نے وعدہ کیا تھا لیکن چانکا آزاد ہیں اور آزاد رہیں گے وہ کسی کے ماتحت نہ تھے اور نہ ہوں گے۔"

"حماقت۔ حماقت" اوپانگی نے کہا "یہ تو ایسا ہے جیسے درخت کہے کہ وہ آندھی کے سامنے نہ جھکے گا۔ بہرحال یہ معاملہ تم بعد میں اور کوسے طے کر لینا اور ہاں اپنی بیٹی سے بھی جو اس کی ملکہ ہوگی اور خود تمھاری وارث ہے

کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اس ایک کے علاوہ تمہاری کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس شادی سے تمہاری مملکت خود ہمارے ہاتھوں میں آنے والی ہے تو پھر جنگ کی باتیں کرنے سے کیا فائدہ ؟ اچھا اب میں قیولا کو دیکھنا چاہتا ہوں جو میری بیٹی بننے والی ہے۔"

بوراکاتے، جو یہ ساری بکواس ناگواری سے سن رہا تھا، قیولا کی طرف گھوم کر اشارہ کیا وہ اپنے تخت پر سے اتر کر انکا کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ حسن اور وقار کی مکمل ترین تصویر۔ وہ انکا کے سامنے بڑی نزاکت سے جھک گئی۔ انکا دم بخود اس کی طرف دیکھتا رہا اور اس کے ساتھی بھی حسن کی اس دیوی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے۔ پھر انکا نے کہا :۔

"اچھا تو تم ہو قیولا۔ حسین ـــــ بے حد حسین اور مغرور اور خوددار ـــــ واہ ـــــ اور دکو کو اگر کوئی راہ پر لا سکتا ہے تو بے شک وہ تم ہو۔ اور چاند کے نام پر تمہارا نام بھی مناسب رکھا گیا ہے کیونکہ تمہاری آنکھوں میں چاندنی چمک رہی ہے۔ اگر میری عمر چند برس کم ہوتی تو میں اور دکو سے کہہ دیتا کہ وہ اپنے لئے دوسری بیوی تلاش کرے اور تمہیں میں اپنے لئے رکھ لیتا۔"

اور اب قیولا نے پہلی دفعہ زبان کھولی اور کہا :۔

"جیسی تمہاری مرضی انکا۔ مجھے پسر آفتاب سے منسوب کیا گیا ہے اور پسر آفتاب کو میرا شوہر بنایا جائے گا اور یہ پسر آفتاب جو بھی ہو گا میرے لئے ٹھیک ہی ہو گا اور میں اسے قبول کر لوں گی۔"

"خوب کہا قیولا، خوب کہا اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ تم مجھے پسند اور قبول کرو۔ کیونکہ ہر چند کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن لوگ کہتے

ہیں کہ میں اب بھی قبول صورت ہوں، ادروکو سے کئی گنا زیادہ قبول صورت ہوں جو جیٹھ قسم کا آدمی ہے۔ جب تم کوزا کو پہونچو تو میری بیویوں سے پوچھ لینا۔ ابھی کل ہی میری ایک بیوی نے کہا تھا کہ مجھ سا حسین پوری دنیا میں اور کوئی نہیں۔ اور اس پر خوش ہو کر میں نے اسے انعام دیا تھا۔ کیا کہا تم نے لاریکو؟ تم ہمیشہ میری ہر بات میں اپنی ٹانگ کیوں اڑاتے ہو؟ اں — ہاں — شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ تو لا اب اگر تم تیار ہو تو ہم روانہ ہو جائیں۔ نہیں، نہیں۔ شکریہ کورا کا لیکن میں کسی بھی دعوت وغیرہ کے لئے نہ ٹھہروں گا۔ میں اندھیرا اترنے سے پہلے اپنے پڑاؤ میں پہونچ جانا چاہتا ہوں کیونکہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اجنبی ملک میں اندھیرے میں کیا بیتا پڑ جائے "

اور اب ہوراکا کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا اور اسے غصہ آ گیا۔

"جیسی تمھاری مرضی انکا" وہ بولا "لیکن جان لو کہ تم نے تین دفعہ میری توہین کی ہے۔ پہلے تو یہ کہ تم نے وہ دعوت قبول نہ کی جس کا اہتمام خاص تمھارے لئے کیا گیا ہے اور اس دعوت میں تمھارا تعارف میری مملکت کے امراسے کر دیا جانے والا تھا۔ دوم یہ کہ تم نے مجھے کورا کا کہا ہے جو یہاں کے معمولی سرداروں کا، جو تمھارے ماتحت ہیں، لقب ہے حالانکہ میں بادشاہ ہوں اور کسی کا ماتحت نہیں ہوں۔ اور سوم یہ کہ تم نے میرے خلوص اور نیک نیتی پر شک کیا ہے کہ میں شاید رات کے اندھیرے میں تمھیں قتل کروا دوں گا۔ چنانچہ اب میں تم سے کہتا ہوں انکا کہ بہتر ہوگا کہ تم میرے ملک سے بہ یک بینی و دو گوش چلے جاؤ اور میری بیٹی کو یہیں چھوڑ جاؤ۔"

اور ان الفاظ نے میرے دل میں امید کی شعاع روشن کر دی اور خود تیولا کی آنکھوں میں امید کی چمک آ گئی۔ کیونکہ ہوراکا کے ان الفاظ کا کیا یہ مطلب نہ تھا کہ اب وہ اپنی بیٹی کو اوروکو کی بیوی بننے کے لئے نہ بھیجے گا؟ لیکن افسوس امید کی یہ شعاع سلگتی ہوئی لکڑی کی طرح بجھ گئی جیسے پانی میں ڈبو دیا گیا ہو۔

"پچ۔ پچ" سٹھیائے ہوئے انکا نے کہا "دوست ہوراکا! تم تو زود رنج اور مغلوب الغضب آدمی ہو۔ سنو۔ میں رات سے پہلے نہیں کھاتا اور میرے باپ آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد ہوا کی سردی بھی میں برداشت نہیں کر سکتا۔ رہا لقب تو اس کا یہ ہے کہ انکا کے علاوہ تم جو لقب چاہو اپنے لئے پسند کر سکتے ہو۔"

"ہو سکتا ہے کہ بہت جلد میرا لقب انکا ہی ہو" بپھرے ہوئے ہوراکا نے کہا حالانکہ اس کے مشیر سرگوشیاں کر کے اسے سمجھا رہے تھے اور اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اور اس وقت اوبانگی کے مشیر خاص لاریکو، نے جو یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا، کہا:

"بادشاہ ہوراکا غصہ نہ کرو اور انکا کی بات کا برا نہ مانو کیونکہ حکومت اور عمر کے بوجھ سے دیوتاؤں تک کا دماغ ٹھکانے نہیں رہتا۔ تمہاری دل آزاری انکا کو منظور نہ تھی اور ان کے اور ہم میں سے کسی کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ ہمارا خون بہا کر تم اپنی شرافت میں داغ لگاؤ گے۔ لیکن اتنا جان لو کہ اگر تم نے وعدہ خلافی کی اور اپنی بیٹی کو اوروکو کی بیوی بننے کے لئے ہمارے ساتھ روانہ نہ

کیا تو پھر اسے اعلان جنگ سمجھ لیا جائے گا کیونکہ جب یہ خبر کوزد کو پہونچے گی اور یہ خبر چوبیس گھنٹوں میں وہاں پہونچ جائے گی کیونکہ یہاں سے کوزد کو تک پیغامبروں کی ڈاک بیٹھی ہوئی ہے، تو اسی وقت انکا کی زبردست فوجیں حرکت میں آجائیں گی۔ اب تم فیصلہ کرو کہ کیا تم ان فوجوں کا مقابلہ کرسکوگے اور اب فیصلہ کرو کہ تم عزت اور شہرت سے جینا پسند کرتے ہو یا اپنی موت اور اپنے لوگوں کی غلامی؟ اب اے بادشاہ ہوراکا، میں اوردکو کی طرف سے جو چند مہینوں بعد ہی انکا ہوگا، تم سے پوچھتا ہوں کہ تم خاتون قیولا کو ہمارے ساتھ کوزدکو بھیج کر ہم سے دوستی کا اعلان کرتے ہو یا اپنے وعدے کے خلاف اسے یہیں روک کر اعلان جنگ کرتے ہو؟"

ہوراکا خیالات میں گم خاموش بیٹھا رہا اور اوپانکی نے پھر کہنا شروع کیا۔ وہ بولا:۔

"بہت اچھے ڈھنگ سے کہا۔ میں خود بھی اس سے بہتر طور پر نہ کہہ سکتا اور سچ تو یہ ہے کہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے خود میں نے ہی کہا ہے کیونکہ یہ لاریکو، جو اپنے آپ کو عقلمند سمجھتا ہے کیونکہ میں نے اسے مہنت اعظم بنایا ہے کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ میری زبان ہے۔ ہوراکا! ظاہر ہے کہ تم مرنا نہیں چاہتے اور وہ بھی اپنے ملک اور اپنے لوگوں کی تباہی دیکھنے کے بعد کیونکہ تم جانو کہ ایسا ہی ہوگا۔ اگر تم نے اپنے وعدے کے مطابق اپنی بیٹی کو میرے ساتھ روانہ نہ کیا تو چند گھنٹوں میں ہی سو ہزار سپاہی تم پر چڑھ آئیں گے اور دوسرے ان کے پیچھے آرہے ہوں گے۔ بہرحال تم جلد فیصلہ کرلو۔ ہاں یا نہیں۔ کیوں کہ میں فوراً اس جگہ سے چلا جانا چاہتا ہوں"

ہوراکا چند ثانیوں تک سوچتا رہا۔ پھر تخت سے اتر کر قیولا کو اپنے

قریب بلایا اور اسے کرشنہ نشین کے پچھلے حصے میں اور اس کرسی کے پیچھے، جس میں میں بیٹھا ہوا تھا، چلا گیا۔ اب سوائے میرے کوئی ان کی باتیں نہ سن سکتا تھا اور اس کی اس نے پرواہ نہ کی غالباً اس لئے کہ وہ مجھے بھول گیا تھا یا شاید اس لئے کہ وہ چاہتا تھا کہ باپ بیٹی کی گفتگو میں بھی سن لوں۔

"بیٹی!" اس نے نیچی آواز میں کہا "بتاؤ اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ لیکن جواب دینے سے پہلے یہ سن لو کہ اگر میں نے تمہیں بھیجنے سے انکار کر دیا تو میں عمر میں پہلی دفعہ اپنا وعدہ توڑوں گا۔"

"ایسے وعدوں کی میں کوئی پرواہ نہیں کرتی" قیولا نے کہا "البتہ دوسرے معاملات کی مجھے زیادہ فکر ہے۔ یہ بتاؤ میرے باپ کہ اگر انکا ہمارے خلاف اعلان جنگ کر دیں تو کیا ہم ان کی فوجوں کا مقابلہ کر سکیں گے؟"

"نہیں بیٹی۔ کم سے کم اس وقت تک نہیں جب تک کہ یونکا ہمارے ساتھ نہیں آملتے۔ اس کے علاوہ ہم تیار نہیں ہیں اور نہ ہی آئندہ چار چاندوں تک تیار ہو سکیں گے۔"

"تو پھر صورت حال یوں ہے کہ اگر میں نہ گئی تو جنگ شروع ہو جائے گی اور اگر میں گئی تو جنگ کو اس وقت تک روکا جا سکے گا جب تک کہ تم تیاریاں مکمل نہیں کر لیتے یا شاید ہمیشہ کے لئے جنگ رکی رہے گی۔ کیونکہ میں امن کی پیغامبر ہوں گی اور سمجھ لیا جائے گا کہ چونکہ میں تمہاری تنہا وارث ہوں اس لئے تمہاری موت کے بعد اس مملکت کو بھی انکا کی مملکت میں شامل کر لیا جائے گا۔ ایسا ہی ہے نا؟"

"ہاں قیولا ایسا ہی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف تم اپنی ہوشیاری سے ایسا کام کرو گی کہ چانکا کی مملکت انکا سے نہیں بلکہ انکا کی مملکت چانکا سے

بن جائے گی اور آنے والے دنوں میں تم چانکا کی ملکہ کے طور پر دونوں مملکتوں پر حکومت کرو گی اور تمہارے بعد تمہاری اولاد کی حکمرانی ہو گی۔"

میں کنکھیوں سے تیولا کی طرف دیکھ رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ اس کا رنگ زرد ہو گیا۔

"میری اولاد کی بات نہ کرو" وہ بولی "کیونکہ میری کوئی اولاد نہ ہو گی۔ اور مستقبل کی درخشانی کا ذکر نہ کرو کیونکہ اس کی مجھے پروا نہیں۔ مجھے تو صرف اپنی قوم کی فکر ہے۔ یہ تم قسم کھا کر کہتے ہو کہ اگر میں نہ گئی تو ہماری فوجوں کو شکست ہو گی اور ہماری قوم کے لوگوں کو غلام بنا لیا جائے گا؟"

"ہاں۔ یہ میں چاند کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور یہ بھی کہ سپاہیوں کے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا۔"

"اور اگر میں مر گئی تو اپنے پیچھے اس کو چھوڑ جاؤں گی جس سے میں پیار کرتی ہوں" اور اس نے میری طرف دیکھا "اور اپنے آپ کو ایسی ذلت کے حوالے کر دوں گی جو موت سے بدتر ہے۔ یہی آپ چاہتے ہیں میرے باپ؟"

"نہیں بیٹی یہ میں نہیں چاہتا لیکن یہ نہ بھولو کہ ہم نے جو منصوبہ گھڑا ہے اور جو ترکیب سوچی ہے اس کا اہم جز تم ہو اور سچ تو یہ ہے کہ یہ تجویز تمہارے دو ہی دماغ نے ہی سوچی ہے۔ لیکن پھر بھی اب اگر تمہارا دل پھر گیا ہے تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتا کیونکہ میں تمہیں بہر حال خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اب انتخاب تم کرو اور اس پر عمل میں کروں گا۔ لیکن اتنا جان لو کہ پھر جو کچھ ہو گا اس کی ذمہ دار تم ہو گی۔"

"اے آقا جسے میں سمندر سے بچا کر لائی ہوں، بتاؤ میں کیا جواب دوں؟"

اس نے میری طرف دیکھے بغیر سرگوشی میں پوچھا۔

اور اب میں نے ایک عجیب طرح کا تکلیف دہ اضطراب محسوس کیا کیوں کہ میں جانتا تھا کہ میں جیسا کہوں گا ویسا ہی وہ کرے گی اور یہ کہ خود میرے کہنے پر جانسکا لوگوں کی اچھی یا بری قسمت کا انحصار ہے۔ اگر قیولا گئی تو یہ لوگ بچ جائیں گے۔ لیکن اگر نہ گئی تو شاید میری بیوی بنے گی مختصر عرصے کے لیے ہی سہی جانسکا کی مجھے کوئی پروا نہ تھی اور کونچا کی مجھے کوئی پروا نہ تھی اور نہ ہی ان سے میرا کوئی تعلق تھا۔ اس دنیا میں صرف قیولا ہی میرا سب کچھ تھی اگر وہ چلی گئی تو میری دنیا سونی ہو جائے گی —— لیکن —— قیولا کا سا ہی میرا معاملہ ہوتا —— اگر انگلستان کی قسمت کا دارومدار میرے فیصلے پر ہوتا تو؟

"جلدی کرو آقا" قیولا نے کہا۔

اور تب میں بولا یا کوئی غیبی قوت میری زبان سے گویا ہوئی۔ میں نے کہا:۔

"اے دختر ماہتاب! جس میں تمھاری عزت ہو ویسا ہی کرو کیونکہ شرافت اور عزت کے سامنے محبت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ آخرکار تمھیں اپنا پیار بھی واپس مل جائے اور تمھاری شرافت اور عزت بھی بے داغ رہے۔"

"میں تمھارا شکریہ ادا کرتی ہوں آقا کہ تم نے وہی کہا جو میرے دل میں تھا" اس نے سرگوشی میں کہا اور پھر اپنا سر اٹھا کر ہوراکا کی طرف دیکھا اور کہا:۔

"اے میرے باپ! میں جاؤں گی لیکن یہ وعدہ نہیں کرتی کہ اوروکو سے شادی بھی کروں گی۔"

ساتواں باب (۷)

کاری کی واپسی

اجنبی ملک اور اجنبی لوگوں میں مجھے تنہا چھوڑ کر اور میری دنیا اجاڑ کر دختر مہتاب قیولا اپنی خاص خادماؤں کے ساتھ اور سونے کی ڈولی میں سوار ہو کر انکا اوپانکی کے ساتھ چلی گئی۔ جانے سے پہلے مجھ سے رخصت کے بہانے میرے پاس آئی اور یوں ہمیں اکیلے میں باتیں کرنے کا موقع ملا اور قیولا نے کہا :۔

"میرے آقا اور میرے پیارے! میں نہیں جانتی کہ میں کس انجام کی طرف جا رہی ہوں اور کیا لکھا ہے میری قسمت میں اور نہیں جانتی کہ تمہیں کیسی قسمت کے سپرد کر رہی ہوں اور جیسا کہ تمھارے ہونٹوں نے کہا میں ٹھیک اور اچھا کر رہی ہوں اور یہ کہ مجھے جانا چاہیئے۔ اب میں تم سے درخواست کر رہی ہوں کہ تم میرے پیچھے نہ آنا جیسا کہ تمھارے دل میں ہے۔ لیکن گزشتہ رات میں نے تم سے کہا تھا کہ میں جہاں جاؤں وہیں تم آنا اور میرے قریب رہنا کہ تمھارا قرب میرے لئے تسکین کا باعث ہو۔ لیکن اب میں ایسا نہیں چاہتی۔ اگر میں اور دکی بیوی بننے والی ہوں تو میں نہیں چاہتی کہ تم مجھے ذلت میں دیکھو۔ اور اگر میں اس شادی سے بچ گئی تو تم میری مدد نہ کر سکو گے۔ کیونکہ میں مر کر ہی اس سے بچ سکوں گی اور اس جگہ پناہ لوں گی جہاں تم پہونچ نہ سکو گے اور ایک وجہ اور بھی ہے"

"کیا وجہ ہے قیولا؟" میں نے پوچھا

"میں چاہتی ہوں کہ تم یہیں میرے باپ کے پاس ٹھہر جاؤ اور آنے

والی جنگ میں ان کی مدد کرو۔ میں اس اوردو کو کچلا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں لیکن تمہاری مدد کے بغیر یہ ممکن نہیں کیونکہ جانکا اور پونکا اتنے پر قوت نہیں ہیں کہ انکا کا تختہ الٹ سکیں۔ یہ یاد رکھو کہ اگر میں اوردو کی بیوی بننے سے بچ گئی تو اسی طرح تم مجھے حاصل کر سکو گے۔ یعنی انکا کو شکست دے کر اور اوردو پر موت نازل کر کے۔ تو اب وعدہ کرو کہ تم یہیں ٹھہرو گے اور جانکا فوجوں کی کمان کرو گے جلدی وعدہ کرو کیونکہ وہ خرانٹ اوبا نگی روانگی کے لئے جلدی مچا رہا ہے۔ سنو۔ اس بوڑھے کا نقیب مجھے آواز دے رہا ہے اور مجھے تلاش کر رہا ہے اور میری خادمائیں زیادہ دیر تک نہ روک سکیں گی۔"

"میں یہیں ٹھہروں گا"۔ میں نے گلوگیر آواز میں جواب دیا۔

"شکریہ میرے پیارے۔ اچھا تو اب اس زندگی میں یا مرنے کے بعد ملاقات ہو تب تک کے لئے الوداع۔ خیالات آ رہے ہیں میرے دماغ میں لیکن انہیں الفاظ دینے کا وقت نہیں ہے۔"

"میرا بھی یہی حال ہے تاہم ایک بات تو میں تمھیں بتائے بغیر نہیں رہ سکتا تم اس کو جانتی ہی ہو جو میرے ساتھ اس جزیرے پر تھا اور میرا خادم کہلاتا تھا۔ فیولا! وہ وہ نہیں ہے جو بظاہر ہے۔"

"یہ تو میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا۔ لیکن وہ ہے کہاں؟"

"وہ روپوش ہے۔ اگر وہ تمھیں کہیں مل جائے تو یہ یاد رکھنا کہ وہ اوردو کا دشمن ہے اور وہ اکیلا بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ وہ مجھے اپنے طور پر چاہتا ہے۔ اس پر بھروسا کرنا۔ فیولا! جان لو کہ تنہا اوردو کو ہی شاہی خاندان سے نہیں ہے۔"

اس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا ——— اور پھر مزید کچھ کہے

بغیر، کیونکہ افسر قریب آ رہے تھے، اس نے اپنی انگلی سے قدیم اور موٹی انگوٹھی جس پر شاید پھولوں کی یا سورج کی تصویر کندہ تھی، اتار کر مجھے دی۔

"اسے میری خاطر پہن لو۔ یہ بے حد قدیم انگوٹھی ہے اور اس سے ایک سچی محبت کی داستان وابستہ ہے جسے بیان کرنے کا یہ وقت نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

میں نے انگوٹھی لے کر پہن لی اور اس کے عوض اپنی انگلی سے وہ انگوٹھی آتار کر اسے دی جو میری ماں نے مجھے دی تھی اور جو ہمارے خاندان میں تلوار شعلہ بار کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔

"قیولا!" میں نے کہا "یہ انگوٹھی بھی قدیم ہے اور اس سے بھی ایک کہانی وابستہ ہے۔ میری یادگار کے طور پر اسے پہن لو۔"

اور یوں ہم ایک دوسرے سے رخصت ہوئے اور وہ چلی گئی۔

میں کھڑا قیولا کی ڈولی کی طرف دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ شام کے دھندلکے میں غائب ہوگئی۔ پھر میں جانے کے لئے پلٹا تو ہورا کا کے روبرو تھا۔

"دیوتائے بحر!" اس نے کہا "آج تم نے بڑی مردانگی یا دیوتائی کا ثبوت دیا ہے۔ اگر تم نے میری بیٹی سے کہا ہوتا کہ وہ نہ جائے تو بے شک وہ نہ جاتی اور تمہاری محبت کی وجہ سے چانکا لوگ تباہ و برباد ہو جاتے کیونکہ جیسا کہ انکا نے یا اس کے ترجمان نے کہا تھا کہ میری وعدہ خلافی کو اعلان جنگ سمجھ لیا جائے گا۔ اب ہمیں وقت مل گیا ہے چنانچہ ہو سکتا ہے کہ آخر میں صورت حال مختلف ہو۔"

"ہاں" میں نے جواب دیا "لیکن قیولا کا کیا اور میرا کیا؟"

"میں تمہارے عقائد یا مسلک سے واقف نہیں ہوں آقا اور نہیں

جانتا کہ کس کو شان اور کس کو بے غرتی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہم میں تو یہ ہے کہ وقت آنے پر جو مرد یا عورت، خصوصاً وہ بلند رتبہ بھی ہو، اپنی قوم کی بھلائی کی خاطر اور اس کی حفاظت کی خاطر اپنی قربانی پیش کر دیتی ہے تو اس کا درجہ دیوی سے بھی بلند ہوتا ہے۔ یہ قربانی تم نے اور میری بیٹی نے پیش کی ہے چنانچہ میں تم دونوں کا احترام کرتا اور تمھارے سامنے سر جھکاتا ہوں۔"

"اور کس لئے دی گئی ہے یہ قربانی؟" میں نے تلخی سے کہا، "محض اس لئے کہ ایک قوم دوسری قوم پر بالا دستی حاصل کرنے کے لئے جد وجہد کرے اور بس۔"

"تمھارا خیال غلط ہے آقا۔ فتح حاصل کرنے اور مملکت وسیع کرنے کی غرض سے میں انکا سے جنگ نہیں کر رہا ہوں لیکن اس لئے کہ اگر میں نے وار نہ کیا تو مجھ پر وار کیا جائے گا حالانکہ یہ شادی اس ضرب کو عارضی طور پر روک دے گی۔ ان وسیع وعریض علاقوں میں، جن پر انکا کی حکمرانی ہے، تنہا چانکا لوگ اب تک آزاد رہے ہیں۔ چنانچہ صدیوں سے انکا ہمیں تباہ کرنے کی قسمیں کھاتے آئے ہیں اور اوروکو نے تو سب سے بڑھ چڑھ کر قسم کھائی ہے۔"

"ہوراکا! اس ذلیل اوروکو کا خاتمہ کرنا یا اگر ممکن ہو تو اس کا زوال لانا ضروری ہے۔"

"اگر ایسا ہوا تو اس کی جگہ دوسرا تخت پر بیٹھے گا اور قدیم رسم کے مطابق جسے بدلا نہیں جا سکتا، حکمرانی کرے گا اور قسم کھائے گا۔ چنانچہ میرے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو جنگ کروں یا اپنی قوم کے ساتھ میں بھی ختم ہو جاؤں

دیوتائے بحر! تم یہیں رہو میرے ساتھ اور میرے بھائی اور میری فوجوں کے سالارِ اعظم بن جاؤ۔ کیونکہ تم انھیں جہاں لے جاؤ گے وہ تمہارے پیچھے بے دھڑک جائیں گے کہ تم دیوتا ہو۔ اور پھر جب ہماری فتح ہوگی تو انعام کے طور پر تم میرے بھائی کے بیٹے بن جاؤ گے اور میں قسم کھاتا ہوں کہ میرے بعد جابنکا کا تاج تمہارے سر پر رکھا جائے گا۔ اس کے علاوہ اگر قیولا بچ گئی تو اس سے تمہاری شادی ہوگی۔ چنانچہ انکار کرنے سے پہلے غور کرلو۔ میں نہیں جانتا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ یہاں سے تم واپس نہ جاسکو گے۔ الّا یہ کہ تم روح ہو اور روح کہیں بھی جاسکتی ہے چنانچہ مرتے دم تک یہاں رہنا تمہارے لئے مقدر ہوچکا ہے۔ چنانچہ اپنے قیام کو اور جب وقت آئے تو اپنی موت کو یادگار بناؤ۔ تم فرار ہوکر انکا کے پاس شاید جاسکتے ہو اور وہاں تم ایک عجوبہ بن سکتے ہو اور وہاں تمھیں باغات کھیت، سونے چاندی کے انبار اور محلات مل سکتے ہیں لیکن وہاں تم غلام بن کر رہو گے اس کے برخلاف میں تمھیں تاج اور آزاد اور بہادر قوم کی حکمرانی پیش کرتا ہوں۔"

"مجھے تاج و تخت کی پروا نہیں ہے" میں نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا "لیکن قیولا کی یہی درخواست تھی اور شاید یہ اس کی آخری درخواست ہے چنانچہ مجھے منظور ہے۔ میں یہیں رہوں گا اور تمہاری مدد کروں گا اور تمہارے مقصد میں آخر تک تمہارا ساتھ دوں گا۔"

اور تب ہم نے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور یوں ہم میں معاہدہ ہوگیا

دوسرے ہی دن سے میرا کام شروع ہوگیا۔

ہوراکا نے اپنے افسروں کو مجھ سے متعارف کرایا اور انھیں حکم دیا کہ ہر معاملے میں اور ہر بات میں میرے ہر حکم کی تعمیل کریں اور چونکہ وہ لوگ مجھے دیوتا ہی سمجھتے تھے اس لئے وہ فوراً تیار ہو گئے۔

فنونِ حرب سے میں اچھی طرح سے واقف نہ تھا کیونکہ میں بہر حال سمندروں کا پالا تھا اس کے باوجود انگریزوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ جہاں جاتے ہیں اپنے لئے راستے بنا لیتے ہیں، سہولتیں پیدا کر لیتے ہیں اور قدم جما لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ لندن میں میں نے سپاہیوں کی قواعد دیکھی تھی اور تیر چلانا اور تلوار چلانا جانتا تھا چنانچہ ان یادوں کو بروئے کار لا کر میں نے ان نیم وحشیوں کی ترتیب و تنظیم شروع کی۔ میں نے رجمنٹیں بنائیں اور ان پر منتخب افسر مقرر کئے اور جہاں تک ہو سکا ہر رجمنٹ میں مختلف بستیوں اور علاقوں کے سپاہی رکھے۔ اب ان رجمنٹوں کی ورزش اور قواعد شروع کرائی اور ان کے پاس جیسے بھی ہتھیار تھے ان کا بہترین استعمال انھیں بتایا۔ پھر اپنی کمان کی طرز پر بہت سی کمانیں بنوائیں اور جاتما کانے جب دیکھا کہ میں اپنی کمان سے کتنی دور تک تیر پھینک سکتا ہوں اور کیسا صحیح نشانہ لے سکتا ہوں تو انھوں نے برابری کرنے کی جان توڑ کوشش کرنے لگے۔ یہ سچ ہے کہ وہ میری برابری تو نہ کر سکے البتہ بہتر طور پر تیر چلانا اور نشانہ لینا سیکھ گئے۔ اس کے علاوہ میں نے ان کے لئے چرمی زرہیں بھی بنوائیں اور دوسری بھی بہت سی اصلاحیں کیں جن کے بیان کرنے کا نہ یہ موقع ہے اور نہ گنجائش۔

قصہ مختصر تین مہینوں میں ہی ہوراکا کی فوج کے پچاس ہزار سپاہی تربیت پا چکے تھے۔ اور رجمنٹوں میں ترتیب سے باقاعدہ مارچ کر سکتے تھے اور یہ سپاہی اپنے تیروں، بھالوں اور کلہاڑیوں کا بہتر استعمال جانتے تھے۔

اور آخر کار یونکا لوگ ہم میں شامل ہونے آ گئے۔ ان کی تعداد تیس یا چالیس

ہزار تھی۔ نرے وحشی لیکن بے حد بہادر تھے یہ لوگ لیکن سراسر غیر تربیت یافتہ وقت بہت کم تھا۔ چنانچہ ان کے چند اعلیٰ افسروں کو میں نے چند خاص باتیں سکھا دیں کہ وہ اپنے ماتحتوں کو سکھا دیں۔

چنانچہ یوں میرے روز و شب گزرنے لگے۔ رات گئے تک میں ہوراکا اور اس کے جرنیلوں کے ساتھ بیٹھ کر جنگ کے نقشے بناتا اور انھیں روشنائی سے جو میں نے اپنے طور پر بنانی سیکھ لی تھی، جھلیوں پر یہ نقشے نقش کر کے انھیں سمجھاتا اور اس پر یہ لوگ حیرت کرتے کیونکہ انھوں نے نہ نقشے دیکھے تھے، نہ حروف اور نہ اعداد و شمار، بڑی مصروفیتیں اور بڑی مشقتیں تھیں میری اس کے باوجود میں ان میں ایک طرح کی خوشی محسوس کر رہا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے میں اپنی تنہائی بھول گیا تھا اور میں وہی ہیوبرٹ ہسٹینگز تھا جو جیپ کے بازار کا تاجر تھا۔

لیکن میں قیولا کو نہ بھول سکا۔ دن کے وقت تو مصروفیت کی وجہ سے اس کی یاد مجھے نہ ستاتی لیکن رات کو جیسے ہی میں بستر پر دراز ہوتا تو جیسے خود قیولا میرے سامنے آ کھڑی ہوتی اور میری طرف اداس اور ملتجی نظروں سے دیکھتی رہتی اور میں تڑپ جاتا، میں بے قرار ہو جاتا اور نیند کوسوں دور بھاگ جاتی اور جب تک میں جاگتا رہتا وہ میرے سامنے ہی کھڑی رہتی یہاں تک کہ میں یوں محسوس کرتا کہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا سچ تو یہ ہے کہ میں اسے بھول جانا چاہتا تھا کیونکہ اب وہ میرے خیال میں، کسی اور کی بیوی تھی۔ لیکن میرے لئے اس کا بھولنا بھی ممکن نہ تھا۔

قیولا کی طرف سے کوئی خبر ہمیں نہ ملی اور نہ ہی کسی اور ذریعہ سے اس کی خبر ہمیں ملی۔ یہ ضرور سنا کہ وہ خیریت سے کوزو کو پہونچ گئی ہے اور بس۔ اس

کی شادی کی خبر نہ آئی۔ سچ تو یہ ہے کہ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ ایک دم سے غائب ہو گئی ہے۔ البتہ ہوراکا کے جاسوس یہ خبر لے کر ضرور آئے کہ اودرو کو نے جائزبکا پر حملہ آور ہونے کے لئے جو زبردست فوج جمع کی تھی اس کے ایک بڑے حصے کو سبکدوش کر دیا گیا تھا چنانچہ معلوم ہوا کہ فوری جنگ کا خطرہ ٹل گیا تھا تو پھر سوال یہ تھا کہ قیولا کا کیا بنا جو گویا صلح کی قیمت تھی؟ شاید اسے دلھن بنانے کے لئے لوگوں کی نظروں سے چھپا دیا گیا تھا ــــ کم سے کم میری سمجھ میں تو یہی ایک بات آتی تھی الا یہ کہ اس نے خودکشی کر لی ہو یا طبعی موت مر گئی ہو۔

اور پھر ساری ہی خبریں آنی بند ہو گئیں کیونکہ ہوراکا نے اپنی تمام سرحدیں بند کر دی تھیں۔ محض اس خیال سے کہ اس طرح اودرو کو اس کی جنگی تیاریوں سے بے خبر رہے گا۔

آخر کار جب ہماری فوجیں کوچ کے لئے تقریباً تیار تھیں تو وہ آگیا جسے میں، اپنے خیال میں، ہمیشہ کے لئے کھو چکا تھا ــــ یعنی کاری۔

ایک رات جب میں بیٹھا چراغ کی روشنی میں حکمتی پرند سے لکھ رہا تھا تو ایک سایہ میری تحریر پر پڑا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے کاری کھڑا تھا۔ سفر کا مارا اور تھکا ماندہ لیکن بے شک و شبہہ کاری تھا بشرطیکہ یہ خواب نہ ہو۔

"کچھ کھانے کو ہے آقا؟" میں حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اس نے کہا "میں بھوکا ہوں اور کچھ کہنے سے پہلے کھانا چاہتا ہوں۔"

گوشت اور مقامی شراب میں نے اس کے سامنے رکھ دی کیونکہ رات زیادہ

گزر چکی تھی اور میرے خادم سو چکے تھے۔ میں نے اسے اطمینان اور سکون سے کھانے دیا اور جب تک وہ کھاتا رہا کیونکہ ان لوگوں کی طرح میں نے بھی صبر کرنا سیکھ لیا تھا۔ آخر کار اس نے کہا:۔

"ہورا کا نے بڑا عمدہ اور سخت پہرہ لگایا ہے اور اس سے بچنے کے لئے مجھے دور تک کا چکر لگا کر پہاڑوں میں سفر کرنا اور تین راتوں تک بھوکا مرنا پڑا"

"کہاں سے آ رہے ہو تم کاری؟" میں نے پوچھا۔

"کوزوکو سے آقا"

"تو۔ تو۔ خاتون قیولا زندہ ہے؟ کیا اس کی شادی اوروکو سے ہوگئی؟"

"خاتون قیولا زندہ ہے۔ کم سے کم چودہ دنوں پہلے تک وہ زندہ تھی اور اس کی شادی اوروکو سے نہیں ہوئی لیکن جہاں وہ ہے وہاں کبھی کوئی مرد قدم نہیں رکھ سکتا۔ آقا! خاتون قیولا کو تم اب کبھی نہ دیکھ سکو گے"

"اگر وہ زندہ ہے اور اس کی شادی بھی نہیں ہوئی تو پھر کیوں میں اسے نہ دیکھ سکوں گا؟" میں نے پوچھا۔

"اس لئے کہ وہ ہمارے باپ سورج کی داسیوں میں شامل ہوگئی ہے چنانچہ اب وہ پاک اور مردوں سے محفوظ ہے۔ اب نہ تو کوئی مرد اسے چھو سکتا ہے اور نہ ہی کسی مرد کی نگاہ اس پر پڑ سکتی ہے۔ اگر میں اُنکا ہوتا تو میں بھی، حالانکہ میں تمھیں چاہتا ہوں اور تمھارے پیار سے واقف ہوں، تمھیں قتل کر دیتا یا کردوں گا اور وہ بھی اپنے ہاتھ سے اور اپنی تلوار سے۔ جان لو آقا کہ ہماری سرزمین میں ایک جرم ناقابلِ معافی ہے اور وہ ہے سورج کی داسی پر دست درازی کرنا۔ ہمارا اعتقاد ہے آقا کہ اگر ایسا ہوا تو پھر ہم پر سورج دیوتا کا غضب نازل ہوگا۔ رہا وہ شخص، جس نے یہ جرم کیا ہو تو اس کی سزا تو یہ

ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ دائمی عذاب کے لئے دوسری دنیا میں جائے، اس دنیا میں خود اسے، اس کے پورے خاندان کو اور اس شہر کو جہاں کا وہ ہو، پوری طرح سے تباہ کر دیا جاتا ہے اور اس بے وفا داسی کی، جس نے سورج دیوتا کو دھوکا دیا ہو، سزا یہ ہے کہ اسے اذیتیں دے دے کر زندہ جلا دیا جاتا ہے۔"

"ایسا ہوا ہے کبھی؟" میں نے پوچھا۔

"تاریخ تو نہیں بتاتی کیونکہ آج تک کسی نے یہ بڑا گناہ کرنے کی جرأت نہیں کی لیکن یہ بہرحال سزا ہے اور یہ قانون۔"

میں نے سوچا کہ یہ بڑا ہی شیطانی اور ظالمانہ قانون ہے اور یہ کہ اگر موقع ملا تو میں یہ قانون توڑ دوں گا۔ لیکن میں نے منہ سے کچھ نہ کہا کیونکہ جانتا تھا کہ اس وقت خاموش رہنا ہی مناسب ہے اور یہ کہ پہاڑ کو تو اپنی جگہ سے ہٹانا ممکن ہے لیکن کاری کو اس کے اعتقاد کے اندھے پن سے پھیرنا ممکن نہیں۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ اس میں کاری کو الزام نہیں دیا جا سکتا کیونکہ خود ہمارے یہاں بھی ان ننوں کے لئے سخت سے سخت سزا ہے جو اپنی قسم توڑتی ہیں۔

"خبریں کیا ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"سنو! ایک کسان کا بھیس بدل کر میں انکا اور یانکی کے قافلے میں شامل ہو گیا اور اتفاقاً ان لوگوں میں مجھے ایک درباری مل گیا جو میرا دوست تھا اور میرا رازداں رہا تھا۔ اب یوں ہوا کہ خاتون قیولا کی ڈولی اٹھانے میں سے ایک آدمی بیمار ہو گیا تھا چنانچہ میرے اس دوست کی سفارش سے میں نے اس بیمار ڈولی بردار کی جگہ حاصل کر لی چنانچہ یوں میں ہر وقت

خاتون قیولا کے قریب ہی رہا اور مجھے خاتون قیولا سے اکیلے میں چپکے چپکے باتیں کرنے کا بھی موقع ملتا رہا کیونکہ اس نے مجھے فوراً پہچان لیا حالانکہ میں نے بھیس بدل رکھا تھا۔ چنانچہ میں ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو اس وقت اس کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ جب وہ کھانا کھاتی تھی چنانچہ جو کچھ ہوا وہ سب میں نے دیکھا۔"

"دوسرے دن انکا اوپانگی جو میرا باپ ہے اور جس کا میں حقیقی اور جائز وارث ہوں لیکن اس نے اور وکو کی خاطر مجھے وراثت سے محروم کر دیا ہے اور جو مردہ سمجھتا ہے، اسی خیمے میں کھانا کھانے لگا جس میں خاتون قیولا کھاتی تھی۔ آقا! قیولا بے حد ہوشیار ہے چنانچہ اس نے اوپانگی کو لبھانا شروع کیا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا باپ اس پر لٹو ہو گیا اور یہ تو حقیقت ہے کہ بوڑھے، جوان اور خوبصورت عورت پر بہت جلد لٹو ہو جاتے ہیں۔ قیولا بھی یوں ظاہر کرنے لگی جیسے وہ اوپانگی کو پسند کرتی ہے اور آخرکار اس نے اوپانگی سے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اسے، یعنی قیولا کو افسوس ہے اس بات کا کہ اس کی شادی اوپانگی سے نہیں ہو رہی ہے جس کی دانائی اور قوتوں کا شہرہ ہے۔ بلکہ اس سے ہو رہی ہے جو، سنا ہے کہ بڑا گاؤدی ہے۔ بڑی چالاک ہے یہ قیولا کیونکہ ایسا اس نے اس لئے کہا کہ بوڑھا انکا اب کبھی شادی نہ کرے گا اور سچ تو یہ ہے کہ وہ برسوں سے اکیلا رہ رہا ہے۔ تاہم اوپانگی قیولا کی اس بات سے رنجیدہ خطمی ہو گئے۔ اور بولے کہ یہ واقعی ظلم ہے کہ قیولا کی شادی اس شخص سے جبراً کی جا رہی ہے جسے وہ پسند نہیں کرتی اس پر قیولا نے رو کر اوپانگی سے درخواست کی کہ وہ اسے اس بدقسمتی سے بچالے۔ آخرکار اوپانگی نے قسم کھا کر کہا کہ وہ

اسے سورج کی داسیوں میں شامل کر کے اس شادی سے بچالے گا اور یہ کہ سورج کی داسی بننے کے بعد کوئی مرد اس کی طرف دیکھ نہ سکے گا۔ قیولا نے اوپانگی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ سوچ کر جواب دے گی کیونکہ وہ سورج کی داسی بننا نہ چاہتی تھی کہ عمر بھر کنواری رہے اور اس کے شب و روز عبادتوں اور انکا کے کپڑے بننے میں گزریں۔

"چنانچہ یوں وقت گزرتا رہا یہاں تک کہ ہم کوزکو سے ایک دن کی مسافت پر رہ گئے اور تب اوروکو اپنی ہونے والی دلھن کے استقبال کو آیا، اوروکو، میرا بھائی، دیو ہیکل اور بدصورت آدمی ہے ـــ ایسا کہ کوئی یقین نہیں کر سکتا کہ وہ انکا خاندان سے ہے۔ ظالم اور گنوار ہے اور شرابی ہے حالانکہ بڑا ہی جنگجو اور بہادر ہے اور جب نشے میں نہ ہو تو تیز دماغ اور عقلمند بن جاتا ہے۔ اوروکو اور قیولا جب ملے تو میں موجود تھا۔ میں نے دیکھا کہ اسے دیکھتے ہی قیولا کانپ گئی اور اس کے چہرے پر سے رنگ اڑ گیا۔ رہا اوروکو تو وہ قیولا کو بھوکی نظروں سے دیکھتا رہا۔ ان دونوں میں بہت کم باتیں ہوئیں اور اوروکو نے کہا کہ قیولا کے کوزکو پہونچتے ہی وہ اس سے شادی کرے گا۔ اور اس نے اپنے باپ اوپانگی کی بھی ایک نہ سنی، جو بڑا عیار ہے چنانچہ وقت حاصل کرنا چاہتا تھا، جو اس سے کہہ رہا تھا کہ یہ ایک شہزادے اور شہزادی کی شادی ہے چنانچہ دھوم دھام سے ہوگی اور اس کی تیاری کے لیے کئی دن درکار ہوں گے۔

"اس پر اوروکو، اپنے باپ پر، جو اس سے ڈرتا بھی ہے اور چاہتا بھی ہے، غصہ ہو گیا اور کہا کہ وہ چونکہ قریب قریب انکا بن چکا ہے اس لیے

اس کے معاملے میں کسی کو بھی، چاہے وہ اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو، دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ ایسا غضبناک ہو رہا تھا کہ اودیانگی ڈر گیا اور وہاں سے چلا گیا۔ جب وہ اکیلے رہ گئے تو اوردکو نے قیولا کو آغوش میں لینا چاہا لیکن وہ وہاں سے بھاگ گئی اور اپنی خادماؤں میں جا کر چھپ گئی۔ اس کے بعد کھانے پر اوردکو نے حسب عادت بہت شراب پی اور نشے میں ایسا دھت ہوا کہ اس کے ساتھی اسے سہارا دے کر لے گئے۔ اس کے بعد قیولا انکا اودیانگی کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا "اے انکا! میں نے شہزادے کو دیکھا اور اب میں چاہتی ہوں کہ تم اپنا وعدہ وفا کرو اور مجھے اس سے بچاؤ۔ اے انکا شادی کرنے کا خیال ترک کر کے میں دیوتا سورج کی دلھن بننے کے لئے تیار رہوں۔"

اودیانگی نے، جو اوردکو سے خفا تھا، خود سورج کی قسم کھائی کہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے وہ بہر حال قیولا کی یہ خواہش پوری کرے گا اور اوردکو کو بتا دے گا کہ وہ ابھی انکا اور مختار نہیں ہے۔

"پھر کیا ہوا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"اس کے بعد آقا جب ہم کوزکو میں شاہانہ داخلے کی تیاری کے لئے شہر کے باہر ٹھہر گئے تھے تو خاتون قیولا نے مجھ سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع تلاش کر لیا اور اس نے مجھ سے یوں کہا:۔

"میرے باپ ہوراکا سے کہنا کہ میں نے ان کا وعدہ پورا کیا لیکن میں اوردکو سے شادی نہیں کر سکتی چنانچہ میں سورج کی آغوش میں پناہ لے رہی ہوں جیسی کہ ریماک کی الہامی آواز نے پیشین گوئی کی تھی۔ میرے آقا دیوتائے بحر کو بھی بتا دینا کہ میرے ساتھ کیا واقعہ ہوا ہے اور انھیں میری طرف سے الوداع کہہ دینا لیکن ان سے کہنا کہ ہمت نہ ہاریں، کیونکہ ہمارے درمیان، میرا دل

کہتا ہے، ابھی ساری باتیں ختم نہیں ہو گئیں اور یہ کہ وہ ناامید نہ ہوں"

"اس کے بعد ہم جدا ہوئے اور پھر آقا ہم نے قیولا کو نہ دیکھا!"

"اور تم نے کچھ سنا بھی نہیں کاری؟"

"سنا۔ بہت کچھ سنا آقا۔ میں نے سنا کہ جب اوراکو کو پتہ چلا کہ خاتون قیولا سورج کی داسیوں کے گھر میں غائب ہو گئی ہے جہاں وہ نہیں جا سکتا اور یہ کہ اب وہ کبھی اسے اپنی دلھن نہ بنا سکے گا تو وہ مارے غصے کے دیوانہ ہو گیا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے اس کی دیوانگی دیکھی۔ دو دن بعد سورج کے مندر کے صحن میں دوسرے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ میں بھی موجود تھا جہاں انکا اوپانکی اپنے تخت پر بیٹھا لوگوں کے نذرانۂ عقیدت وصول کر رہا تھا۔ یہ لوگ اسے سفر سے صحیح سلامت واپسی پر مبارکباد دے رہے تھے۔ اور جیسا کہ لوگ کہہ رہے تھے اسی دن وہ اپنا شاہی عصا اوراکو کو دینے اور اس کے حق میں تاج و تخت سے دست بردار ہونے والا تھا اور یہ کہ وہ لوگوں کو بتانے والا تھا کہ چانکا سے جنگ کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ یہ رسم ابھی شروع ہی ہوئی تھی کہ اوراکو چند امرا اور شہزادوں کے ساتھ، جو اس کے ساتھی اور حمایتی تھے، وہاں آیا اور میں نے دیکھا کہ وہ نشے میں تھا اور غضبناک بھی۔ وہ بے جھجک اور بے دھڑک اور بڑے گستاخانہ طریقے سے تخت تک بڑھتا چلا آیا اور چیخ کر بولا:۔

"اے انکا! ہوراکا کی بیٹی قیولا کہاں ہے جس کو میری زوجیت میں دینے کا وعدہ کیا گیا ہے؟ تم نے اسے کیوں چھپا رکھا ہے انکا؟"

"اس لئے کہ ہمارے باپ سورج نے اسے اپنی دلھن بنا کر اپنے خانۂ مقدس میں داخل کر لیا ہے اور اب مردوں کی نظریں اسے کبھی نہ دیکھ سکیں گی" انکا

نے کہا :-

"مطلب یہ کہ تم نے مجھے اس سے محروم کرکے خود اپنے لئے پسند کرلیا اور اپنے حرم میں ڈال لیا ہے انکا" اوراکو چیخا۔

اب اودپانگی اٹھ کر ا ہوا اور اس نے سورج کی قسم کھا کر کہا کہ ایسا نہیں ہے اور یہ کہ اس نے جو کچھ کیا ہے دیوتا کے حکم سے کیا ہے اور خاتون قیولا کی درخواست اور مرضی سے کیا ہے کیونکہ قیولا نے اوراکو کو دیکھنے کے بعد اعلان کیا کہ یا تو اسے دیوتا کی دلھن بنا دیا جائے یا پھر خود اپنے ہاتھوں سے وہ اپنی جان لے لے گی اور اگر ایسا ہوا تو پھر سورج دیوتا کا غضب انکا لوگوں پر نازل ہوگا۔

"اب تو اوراکو بالکل ہی پاگل ہوگیا اور وہ انکا کے سامنے بکواس کرنے لگا اور وہاں موجود ہر شخص خوف سے کانپنے لگا۔ اس نے دیوتا سورج کو بھی گالیاں دیں اور تب ایک بادل نے آکر سورج کو چھپا لیا لیکن صاف علامت سے بھی شگون گر وہ دیوتا کی شان میں ہذیان بکتا رہا اور یہاں تک کہہ گیا کہ وہ بہت جلد انکا بننے والا ہے اور انکا بنتے ہی سب سے پہلا کام وہ یہ کرے گا کہ سورج کا مندر اور خانہ مقدس کو ڈھا دے گا اور خاتون قیولا کو حاصل کرے گا۔

یہ سن کر اودپانگی ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھا اور اپنا شاہی جبہ نوچ لیا اور پھاڑ دیا۔

"ایسے کفر کے کلمات سے میرے کانوں کو ناپاک کیا جا رہا ہے ـــ"

وہ چیخا ـــ سن لو بیٹے کہ میں آج ہی اپنا تاج اپنے سر سے اتار کر تمہارے سر پر رکھنے والا تھا اور تمھیں انکا بنا کر اپنی زندگی کے بقیہ دن تنہائی اور عبادت میں گزار دینے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ لیکن اب میں نے اپنا فیصلہ

بدل دیا ہے۔ اب میں ایسا نہ کروں گا۔ میری زندگی کے دن ابھی پورے نہیں ہوئے اور میرے جسم اور میری قوتِ ارادی میں طاقت خود کر آئی ہے۔ میں انکا ہوں اور انکا رہوں گا۔ اب مجھے نظر آیا ہے کہ یہ مجھے میرے گناہ کی سزا ملی ہے"

"کون سا گناہ؟" اوراکو دہاڑا۔

"یہ گناہ کہ میں نے اپنے بڑے اور جائز بیٹے پر تمھیں ترجیح دی۔ اور اسے محروم کر کے تمھیں اپنا ولی عہد بنایا۔ میرا جائز بیٹا کاری جس کی بیوی کو تم نے چرا لیا۔ کاری جس کو تم نے زہر دے کر مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ کاری جو کہیں غائب ہو گیا اور یقیناً اب وہ زندہ نہیں ہے"

"اور آقا! جب میں نے یہ الفاظ سنے تو میرا دل پگھل گیا اور میں نے سوچا کہ آگے بڑھ کر اپنے آپ کو اپنے باپ کے سامنے ظاہر کر دوں۔ لیکن پھر میں نے ایسا کیا تو اوراکو کے حمایتی اسی وقت مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے اور میرے ٹکڑے اڑا دیں گے۔ بہر حال ابھی میں کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ اوپانکی ایک دم سے بے ہوش ہو کر اوندھے منہ گرا اور اس کے امرا اور طبیب اسے اٹھا کر لے گئے۔ اوراکو بھی چلا گیا اور لوگ بھی بکھر گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انکا کی طبیعت سدھر گئی ہے لیکن کئی دنوں تک اسے آرام کرنے کی تاکید کر دی گئی ہے"

"قیولا کے بارے میں کچھ اور بھی سنا کاری؟"

"ہاں آقا!" اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا "یہ افواہ عام ہے کہ کسی پجارن کے ذریعہ، جس کی مدد اوراکو روپے پیسے سے کیا کرتا ہے،

ادراکو نے یہ کہہ کر قیولا کو زہر دے دیا ہے کہ چونکہ وہ سورج کی دلھن بنی ہے اس لئے اسے سورج کے پاس ہی پہونچ جانا چاہئے۔"

"زہر دے دیا ہے" میں نے کہا اور گر پڑا "زہر دے دیا ہے!"

"ہاں آقا لیکن مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بھی خبر مشہور ہے کہ اس پجارن کو، جو قیولا کو زہر دے رہی تھی، خانۂ مقدس کی سب سے بڑی پجارن نے، جو مادر مقدس کہلاتی ہے، رنگے ہاتھوں پکڑ کر دوسری داسیوں کے سپرد کر دیا اور انھوں نے اسے سانپوں کے کھڈ میں پھینک دیا جہاں وہ چیخ چیخ کر اور تڑپ تڑپ کر مر گئی اور یہ کہتے کہتے مری کہ ایسا اس نے ادراکو کے کہنے سے کیا تھا۔"

"اس سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی کاری۔ قیولا ـــ اس کا کیا ہوا؟ مر گئی؟"

"سنا ہے کہ نہیں مری۔ کہتے ہیں کہ اس نے زہر کا پیالہ ہونٹوں سے لگایا ہی تھا کہ مادر مقدس نے اس کے ہاتھ سے پیالہ جھپٹ کر پھینک دیا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سنا ہے کہ ایسا کرتے ہوئے زہر کے چھینٹے قیولا کی آنکھوں میں پڑے اور وہ اندھی ہو گئی۔"

"میں کراہنے لگا۔ قیولا کے اندھے پن کا خیال ہی لرزہ خیز تھا۔

"میں پھر کہتا ہوں آقا کہ مایوس نہ ہو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی بینائی واپس مل جائے۔ اس کے علاوہ میں نے سنا ہے کہ ہر چند کہ وہ دیکھ نہیں سکتی لیکن حسن میں کوئی داغ نہیں لگا ہے بلکہ کہتے ہیں کہ اس زہر نے اس کی آنکھوں کو پھیلا کر اور بھی بڑی اور

خوبصورت کر دیا ہے "

میں خاموش رہا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ کاری مجھے دھوکا دے رہا ہے یا شاید خود اسے دھوکا دیا گیا ہے اور یہ کہ قیولا حقیقت میں مر چکی ہے۔

چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے اپنی سرگزشت جاری رکھتے ہوئے کہا :-

اس کے بعد آقا میں نے اپنے دوستوں کو تلاش کر لیا جو جوانی میں مجھے اور میری ماں کو پسند کرتے تھے اور ان کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا اور ہم نے مل کر غور کیا کہ کیا کیا جائے اور ایک منصوبہ بنایا لیکن کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میرا اپنے باپ سے ملنا ضروری تھا۔ چنانچہ میں اویانگی کے روبہ صحت ہونے کا انتظار کر رہا تھا کہ کسی نے اوراکو کو میرے راز سے واقف کر دیا اور اس نے مجھے ٹھکانے لگانے کے لئے میری تلاش شروع کر دی۔ چنانچہ میں وہاں سے فرار ہو گیا لیکن فرار ہونے سے پہلے بہت سے لوگوں نے، جو اوراکو کے مظالم سے تنگ آ چکے ہیں، میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ اگر میں فوج لے کر آیا تو یہ لوگ میرا ساتھ دیں گے اور مجھے انکا تاج حاصل کرنے میں میری مدد کریں گے۔ میرے ان حمایتیوں کی تعداد ہزاروں تک ہے۔ چنانچہ میں تم سے اور ہوراکا سے بات کرنے یہاں آ گیا۔

تو یہ ہے میری سرگزشت "

آٹھواں باب (۸)

خون کا دریا

دوسرے دن جانکا کے بادشاہ ہوراکا نے کاری کی زبانی اس کی سرگزشت سنی اور جب اس نے سنا کہ اوراکو نے اس کی بیٹی یقولا کو زہر دلوا دیا ہے اور یہ کہ اگر وہ زندہ ہے تو اندھی ہو چکی ہے تو ہوراکا پاگل سا ہو گیا اور اس نے کہا:۔

"بس اب جنگ ہو گی اور ضرور ہو گی۔ جب تک میں اس کتے اوراکو کو قتل کر کے اور اس کی کھال کھینچ کر اس میں بھس بھروا کر خود اس کے دیوتا سورج کے سامنے اسے نہ لٹکا دوں گا تب تک چین سے نہ بیٹھوں گا۔"

"بادشاہ ہوراکا! یہ تم کہہ رہے ہو حالانکہ تم نے، اپنی خود غرضی سے، اپنی بیٹی کو اس کتے اوراکو کے پاس بھیجا تھا" کاری نے اپنے مخصوص پرسکون لہجے میں کہا۔

"تم کون ہوتے ہو مجھے سرزنش کرنے والے؟" ہوراکا کاری کی طرف گھوم گیا

"میں تو تمھیں سفید فام آقا کے غلام کے طور پر جانتا ہوں حالانکہ یہ سچ ہے کہ میں نے تمھارے متعلق چند کہانیاں بھی سنی ہیں" آخر میں اس نے اضافہ کیا۔

"اے ہوراکا میں انکا اوپانکی کا پہلوٹھا بیٹا اور اس کے تاج و تخت کا جائز وارث کاری ہوں۔ اوراکو میرا بھائی ہے جس نے میری بیوی ہتھیالی تھی اور اس کا ذمہ دار میرا باپ اوپانکی ہے جس کے دل پر اوراکو کی ماں کی حکمرانی تھی۔ وہ اس کی محبت میں اندھا ہو گیا تھا اور اسی نے مجھے میرے ورثہ سے بھی محروم کر دیا۔ اس کے بعد بھی اسے اطمینان نہ ہوا اور اس نے اوراکو نے اپنے راستے سے ہٹانے

کے لئے مجھے زہر دے دیا جس طرح کہ تمھاری بیٹی کو دیا ہے تاکہ وہ مجھے پاگل بنادے اور میں حکمرانی کے قابل نہ رہوں۔ اور اس نے ایسا ہی کیا لیکن میری جان نہ لی کیونکہ اسے خوف تھا کہ اس طرح سورج دیوتا کا غضب اس پر نازل ہوگا بہر حال میں اس زہر سے بچ گیا اور اس کا اثر زائل ہوگیا اور میں آوارہ گردی کرتا ایک دور دراز کی سرزمین میں پہونچ گیا لیکن اب میں واپس آگیا ہوں کہ اگر ہوسکے تو اپنا حق حاصل کرلوں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے یہ میں ثابت بھی کرسکتا ہوں"

چند ثانیوں تک ہورا کا حیرت سے کاری کی صورت تکتا رہا اور پھر بولا

"اور اگر تم نے ثابت کردیا تو مجھ سے کیا چاہتے ہو کاری؟"

"اوراکو کا تختہ الٹنے کے لئے تمھاری فوجوں کی مدد"

"اور اگر تمھاری داستان صحیح ہوئی اور تم نے اوراکو کا تختہ الٹ بھی دیا تو اس کے عوض میں مجھے کیا دوگے؟"

"چانکا لوگوں کی مکمل آزادی اور دوسرے چند خاص مقامات۔ جو تم اپنی حکومت میں شامل کرنا چاہتے ہو بشرطیکہ میں انکا بن گیا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو تم جانو چانکا لوگوں کی تباہی یقینی ہے"

"اور اس کے ساتھ میری بیٹی اگر وہ زندہ ہوئی تو؟" ہورا کا نے کاری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں" کاری نے بڑے یقین سے جواب دیا "خاتون قیولا کے متعلق میں کوئی وعدہ نہیں کرتا۔ وہ میرے باپ سورج کی داسی بن چکی ہے اور جو میں اپنے آقا ہوراچی سے، جو قیولا سے پیار کرتے ہیں، کہہ چکا ہوں تم سے بھی کہتا ہوں۔ اب کسی مرد کی نگاہیں کبھی قیولا کو دیکھ نہ سکیں گی کیونکہ اب وہ سورج

کی دلھن ہے اور مقدس ہے چنانچہ اگر میں نے ویسا کیا جیسا تم چاہتے ہو تو دیوتا کا غضب مجھ پر نازل ہوگا۔ اگر کسی نے قیولا کو حاصل کرنے کی کوشش کی تو میں اسے قتل کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا" اور یہاں اس نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا" ورنہ مجھ پر لعنت پڑے گی۔ جو چاہے تم لے سکتے ہو لیکن خاتون قیولا کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ جو سورج اپنے لئے پسند کر لیتا ہے وہ بس اسی کا رہتا ہے"

"اس معاملے میں قیولا کی ماں چاند شاید کچھ کہنا چاہے" ہورا کا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "لیکن فی الحال اس بحث کو یہیں ختم کرنا مناسب ہوگا"

اس کے بعد وہ دونوں اپنے معاہدہ کے شرائط طے کرنے لگے اور یہ کہ اگر جنگ ہوئی تو کاری گوزا کو کے اپنے حمایتیوں میں سے کتنی کمک لا سکتا ہے۔

اس کے بعد ہورا کا مجھے دوسرے کمرے میں لے آیا کہ صورت حال پر مجھ سے گفتگو کر سکے۔

"یہ کاری، بشرطیکہ یہ کاری ہی ہے، نہایت ہی متعصب آدمی ہے" وہ بولا "اور اگر یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور نہ تو میں اور نہ ہی تم قیولا کو کبھی دیکھ سکو گے کیونکہ اس کے نزدیک یہ زبردست گناہ ہے۔ اب بتاؤ تمھارا کیا مشورہ ہے؟"

"کاری جھوٹا نہیں ہے۔ وہ جو کہتا ہے سچ ہے" میں نے جواب دیا "چنانچہ تمھارا اس سے معاہدہ کرنا ہی مناسب ہے کیونکہ اس کی مدد سے ہی انکاکی فوجوں کو شکست دینا ممکن ہوگا۔ رہا قیولا کا معاملہ تو اس کے متعلق کاری سے کوئی وعدہ لینا یا اس پر زور دینا مناسب نہیں۔ بعد میں جو ہوگا دیکھا جائیگا"

"اور اگر ہم نے اس سے کوئی وعدہ لیا بھی تو محض بیکار ہوگا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ قیولا مر چکی ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے اب صرف انتقام لینا باقی رہ گیا

ہے۔ کوزاکو میں زہر کی کمی نہیں سعید خام آقا۔"

اس کے آٹھویں دن بعد ہماری فوجیں کوزاکو کی طرف کوچ کر رہی تھیں یہ بڑا زبردست لشکر تھا جس میں چالیس ہزار جانکا اور پچیس ہزار باغی یانکا تھے جو ہم سے آملے تھے۔

منزلیں مارتے اور پہاڑ اور دریا عبور کرتے آخرکار ایک رات ہم نے اس ٹیلے پر پڑاؤ ڈال دیا جس کا نام "کارمنکا" تھا اور یہاں سے ہم نے دور پر مشہور شہر کوزاکو کو دیکھا جو ایک وادی میں تھا اور جس کو قطع کرتا ہوا ایک دریا گزر رہا تھا۔ کوزاکو —— زبردست فصیل، عظیم الشان مندروں، عالیشان محلوں، وسیع و عریض چوکوں اور صاف ستھری اور چوڑی سڑکوں والا شہر تھا اس کے علاوہ شہر کے عقب میں اور اس کے چاروں طرف ہم نے کچھ اور بھی دیکھا۔ ایک جرار لشکر کا پڑاؤ جس میں یہاں وہاں خیمے نصب تھے۔

"ادراکو ہمارے استقبال کے لئے تیار ہے" کاری نے ان خیموں کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے کہا۔

ہم نے کارمنکا ٹیلے پر پڑاؤ ڈال دیا اور تب ایک وفد آیا جس نے ادیانگی اور ادراکو کی طرف سے ہم سے یوں گفتگو کی جیسے وہ دونوں یعنی ادیانگی اور ادراکو، ساتھ مل کر حکومت کر رہے ہوں۔ یہ وفد بڑے امرا پر مشتمل تھا جنھوں نے کانوں میں سوراخ کی علامت پہن رکھی تھی۔ انھوں نے ہمارے آنے کا مقصد پوچھا۔

"ہم تیولا کا انتقام لینے آئے ہیں جسے، میں نے سنا ہے ادراکو نے دھوکے سے زہر دے دیا ہے" ہوراکا نے جواب دیا۔

"تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ مر چکی ہے؟" وفد کے نمائندے نے پوچھا۔

"اگر وہ زندہ ہے تو پھر ہمیں دکھاؤ اسے۔"

"یہ ناممکن ہے۔" نمائندے نے جواب دیا "کیونکہ اگر وہ زندہ ہے تو وہ سورج کے خانۂ مقدس میں رہتی ہے جہاں سے کوئی باہر نہیں آ سکتا اور نہ کوئی اندر جا سکتا ہے۔ سنو ہوراکا! جس راستے سے آئے ہو اسی راستے سے لوٹ جاؤ ورنہ انکا کی زبردست فوجیں تم پر ٹوٹ پڑیں گی اور تمھارے مٹھی بھر سپاہیوں میں سے ایک بھی زندہ بچ کر نہ جا سکے گا۔"

"یہ بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کون زندہ رہتا ہے اور کون نہیں" ہوراکا نے جواب دیا اور وفد لوٹ گیا۔

اسی رات کاری کے حمایتیوں میں کے چند ہمارے پڑاؤ میں چپکے سے آئے۔ قیولا کے متعلق یہ لوگ کچھ نہ کچھ جانتے تھے کیونکہ جو سورج کی نقاب تلے چلے جاتے ہیں ان کا نام لینا بھی دیوتا کی توہین اور اس کی شان میں گستاخی سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال ان سے معلوم ہوا کہ بوڑھا انکا او پانگی کوزا کو میں ہی ہے اور تھوڑا بہت رو بہ صحت ہے اور فوج اسی کے ماتحت ہے۔ انھوں نے بتایا کہ فوجیں زبردست ہیں اور دوسرے دن ہم سے جنگ کریں گی اور کہا کہ وہ دستے، جو کاری کے حمایتی ہیں، عین جنگ میں اور انکو کی فوج سے نکل کر ہم سے آملیں گے۔ آخر میں انھوں نے بتایا کہ کوزا کو شہر میں خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اس جنگ کا انجام کیا ہو گا۔

انھوں نے کہا کہ ان کے پاس اس سے زیادہ کہنے کو کچھ نہیں ہے سوائے

اس کے کہ وہ سورج دیوتا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں فتح یاب کرے اور ان لوگوں کو اوراکو کے مظالم سے نجات دلائے۔ اوراکو اب اس سازش سے ایک حد تک واقف ہو گیا تھا یا اسے شک تھا کیونکہ کاری کے زندہ ہونے کی افواہ ہر طرف پھیل گئی تھی۔ اوراکو نے اپنے جاسوسوں سے ان لوگوں کے نام معلوم کر لئے تھے جو در پردہ کاری کی حکومت کے خواہاں تھے چنانچہ ان میں کے اکثر لوگوں کو کھانے میں زہر ملا دیا گیا تھا اور بقیہ کو راستہ چلتے ہوئے رات کے اندھیرے میں چھرا گھونپ کر مار ڈالا گیا تھا ان کی جوان اور خوبصورت بیویاں یکایک غائب ہو گئیں اور لوگوں کا خیال تھا کہ انھیں لوگوں نے اپنے گھروں میں ڈال لیا تھا جو پہلے سے ہی ان سے اپنی ہوس پوری کرنا چاہتے تھے حتیٰ کہ ان کے بچوں کو بھی غائب کر دیا گیا اور شاید اوراکو کے حمایتی امرا کے غلام بنا دئے گئے تھے۔ اس کی شکایت بوڑھے اوپانگی سے کی گئی لیکن اس کا نتیجہ کچھ نہ ہوا کیونکہ ایسے معاملات میں اوپانگی بے بس تھا اس لئے کہ فوج پر اوراکو کا قبضہ تھا۔ چنانچہ یہ لوگ ہوراکا کی فتح کے خواہش مند تھے کہ اس طرح کاری امکابن جائے گا اور انھیں اوراکو کے مظالم سے نجات مل جائے گی۔

یہ لوگ رخصت ہونے لگے تو کاری انھیں میرے پاس لے آیا۔ یہ لوگ اپنی حماقت یا یوں کہو کہ ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے مجھے دیوتا سمجھتے تھے۔ اور کاری نے ان کے سامنے اعلان کیا کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ ہوراکا کی فوجوں کی کمان میں 'جینی عمبورٹ' کروں گا۔ اس لئے فتح یقینی ہے۔

اسی رات تاروں کی روشنی میں میں نے میدان کا معائنہ کیا اور پھر کاری

اور ہوراکا کے ساتھ جنگ کا نقشہ بنایا اور پھر سونے کے لئے لیٹا تو خیال آیا کہ شاید یہ آخری دفعہ میں روئے زمین پر سو رہا ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ اس خیال سے مجھے ذرا بھی پریشانی نہیں ہوئی کیونکہ میرے خیال میں قبیلہ مر گئی تھی اور اب زندگی میرے لئے ایک مسلسل عذاب کے علاوہ اور کچھ نہ تھی۔ چنانچہ میں یہی چاہتا تھا کہ جلد از جلد موت آ کر مجھے اس عذاب اور ساری پریشانیوں سے نجات دلا دے۔

پتہ نہیں میں کب سو گیا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوا کہ چند منٹ نیند لی ہو گی لیکن دراصل چھ گھنٹے سویا تھا جب کاری نے مجھے بیدار کیا تو کہا کہ پو پھٹنے والی ہے اور یہ کہ وہ زرہ پہننے میں میری مدد کرنے آیا تھا

پھر میں آگے آیا اور کاری اور ہوراکا کو ساتھ لے کر اپنے دستوں کو ترتیب دیا اور انھیں جنگ کے لئے تیار کیا۔ تجویز یہ تھی کہ ہم ڈھلان پر سے اتر کر نیچے پھیلے ہوئے وسیع وعریض میدان میں بڑھیں گے۔ اس میدان کا نام "زاکوبی" تھا لیکن اس دن کے بعد سے یہ "یا ہو آر یا میا" یعنی خونی میدان کے نام سے مشہور ہو گیا۔

یہ میدان ہمارے اور شہر کوزاکو کے درمیان پھیلا ہوا تھا اور میری تجویز تھی کہ ہم مارچ کرتے ہوئے شہر میں گھس جائیں گے اور وہاں انکا کی فوجوں کے حملے کا انتظار کریں گے جو اس کے دوسری طرف پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ثابت ہوا۔ سورج طلوع ہوا تو نظر آیا کہ انکا کی فوجیں راتوں رات اپنے پڑاؤ سے چل کر متحد ہو گئی تھیں اور دس ہزار سپاہی بٹالینوں کی شکل میں میدان کے انتہائی سرے پر راستہ روکے کھڑے تھے۔

ہم نے پھر مشورہ کیا اور طے پایا کہ جو پہلے تجویز تھی اسی پر عمل کر کے حملہ کیا جائے، لیکن ان کا قتل عام تو سنگتانی ڈھلان پر ہی کیا جائے جس پر وہ ضرور چڑھیں گے۔ چنانچہ میمنہ، میسرہ اور قلب میں فوج کو تقسیم کر کے لنکا کے دو بازوؤں کو "محفوظ" کے طور پر پیچھے بھیج دیا کہ وہ کھانا وغیرہ کھا کر تیاری کر لیں۔ ہمارے قلب کے جو جانکا کے پندرہ ہزار دستوں پر مشتمل تھا، سامنے اور ذرا دور ایک نیچا سا ٹیلا تھا جس کی چوٹی پر ایک پتھر تھا۔ میں اس پتھر پر کھڑا ہو گیا۔ میرے پیچھے بیجا مبر اور ٹیلے کی ڈھلان پر منتخب محافظ سپاہی کھڑے تھے جو ایک ہزار تھے۔ اس بلندی پر سب میری نظروں کے سامنے تھا اور میں سب کی نظروں کے سامنے تھا دستوں کی اور دشمنوں کی بھی اور میری زرہ سورج کی شعاعوں میں یوں چمک رہی تھی کہ اس سے شعاعیں نکلتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔

ہمارے مہنتوں نے اور یانکا کے مہنتوں نے چاند اور دوسرے بے شمار دیوتاؤں کے نام پر بھیڑیں قربان کیں اور میں نے بلند مقام پر سے دیکھا کہ انکا کے لوگوں میں بھی اگتے سورج کے حضور قربانیاں پیش کیں اور پھر ایک زبردست نعرے کے ساتھ، جس سے دشت و جبل گونج اٹھے، ان کی فوجوں نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ میں نے اندازہ لگایا تو معلوم ہوا کہ ان کا اور ہمارا اوسط یا تین کا تھا۔ یعنی ہمارے ایک سپاہی کے مقابلے میں ان کے تین سپاہی تھے۔ بے شک ان کی فوج بے شمار تھی اور اب بھی شہر میں سے سپاہیوں کے دستے پر دستے چلے آ رہے تھے۔

تین زبردست فوجوں میں تقسیم ہو کر انکا کا یہ لشکر جرار میدان میں آہستہ آہستہ چلا آ رہا تھا۔ بڑا ہی وحشتناک اور لرزہ خیز منظر تھا

ان کی وحشیانہ وردیوں اور ان کے بھالوں کے جن کا ایک جنگل سا نظر آتا تھا، پھلوں پر سورج کی کرنیں کروٹیں بدل رہی تھیں۔

ہم سے دو ایک فرلانگ دور آ کر یہ سیلاب تھم گیا اور وہ لوگ آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ وہ لوگ اپنے بھالوں سے میری طرف اشارے کر رہے تھے گویا مجھ سے ڈرتے ہوں۔

ہم بے حرکت کھڑے تھے حالانکہ ہمارے چند جرنیل حملہ کرنے کے لئے اصرار کر رہے تھے لیکن میں نے ہورا کا سے کہا کہ جلد بازی سے کام لے کر ابھی حملہ نہ کیا جائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ دشمن پہل کرے اور ہم پہ حملہ کرنے میں اپنی قوت توڑ دے۔

آخر کار ایک حکم دیا گیا اور انکا کا قومی جھنڈا، جس پر قوس قزح کے رنگ تھے، کھول کر لہرا دیا گیا۔ اور پھر انکا کی تینوں فوجوں نے دوزخ کے عفریت کی طرح چیخ کر حملہ کر دیا۔

انکا کی فوجیں ہمارے قریب پہونچ گئیں اور وہ خوفناک ترین جنگ شروع ہو گئی جو انکا کی تاریخ کی غالباً پہلی اور آخری جنگ تھی کہ ایسی خوفناک جنگ اس ملک میں پہلے کبھی ہوئی تھی نہ آئندہ کبھی ہوگی۔

انکا کی فوجیں سمندر کی موجوں کی طرح موج در موج ہم پر حملہ آور ہوتی رہیں۔ لیکن ہمارے دستے، جن کی تربیت میں نے کی تھی، چٹان کی طرح جمے رہے اور ایسی قتال کی کہ کشتوں کے پشتے لگا دئیے۔ دشمن بار بار اس ٹیلے پر حملہ آور ہوا جس پر میں کھڑا ہوا تھا کہ مجھے قتل کر کے ایک ہی وقت میں جنگ کا فیصلہ کر دے لیکن ہر دفعہ ہم نے ان کے حملے پیچھے ڈھکیل دئیے۔ ان کے جرنیلوں کو تاک تاک کر میں اپنی کالی کمان

سے تیر چھوڑ رہا تھا۔ اور میرے بہت کم نشانے خطا کرتے تھے۔

" دیوتا کے تیر ــ دیوتا کے تیر" دشمن کے سپاہی چلائے اور ایک دم سے میرے سامنے سے ہٹ گئے۔

اور پھر ایک شخص نظر آیا جس نے ماتھے پر زرد فیتہ باندھ رکھا تھا۔ اور جس کے چغے میں خوبصورت جواہرات جڑے ہوئے تھے دیو ہیکل آدمی تھا یہ جس کی آنکھوں سے شعلے سے نکلتے۔ چوڑے منہ والا بدصورت آدمی جو تا سینے کا بڑا سا کلہاڑا گھما رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں جو کمان تھی وہ اتنی لمبی تھی کہ اتنی لمبی کمان اس سرزمین میں میں نے نہ دیکھی تھی۔ اپنے پٹکے میں کلہاڑا اڑس کر اس نے چلّے میں تیر چڑھایا اور مجھے نشانہ بنا کر چھوڑا۔ اس کا نشانہ صحیح تھا چنانچہ تیر میرے سینے پر لگا لیکن میری زرہ پر پڑ کر اچٹ گیا۔

اس نے پھر تیر مارا جو میرے خود کو چھوتا ہوا گزر گیا۔ اب میں نے کمان اٹھائی اور میرا تیر اس کے ماتھے پر کا فیتہ اپنے ساتھ اڑا لے گیا یہ دیکھ کر اس کے ساتھ والے امراکراہ اٹھے اور ان میں سے ایک نے چیخ کر کہا:۔

" شگون اور اکو ــ برا شگون "

" ہاں " اور اکو چیخ کر بولا " لیکن اس سفید فام ساحر کے لئے جس نے یہ تیر چھوڑا تھا "

اور اب وہ کمان پھینک کر اور کلہاڑا بلند کر کے ڈھلان پر میری طرف بھاگ کر آیا۔ اس کے ساتھی اس کے پیچھے ہی تھے۔ اس نے کلہاڑے سے مجھ پر وار کیا جو میں نے ڈھال پر روک کر تلوار شعلہ بار چلائی

اورا کو نے میرا وار روکنے کے لئے کلہاڑا اوپر اٹھا دیا۔ شعلہ بار نے کلہاڑے کا دستہ کاٹ دیا اور پھر وہ شانے پر پڑی اور اس کے جڑ اُدھیڑنے کو پھاڑتی ہوئی شانے کی ہڈی تک اتر گئی۔

اور پھر ایک شخص بجلی کی سی تیزی سے میرے قریب سے نکلا اور اورا کو پر ٹوٹ پڑا یہ کاری تھا جو ڈیلے رائے کی تلوار سے اس پر وار کر رہا تھا پھر وہ دونوں آپس میں گتھ گئے، گرے اور ڈھلان پر لڑھکنے لگے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ میں نہیں جانتا کیونکہ دوسرے ان کی طرف لپکے اور پھر کچھ نظر نہ آیا۔ چند ثانیوں بعد کاری خون ٹپکاتا اور لنگڑاتا ہوا واپس آیا اور پھر ٹیلے کے قدموں میں اور اپنے ساتھیوں کے درمیان اورا کو کی جھلک نظر آ گئی۔ وہ بھی زخمی تھا لیکن اسی وقت ایک زبردست شور بلند ہوا۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا تو نظر آیا کہ کو لچا ہمارے میمنہ میں گھس پڑے تھے اور صفیں لوٹ گئی تھیں اور وہ لوگ بے دریغ ہمارے سپاہیوں کو قتل کر رہے تھے۔ جو بچ گئے وہ جان بچا کر بھاگے۔ ادھر میسرہ کے قدم بھی ڈگمگا رہے تھے۔ میں نے ہورا کا کی طرف بھیجا میر دوڑایا کہ یانکا محفوظے کو مدد کے لئے بلایا جائے۔ ان کو آنے میں دیر ہوئی اور مجھے خوف ہوا کہ کوئی دم میں جنگ کا فیصلہ دشمن کے حق میں ہو جائے گا۔

اور پھر کاری نے یا شاید اس کے کسی ساتھی نے وہ جھنڈا، جو ایک لمبے بانس پر بندھا ہوا تھا، کھول کر لہرا دیا تھا۔ یہ جامنی رنگ کا جھنڈا تھا جس پر سونے کے تاروں سے سورج کی تصویر کڑھی ہوئی تھی۔ یہ جھنڈا لہرانے کی دیر تھی کہ انکا کی فوجوں میں افراتفری مچ گئی اور انکا کے کوئی چھ ہزار سپاہی "کاری۔ کاری" کے نعرے لگاتے اپنی فوجوں سے الگ ہوئے اور

ان دستوں پر ٹوٹ پڑے جو ہمارے سپاہیوں کے تعاقب میں تھے۔ عین اسی وقت یانکا بھی آ گئے اور یانکا نے ان دستوں کو پیچھے دھکیل دیا جو ہمارے میسرہ پر دباؤ ڈال رہے تھے اور ادھر اور اکو کی فوج میں سے شور اٹھا

"دھوکا ۔۔۔ دھوکا"

یکایک قرنے چیخ اٹھے اور انکا کی فوجیں اپنے زخمیوں اور مردوں کو چھوڑ کر پیچھے ہٹیں اور میدان کے بیچ میں پہونچ کر پہلے کی ہی طرح تین حصوں میں تقسیم ہو کر ٹھہر گئیں لیکن اب سپاہیوں کی تعداد کم ہو چکی تھی اور تب ہورا کا میرے پاس آیا اور اس نے کہا :۔

"سفید فام آقا حملے کا حکم ہو کہ یہی موقع ہے۔ انکا کے جی چھوٹ گئے ہیں"

چنانچہ حملے کا اشارہ کیا گیا اور یانکا فوجیں آندھی کی طرح گرجتی ہوئی ڈھلان پر سے اتریں۔ میں سب کے آگے تھا اور ہورا کا میرے ایک طرف اور کاری دوسری طرف تھا جیسی ترتیب ٹیلے پر ہم نے قائم کی تھی اسی ترتیب سے ہم نے دشمن پر حملہ کیا۔ دشمن کی فوج کے تینوں حصے اپنے درمیان کافی فاصلہ چھوڑ کر کھڑے تھے۔ یہ بیچ میں خالی جگہ چھوڑنے کی وجہ میری سمجھ میں نہ آئی۔ یکایک ہمارے چند سپاہی، جو جوش میں بھاگتے ہوئے مجھ سے آگے نکل گئے تھے، دشمن کی فوجوں کے درمیان چھٹی ہوئی اس جگہ میں گھس گئے اور ایک دم سے ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ دشمن نے یہاں کھڈ کھود کر اس پر گھاس بچھا دی تھی ہمارے سپاہی ان کھڈوں میں جا پڑے اور ان نوکیلے کھونٹوں میں چھد گئے جو انکا والوں نے کھڈوں کے پیندے میں گاڑ رکھے تھے اس طرح ہم اپنے سیکڑوں

سپاہی گنوا چکے تھے جب ہم اپنے سپاہیوں کو روکنے میں کامیاب ہوئے اور اب ہم احتیاط سے اس میدان میں اور اس راستے پر چل پڑے جس راستے سے دشمن کے سپاہی پسپا ہوئے تھے۔

اور تیروں کی بارش میں گزرتے ہوئے آخر کار ہم دشمن کی صفوں تک پہنچ گئے اور اب ایسی جنگ شروع ہوئی کہ ایسی نہ میں نے کبھی دیکھی تھی اور نہ سنی تھی۔ کلہاڑے، بھالے اور ڈنڈے بلند ہو رہے تھے اور جھک رہے تھے اور ہر چند کہ انکا سے ہمارا مقابلہ ایک اور دو کا تھا لیکن ہمارے سپاہی بہر حال تربیت یافتہ تھے اور میرے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کر رہے تھے چنانچہ انھوں نے دشمن کو ڈھکیلنا شروع کر دیا۔ انکا کے افسر ایک کے بعد ایک آتے اور مجھ پر حملہ کرتے لیکن میری زرہ ان کی ہر ضرب کو بیکار کر دیتی تھی اور میری تلوار شعلہ بار اپنا کام کر رہی تھی۔ وہ بازو اور گردنیں اڑا رہی تھی اور سینے چیر رہی تھی اور پیٹ پھاڑ رہی تھی۔

اور اب انکا سپاہی خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔

"سمندر سے نکلنے والا یہ سرخ ریش حقیقت میں دیوتا ہی ہے۔ اسے مارنا ممکن نہیں" میں نے انھیں چلاتے سنا۔

اور اب اوراکو آگے آیا۔ بپھرا ہوا اور خون میں لت پت۔ وہ چیخا۔

"بزدلو! میں دکھاتا ہوں کہ اسے مارنا ممکن ہے یا نہیں"

اور وہ لپکا۔ میری طرف نہیں بلکہ ہوراکا کی طرف یہ دیکھ کر کہ میں تھک گیا ہوں ہوراکا میرے سامنے آگیا تھا۔ اوراکو اور ہوراکا میں جنگ ہوئی اور ہوراکا گرا اور اس کے چند خادم اسے گھسیٹ لے گئے۔

اور اب میں اور اوراکو ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ وہ ایک

زبردست ڈنڈا، جس کے ماتھے پر تانبے کا بڑا سا لٹو تھا، بلند کر کے میری طرف آیا۔ چونکہ میری زرہ کو چھیدنا ممکن نہ تھا اس لئے اوراکو ڈنڈے کی ضربوں سے مجھے فرش کر دینا چاہتا تھا۔ اس نے ڈنڈا چلایا جو میں نے ڈھال پر ایا لیکن اس دیو میں اتنی طاقت تھی کہ میں سنبھل نہ سکا اور گھٹنوں کے بل گرا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اٹھ کر اس پر حملہ کر چکا تھا۔ ڈھال میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی چنانچہ میں نے دونوں ہاتھوں سے تلوار پکڑی اور وحشیوں کی طرح نعرہ لگا کر وار کیا۔ شعلہ بار اس کے سر پر کے پگڑی جیسے موٹے کپڑے کو چیرتی ہوئی کھوپڑی کی ہڈی میں گہرائی تک اتر گئی۔

اوراکو جھٹکا کئے ہوئے بیل کی طرح گرا اور اس کا خاتمہ کرنے کے لئے میں اس کی طرف لپکا۔ عین اسی وقت موٹے رستے کی کمند میرے سر پر سے گزر کر شانوں کے نیچے تک آگئی۔ کسی نے رسا کھینچا اور کھسکنے والی گرہ کھسکی اور میں بند ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو چھڑانے کی لاکھ کوشش کی لیکن بیکار، مجھے کھینچ کر گرا دیا گیا، بہت سے ہاتھوں نے مجھے پکڑا دبوچا اور پھر وہ مجھے گھسیٹ کر اوراکو کی فوجوں کے درمیان لے آئے۔

میرے لئے ڈولی لانے کو کہا گیا اور جب تک وہ لائی جائے تب تک مجھے اٹھا کر اپنی ٹانگوں پر کھڑا کر دیا گیا۔ میرے ہاتھ اب بھی اس کمند سے بندھے ہوئے تھے جیسے یہ ریڈ انڈین "لاسو" کہتے تھے اور اسے پھینکنے میں بڑے ماہر تھے۔ تلوار شعلہ بار، جو خون سے سرخ تھی، اب بھی چرمی حلقے کے ذریعے میری کلائی سے لٹک رہی تھی۔ رستوں میں بندھے ہوئے جنگلی بھینسے کی طرح جب میں یوں کھڑا ہوا تھا تو انکا میرے چاروں طرف جمع ہو رہے تھے اور مجھے دیکھ رہے تھے لیکن نفرت و حقارت سے نہیں

بلکہ خوف اور احترام سے۔ آخرکار ڈولی آ گئی اور ان لوگوں نے سہارا دے کر مجھے آہستہ سے اس میں بٹھا دیا۔

اور اب میں نے گردن گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ جنگ بدستور جاری تھی لیکن پہلے کے سے جوش و خروش سے نہیں۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ دونوں طرف کے سپاہی قتل کرتے کرتے تھک گئے تھے اور چونکہ ان کے سالار پکڑے جا چکے تھے یا زخمی ہو چکے تھے اس لئے اب وہ جیسے بے دلی سے جنگ کر رہے تھے۔

ان لوگوں نے میری ڈولی اٹھائی اور لے چلے یہاں تک کہ میدان جنگ کے شور کی آوازیں مدھم ہو گئیں۔ ڈولی کے پیچھے کا پردہ اٹھا کر میں نے میدان جنگ کی طرف دیکھا۔ چانکا اور انکا کی فوجیں الگ ہو رہی تھیں کوئی ایک فوج لپا نہ ہوئی تھی اور نہ فرار ہوئی تھی کیونکہ دونوں ہی فوجوں کے سپاہی اپنے اپنے زخمیوں کو اٹھائے ہوئے رخصت ہو رہے تھے۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ فتح و شکست کا فیصلہ ہوئے بغیر یہ جنگ ختم ہو گئی تھی اور میں نے دیکھا کہ میں کوزاکو کے مشہور شہر میں داخل ہو رہا تھا۔ عورتیں اور بچے گھروں کے دروازوں میں کھڑے میری طرف دیکھ رہے تھے اور اکثر عورتیں ہاتھ مل رہی تھیں اور رو رہی تھیں۔

چوڑی اور لمبی سڑکوں سے گزر کر اور ایک پل عبور کر کے میری ڈولی ایک بڑے میدان میں پہونچی جس کے کناروں پر عمارتیں کھڑی تھیں۔ یہ عمارتیں نیچے گھاٹ کی لیکن زبردست تھیں اور پتھروں کی بنی ہوئی اور مضبوط تھیں۔ ایک عمارت کے دروازے کے سامنے میری ڈولی ٹھہر گئی اور مجھے سہارا دے کر اتارا گیا۔ خوبصورت لباسوں میں ملبوس مرد مجھے عمارت کے پھاٹک میں سے ایک باغ میں لے آئے تو میری

آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ باغ کے تمام پودے سونے کے تھے اور ان میں چاندی کے پھول لگے ہوئے تھے اور درختوں پر سونے اور چاندی کے پرندے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے سوچا کہ شاید میں پاگل ہوگیا ہوں اور اپنے پاگل پن میں یہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ لیکن ایسا نہ تھا نہ تو میں پاگل ہوگیا تھا اور نہ ہی یہ خواب تھا۔ سونا یہاں افراط سے تھا اور چونکہ کسی اور طرح سے استعمال میں نہ آتا تھا اس لئے انکا اپنے محلات اس سے سجاتے تھے

اس سونے کے باغ سے گزر کر میں ایک دالان میں پہنچا جس کے چاروں طرف کمرے تھے ان میں کے ایک کمرے کی طرف مجھے لے جایا گیا۔ میں اس کے دروازے میں سے دوسری طرف پہونچا تو اپنے آپ کو ایک شاندار کمرے میں پایا جس کی دیواروں پر عمدہ پردے لٹک رہے تھے اور چاروں طرف گدّے اور تکیے لگے ہوئے تھے اور گدّے اور تکیے کرسیوں پر تھے اور ترتیب سے میزیں رکھی ہوئی تھیں جن کی ٹانگوں میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک حاجب بہت سے خادموں اور غلاموں کے ساتھ حاضر ہوا اور یہ سب کے سب میرے سامنے جھک گئے۔

اور پھر، جیسے میں مقدس دیوتا ہی ہوں، انھوں نے آہستہ سے اور احترام سے میری تلوار میری کلائی پر سے اتاری، شانے پر سے کمان اور ترکش جس میں چند ہی تیر باقی رہ گئے تھے۔ اتارا اور میرا خنجر بھی مجھ سے لے لیا اور پھر یہ چیزیں چھپا دیں۔ اب انھوں نے میرے بندھن کھولے اور میری زیر ہدایت میری زرہ بھی اتار کر رکھ دی اور پھر میرا لباس اتار کر مجھے نیم گرم اور معطر پانی سے "دھویا" میرے بازو کی خراشیں صاف کیں اور پھر مجھے نیا اور بے حد ملائم لباس پہنا دیا اور کمر پر سنہرا پٹکا کس دیا۔

اب میرے لئے سونے کی طشتریوں میں کھانا اور سونے کے ہی جاموں میں مقامی شراب لائی گئی۔ میں نے شکم سیر ہو کر کھایا، شراب پی اور چونکہ بے حد تھکا ہوا تھا اس لئے ایک گدے دار کاؤچ پر سونے کی غرض سے دراز ہو گیا۔ اب مجھے اپنے انجام کی فکر نہ تھی اور نہ یہ سوچ رہا تھا کہ میرا کیا ہوگا بلکہ اب میں نے سب کچھ خدا پر چھوڑ دیا کہ جو کچھ کرے گا وہی کرے گا اور جو ہوگا سو اچھا ہی ہوگا۔ ایسے موقع پر آدمی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کر سکتا کہ اچھے کی امید رکھے اور بُرے کے لئے تیار رہے۔

میں جلد ہی گہری نیند سو گیا۔

جب میں بیدار ہوا تو، اعضا اکڑے ہوئے تھے لیکن تھکن دور ہو گئی تھی رات کا اندھیرا اتر چکا تھا اور کمرے میں چھت سے لٹکتے ہوئے فانوس روشن کر دئے گئے تھے اور ان کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ وہی حاجب، جس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں، میرے سامنے مؤدب کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کے آنے کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ اگر میری تھکن دور ہو گئی ہو تو انکا اوپانگی نے مجھے اپنے حضور طلب کیا ہے۔

چنانچہ میں اٹھا اور اس کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ، جو کمرے کے باہر منتظر کھڑے تھے، گزرگاہوں اور غلام گردشوں کی بھول بھلیاں میں گزرتا ایک "دمکیلے" کمرے میں پہونچا جہاں کی ہر چیز سونے کی تھی۔ اتنا بہت سا سونا میں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا حتیٰ کہ دیواروں پر بھی سونے کے پتر چڑھے ہوئے تھے۔ کمرے کے انتہائی سرے پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ زرق برق لباس میں ملبوس دو خوبصورت عورتوں نے یہ پردے ہٹائے اور میں نے ان کے پیچھے ایک چبوترہ دیکھا جس پر ایک کاؤچ تھا اور اس کاؤچ

پر بوڑھا انکا ادیانگی بیٹھا ہوا تھا جو پہلے سے زیادہ بوڑھا اور کمزور معلوم ہوتا تھا اس دفعہ اس نے سفید اور سادہ لباس پہن رکھا تھا البتہ سر پر سرخ فیتہ تھا، جو میرے خیال میں رات اور دن کے کسی بھی حصے میں اس کے ماتھے سے الگ نہ ہوتا تھا۔

ادیانگی نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور کہا :۔

"دیوتائے بحر! خوش آمدید۔ تو آخر کار تم میرے پاس آ ہی گئے، حالانکہ تم نے کہا تھا کہ ایسا کبھی نہ ہوگا۔"

"میں آیا نہیں ہوں انکا بلکہ لایا گیا ہوں" میں نے جواب دیا۔

"ہاں ہاں مجھ سے کہا گیا ہے کہ تمھیں جنگ میں گرفتار کیا گیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم اپنی مرضی سے گرفتار ہوئے کیونکہ دنیا کی کون سی کمند دیوتا کو پکڑ سکتی ہے۔"

"کوئی بھی نہیں" میں نے بے دھڑک جواب دیا۔

"بے شک کوئی بھی نہیں۔ اور جنگ میں تم نے جو کچھ کیا ہے اس کے پیش نظر یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ تم واقعی دیوتا ہو یا ایسی ہی کوئی ہستی ہو کہتے ہیں کہ تیر اور بھالے تمھارے بدن کو چھوتے ہی پگھل جاتے تھے اور یہ کہ تن تنہا تم نے اپنی تلوار سے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ اس کے علاوہ جب اوراکو نے تمھیں قتل کرنے کی کوشش کی تو خود تم نے اسے گرا دیا حالانکہ وہ ملک کا سب سے زیادہ طاقتور آدمی ہے اور تم نے اس کی کھوپڑی کھول دی اور اس کے ساتھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ بچ جائے گا یا مر جائے گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ وہ مر جائے۔ کیونکہ تم تو جانتے ہی ہوگے کہ میرا اور اس کا جھگڑا ہوگیا ہے۔"

میں نے دل میں کہا کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن پوچھا:۔

"جنگ ختم کس طرح ہوئی؟"

"جس طرح شروع ہوئی تھی اے ہوراچی"

"مطلب؟"

"دونوں طرف کے ہزاروں سپاہی کھیت رہے لیکن نہ کسی کی فتح ہوئی اور نہ کسی کی شکست۔ دونوں فوجیں پیچھے ہٹ گئی ہیں اور ایک دوسرے کی طرف غرا رہی ہیں ان دو غصیلے شیروں کی طرح جو آپس میں لڑتے ڈرتے ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ اب جنگ ہو اور اب چونکہ اوراکو اپنی سی کرنے کے قابل نہیں رہا ہے اس لئے اب اگر ممکن ہو تو میں اس خون خرابے کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ ہوراچی! اب تم ہی بتاؤ کہ ہوراکا نے باغی چاکا کو اپنے ساتھ ملا کر ہم پر چڑھائی کیوں کی؟"

"اس لئے کہ تمہارے بیٹے شہزادے اوراکو نے ہوراکا کی بیٹی دیولا کو زہر دے دیا ہے یا اس کی کوشش کی تھی۔"

"ہاں۔ یہ بڑی ذلیل حرکت تھی اس کی۔ سفید فام آقا! کہانی یوں ہے کہ وہ حسین دیولا جو اپنی ماں چاند سے زیادہ خوبصورت ہے اوراکو کی دلھن بننے والی تھی لیکن آقا اب اتفاق ایسا ہوا کہ واپسی کے سفر میں اس کا دل مجھ پر آ گیا حالانکہ میں بوڑھا ہوں اور اس نے مجھ سے التجا کی کہ میں اسے اوراکو سے بچاؤں عورتوں کے ساتھ ایسے واقعات اکثر ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے بہترین چیز آتی ہے تو بدترین چیز پر سے ان کا دل ہٹ جاتا ہے وہ احمقوں کی طرح ہنسا۔ اس گاؤدی کی طرح جو خود اپنی ہی نظروں میں بلند ہوتا ہے۔

"بے شک۔ تمھیں دیکھنے کے بعد اس کا دل اوراکو کی طرف کیسے مائل ہو سکتا تھا؟"

"بالکل۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ اوراکو بدصورت اور گنوار بھی ہے اب میں کیا کر سکتا تھا؟ چند در چند وجوہات کی بنا پر میں اس عمر میں دوبارہ شادی نہیں کر سکتا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اب میں عورتوں سے تھک گیا ہوں اور زندگی کے جو تھوڑے بہت دن باقی رہ گئے ہیں انھیں عبادت میں گزار دینا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ اگر میں نے تیولا سے شادی کر لی ہوتی جیسا کہ وہ چاہتی تھی تو لوگ کہتے کہ میں نے اوراکو کا حق مار لیا۔ اس کے علاوہ عورت کا دل نازک ہوتا ہے چنانچہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ ٹوٹ جائے۔ اس لئے اوراکو سے بچانے کے لئے میں نے اسے آفتاب کی داسی بنا کر خانہ مقدس میں داخل کر دیا جہاں وہ محفوظ رہے گی۔"

"لیکن معلوم ہوا کہ وہاں بھی وہ محفوظ نہیں ہے انکا۔"

"ہاں۔ کیونکہ اس دم کٹے سانپ اوراکو نے اپنی کسی پجارن کے ذریعہ، جو داسیوں کی خدمت پر مامور ہے، اسے زہر دینے کی کوشش کی۔ یہ زہر ایسا تھا کہ تیولا کا پورا جسم پھول جاتا، اس کے چہرے پر داغ دھبے نمودار ہو جاتے اور شاید وہ دیوانی بھی ہو جاتی۔ خوش قسمتی سے وہاں کی ایک منتظم نے، جسے ہم "ماما کوناس" کہتے ہیں تیولا کے ہاتھ سے پیالہ گرا دیا۔ لیکن زہر کے چند چھینٹے اڑ کر اس کی آنکھوں میں گرے اور اس کی بینائی جاتی رہی۔"

"تو وہ زندہ ہے انکا؟"

"بے شک وہ زندہ ہے۔ یہ خود میں نے ذاتی طور پر معلوم کر کے اپنا

اطمینان کیا ہے کیونکہ اس ملک میں سنی سنائی باتوں پر یقین کرنا عقلمندی نہیں ہے۔ تم جانو بطور اتکا مجھے چند اختیارات حاصل ہیں۔ بے شک میں آفتاب کی ان کنواریوں سے بات نہیں کر سکتا لیکن یہ ضرور کر سکتا ہوں کہ حکم دوں کہ انھیں میرے سامنے لایا جائے لیکن وہ بھی خاص حالات میں۔ یہ معاملہ بڑا ہی گھناؤنا اور آزمائشی تھا کیونکہ بعض کنواریاں توبے حد بوڑھی، بدہیئت اور گھناؤنی ہیں۔ بہر حال قیولا کو دو کنواریاں جو میری دور کی رشتہ دار ہیں، سہارا دے کر میرے سامنے لائیں۔ عجیب اور حیرت کی بات یہ ہوئی ہے کہ زہر نے قیولا کو اور بھی حسین بنا دیا ہے کیونکہ اس کی آنکھیں پہلے سے زیادہ بڑی اور خوبصورت بن گئی ہیں اور دھند میں سے دکھائی دیتے ہوئے تاروں کی طرح چمکتی ہیں۔ بہر حال وہ زندہ ہے اور ہر مرد سے محفوظ ہے لیکن یہ ہورا کا چاہتا کیا ہے؟"

"وہ اپنی نابینا بیٹی واپس چاہتا تھا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ ایسی بات تو نہ کبھی کسی نے دیکھی اور نہ سنی۔ اگر ایسا ہوا تو زمین و آسمان ٹکرا جائیں گے اور ہمارا باپ سب کو جلا کر خاک سیاہ کر دے گا۔ اس کے باوجود ہم کوئی معاہدہ کر سکتے ہیں کیونکہ ہورا کا اپنی سی جنگ کر چکا اب شاید وہ زندہ نہ رہے گا۔ اچھا بھئی اب قیولا کی باتیں بہت ہو چکیں چنانچہ اس کا ذکر اب ختم کرو۔ میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کہو اتکا"

یکایک بوڑھے ادیانگی کا انداز بدل گیا۔ اب وہ کمزور اور سست نہ تھا بلکہ تیز نظر اور تیز دماغ بن گیا جیسا کہ وہ اپنی جوانی میں رہا ہوگا جب سے مجھے اس کے سامنے لایا گیا تھا اور ہماری گفتگو شروع ہوئی تھی، اسی وقت

سے دونوں عورتیں، جن کا ذکر میں کر چکا ہوں اور حاجب کمرے کے انتہائی سرے پر چلے گئے تھے ــــ اور وہاں وہ تینوں ہاتھ باندھے یوں کھڑے تھے جیسے معبد میں قربان گاہ کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں۔ اس کے باوجود اوبانگی نے چاروں طرف دیکھ کر اپنا اطمینان کر لیا کہ کوئی ہماری باتیں نہیں سن رہا ہے۔ پھر مجھے اشارے سے چبوترے پر بلا کر اپنے پہلو میں کاؤچ پر بٹھا لیا۔

"دیکھو۔ مجھے تم پر اعتبار ہے حالانکہ تم دیوتائے بحر ہو اور تم نے میرے خلاف جنگ کی تھی۔ سنو۔ تمہارے ساتھ تمہارا ایک خادم ہے جو بے حد عجیب آدمی ہے۔ سنا ہے کہ وہ بھی تمہارے ساتھ سمندر سے آیا ہے لیکن یہ میں نہیں مانتا کیونکہ وہ میرے شہزادوں کا سا ہے۔ تمہارا وہ خادم کہاں ہے؟"

"ہورا کا کی فوج میں۔"

"یہی میں نے سنا تھا اور مجھ سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ عین جنگ میں اس نے ایک ایسا جھنڈا بلند کیا تھا جس پر سورج بنا ہوا تھا اور یہ کہ اس جھنڈے کو دیکھتے ہی ہماری فوج کے چند دستے ہورا کا سے جا ملے تھے۔ ہمارے دستوں نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں نے سنا ہے انکا کہ یہاں کے حکمراں کے بہت سے لڑکے ہیں، ہو سکتا ہے کہ میرا یہ خادم انھیں میں سے ایک ہو۔"

"ہم۔م۔م۔ تم بے حد ہوشیار ہو جیسا کہ ایک دیوتا کو ہونا چاہیے۔ بہر حال میں بھی دیوتا ہوں اور مجھے بھی یہی خیال آیا تھا۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ میرے جائز بیٹے دو ہی ہیں اور دوسری اولادیں غیر اہم ہیں۔ ان میں سب سے بڑا شہزادہ قبول صورت اور بے حد قابل تھا اور اس کا نام کاری تھا ہم میں جھگڑا ہو گیا اور سچ ہی کیوں نہ

کہہ دوں کہ جھگڑا ایک عورت پر ہوا تھا یا یوں کہنا مناسب ہوگا کہ جھگڑا دو عورتوں میں ہوا تھا۔ کاری کی ماں نے اوراکو کی ماں سے، جسے میں بہت زیادہ چاہتا تھا، جھگڑا کیا۔ اوراکو کی ماں نے کبھی مجھے سخت و سست نہ کہا تھا اور کاری کی ماں مجھے ہمیشہ طعنے تشنے دیا کرتی تھی۔ چنانچہ اوراکو کو میں نے اپنا ولی عہد بنا دیا کہ میرے بعد وہ انکا بنے گا۔ لیکن یہ اعلان کافی نہ تھا کیونکہ اوراکو کاری سے جلتا تھا اس لئے کہ وہ ہر معاملے میں، سوائے جسمانی طاقت کے، اوراکو سے بڑھ کر تھا۔ دونوں ایک ہی عورت کو چاہتے تھے اور اس عورت کو کاری نے حاصل کر لیا بعد میں اوراکو نے کاری کی بیوی سے جبراً اپنی خواہش پوری کی اور اسے اس نے یا اور کسی نے قتل کر دیا۔ بہرحال وہ مر گئی۔ کس طرح؟ یہ مجھے اب یاد نہیں۔ اس کے بعد انکا کے امرا اور درباری اور وزرا کاری کی حمایت کرنے لگے کیونکہ وہ عقلمند اور قابل تھا جس کا مطلب تھا میرے بعد ملک میں خانہ جنگی۔ چنانچہ اوراکو نے اسے زہر دے دیا یا کم سے کم افواہ تو ایسی ہی تھی۔ بہرحال وہ یکایک کہیں غائب ہو گیا اور اکثر دفعہ میں اسے یاد کر کے رو دیا ہوں۔"

"کبھی یوں بھی ہوتا ہے انکا کہ مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔"

"بے شک دیوتائے بحر ـــ ایسا بھی ہوتا ہے ـــ دیوتا جو انہیں لے جاتے ہیں واپس بھی بھیج دیتے ہیں۔ اور تمہارا یہ خادم سنا ہے کہ کاری سے اس قدر مشابہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہی ہو۔ اور پھر یہ کیا بات ہے وہ دستے، جن کے افسر وہ ہیں جو کاری کو پسند کرتے تھے، ہوراکا سے کیوں جا ملے؟ اور کیا وجہ ہے کہ ایک خاص افواہ ملک میں آندھی کی گھوم رہی ہے؟ دیوتائے بحر! اپنے اس خادم کے متعلق بتاؤ کہ کون ہے اور یہ تمہیں سمندر میں کیسے ملا؟"

"یہ تم کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو انکا؟ کیا اس لئے کہ تم اس کو قتل کر دو کہ

گمشدہ کاری سے مشابہ ہے؟"

"نہیں ۔ تم بھی دیوتا ہو اور میں بھی دیوتا ہوں اور دیوتاؤں کے درمیان کوئی راز نہیں رہتا ۔ سنو۔ میں اس لئے جاننا چاہتا ہوں کہ ۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ حقیقت میں کاری ہی ہے میں اپنی دیوتائیت کا آدھا حصہ دے ڈالنے کے لئے تیار ہوں۔ سنو دیوتا! ادراکو سے میں تھک گیا ہوں ۔ اس حد تک کہ میں کبھی کبھی سوچنے لگتا ہوں کہ کیا واقعی ادراکو میرا ہی بیٹا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے یقین سے؟ ساحلی علاقے کا ایک سردار تھا ۔ دیو جیسا جس کے پورے بدن پر بال تھے اور وہ ایک ہی وقت میں آدمی سے زیادہ بھیڑ کھا جاتا تھا اور آدمی کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر اس کی کمر نرسل کی طرح توڑ سکتا تھا ۔ ادراکو کی ماں اس دیو کے متعلق اکثر سوچا کرتی تھی ۔ چنانچہ کون کہہ سکتا ہے کہ ادراکو کس کا بیٹا ہے؟ میرے باپ سورج کے علاوہ وہ اس حقیقت سے کوئی واقف نہیں اور سورج نے فی الحال یہ راز اپنے ہی تک رکھا ہے بہر حال ادراکو نے اپنے مظالم، جرائم اور شراب نوشی سے مجھے عاجز کر دیا ہے حالانکہ سپاہی اسے پسند کرتے ہیں کیونکہ وہ قصاب اور عیاش ہے۔ گزشتہ کل ہی قیولا کے معاملے میں میرا اور اس کا جھگڑا ہو گیا اور وہ مجھے دھمکیاں دیتا رہا یہاں تک کہ مجھے غصہ آگیا اور میں نے کہا کہ اب میں اسے اپنا تاج و تخت نہ دوں گا جیسا کہ میں نے اعلان کیا تھا۔ ہاں مجھے غصہ آگیا اور مجھے اس سے نفرت ہو گئی کہ اس کی خاطر میں نے گناہ کیا کیونکہ اس کی ماں نے مجھ پر سحر کر دیا تھا اور میں اندھا ہو گیا تھا دیوتا کے گھر"

"... یہاں ادیانکی کی آواز سرگوشی میں تبدیل ہو گئی ۔ مجھے ادراکو سے خوف آتا ہے کیونکہ تجھ جیسے زبردست کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ میں دیوتا کا موہن میں جا کر گوشہ نشینی اختیار نہ کروں گا کیونکہ وہاں مجھے قتل کر دیا گیا تو کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی اور اگر میں یہیں رہا تو انکا اور دیوتا مار ہوں گا جس کو چھونا تک زبردست گناہ ہے۔"

"میں سمجھ گیا آنکا لیکن میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟ میں تو تمہارا قیدی ہوں۔"

"نہیں۔ تم قیدی نہیں ہو۔ طبیبوں کا کہنا ہے کہ اورا کو مر سکتا نہیں تو طویل عرصے تک بستر پر ضرور رہے گا کہ تمہاری تلوار نے بہت گہرائی تک کاٹ کی ہے۔ اور جب تک وہ بستر پر ہے کل اختیارات میرے ہیں اور میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ پیغامبر تمہاری خدمت کے لئے وقف ہیں اور تم جب چاہو اور جہاں چاہو جانے اور آنے کے لئے آزاد ہو۔"

"تو؟"

"تم اپنے خادم کو میرے پاس لے آؤ۔ یقیناً اسے تم پر اعتبار ہے۔ ہاں۔ اسے یہاں لے آؤ کیونکہ میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"اگر ایسا ہوا تو کیا خاتون قیولا اس کے باپ کو لوٹا دی جائے گی؟"

"نہیں۔ یہ گناہ ہے۔ تم جو چاہے مانگ لو۔ زمین، محلات، دولت، حکومت، ہو یا ... لیکن یہ نہیں۔ میں خود بھی اسے انگلی تک لگانے کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ اب یہ سورج کی کنواری دلھن اور اس کی داسی ہے۔ لیکن اس قیولا کی اتنی اہمیت کیوں ہے جو ملک کی بہت سی حسیناؤں میں سے ایک ہے؟"

چند ثانیوں تک میں سوچتا رہا اور پھر جواب دیا:۔

"اہمیت تو ہے آنکا۔ بہر حال میں نہیں چاہتا کہ اب اور خون بہے چنانچہ میں کوشش کروں گا کہ اسے یہاں لے آؤں جو میرا خادم ہے۔ اگر تم مجھے اس کے پاس پہنچنے کا راستہ تلاش کر سکے، اس کے بعد میں پھر تم سے گفتگو کروں گا۔"

"بے شک۔ بے شک۔ میں بھی اب تھک گیا ہوں۔ اچھا فی الحال سلام دیوتائے بحر۔"

نواں باب (۹)

اصلیت

دوسرے دن صبح اسی آرام دہ اور شاہانہ کمرے میں، جس کی تفصیلات میں پچھلے باب میں بیان کر چکا ہوں، میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میری زرہ اور میرے ہتھیار وہیں لا کر رکھ دئے گئے تھے۔ شعلہ بار کو دیکھ کر مجھے بیحد خوشی ہوئی ہوئی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں ملازموں کے ساتھ۔ کیونکہ مجھے کبھی تنہا چھوڑا نہ جاتا تھا، سونے کے باغ میں ٹہل رہا تھا اور عجائبات پر حیرت کر رہا تھا کہ ایک بہت بیا میرے حاضر ہو کر کہا کہ "دیلورنا" مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں سوچنے لگا کہ یہ "دیلورنا" کون بزرگ ہیں لیکن جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ مہنت اعظم لاریکو کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ وہی لاریکو جو ادیانگی کے ساتھ جانکا کے شہر میں آیا تھا اور انکا کی طرف سے اس نے ہورا کا سے گفتگو کی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ "دیلورنا" مہنت اعظم کا لقب تھا۔

ہم دونوں نے جھک کر ایک دوسرے کو سلام کیا اور خادموں کو باہر بھیج کر تخلیہ کر دیا گیا۔

"دیوتائے بحر!" لاریکو نے کہا "مجھے انکا نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں اس کا مشیر خاص ہوں، اس سے میرا خون کا رشتہ ہے اور میں سورج دیوتا کے مندر کا مہنت اعظم ہوں۔ انکا چاہتے ہیں کہ تم ان کے سفیر بن کر جانکا کے پڑاؤ میں جاؤ۔ البتہ پہلے تم سورج کی قسم کھاؤ گے کہ تم یہاں

نا پس آؤ گے۔ کہو۔ تم قسم کھانے کو تیار ہو؟"

اب ظاہر ہے کہ میں کہیں بھی جاؤں بہرحال کوزا کو واپس آنا اور یہیں قیام کرنا چاہتا تھا کیونکہ قیولا یہیں تھی۔ چنانچہ میں نے نہ صرف سورج دیوتا کی بلکہ اپنے خدا اور اپنی تلوار کی بھی قسم کھائی کہ اگر چانکا لوگوں نے مجھے گرفتار نہ کرلیا یا جبراً نہ روک لیا تو میں واپس آجاؤں گا"

"اب اپنا مطلب بیان کرو" میں نے کہا۔

"آقا! ہمیں معلوم ہوا ہے ــــ یہ نہ پوچھو کہ کس طرح ــــ کہ جو آدمی تمہارے ساتھ اس سرزمین میں وارد ہوا ہے وہ کوئی اور نہیں بلکہ انکا کا بڑا بیٹا کاری ہے جسے ہم مردہ یقین کر چکے تھے۔ اب انکا کا اور اسکے مشیروں کا بھی ارادہ ہے کہ کاری کے ولی عہد ہونے کا اعلان کر دیا جائے اور بہت جلد وہ اویانکی کی جگہ حاصل کرے گا۔ لیکن یہ معاملہ بے حد خطرناک ہے خصوصاً اس لئے کہ فوج اب بھی اورا کو کے ماتحت ہے اور اکثر امرا اس کی ماں کے خاندان سے ہیں اور وہ اس لالچ میں اس سے چپکے ہوئے ہیں کہ جب وہ انکا بنے گا تو انھیں اقتدار حاصل ہو گا"

"لیکن مہنت اعظم لاریکو! کہتے ہیں کہ شہزادہ اورا کو اب زندہ نہ رہے گا اور اگر ایسا ہوا تو یہ ساری مصیبت آپ ہی ٹل جائے گی"

"بے شک تمہاری تلوار گہرائی تک کاٹ کر گئی ہے آقا لیکن میں نے اس کے خاص طبیب سے معلوم کیا ہے کہ چونکہ اس کا بھیجا سلامت ہے اور اس تک تلوار پہونچی نہیں اس لئے اورا کو مرے گا نہیں البتہ وہ طویل عرصے تک بستر سے اٹھ نہ سکے گا چنانچہ جب تک وہ معذور رہے ہمیں وہ کر لینا ہے جو ہم کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ تم جانو اسے مار ڈالنا جائز نہیں

اور نا سب بھی نہیں ۔ وقت بہت کم ہے آقا کیونکہ تم نے دیکھا بھی ہے کہ انکا بے حد بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہے اور اس کا دماغ بھی جواب دینے لگا ہے ۔ بلکہ اکثر دفعہ تو اس کا دماغ سرے سے کام ہی نہیں کرتا اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا ۔ دوسرے لفظوں میں ادراکو کسی کام کا نہیں رہا "

" مطلب یہ کہ مجھے جو کچھ طے کرنا ہے تم سے طے کرنا ہے اور یہ کہ میرا معاملہ براہ راست تم سے ہے اور ان سے ہے جو تمہارے پشت پناہ ہیں "

" بالکل ـــ تم بات کی تہہ کو فوراً پہونچ جاتے ہو آقا ۔ اچھا اب سنو ۔ انکا کے بعد بادشاہ میں سب سے زیادہ پر قوت آدمی میں ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ زیادہ تر میرا ہی سکہ چلتا ہے اور انکا وہی کرتا ہے جو میں کہتا ہوں حالانکہ بظاہر میں اس کی زبان بن کر بولتا ہوں اس کے باوجود میں گویا جال میں پھنسا ہوا ہوں ۔ اب تک میں نے ادراکو کی حمایت اور مدد کی تھی کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور تھا نہیں جو انکا بنتا حالانکہ وہ بڑا ہی ظالم ، عیاش اور خود غرض آدمی ہے ۔ بہرحال جانکا کے شہر سے واپس آنے کے بعد میرے اور ادراکو کے درمیان تنازع ہو گیا کیونکہ وہ ساحرہ قیولا کو حاصل کرنا چاہتا تھا جو اس کے ہاتھ سے نکل گئی اور اس کے لئے اس نے مجھے قصوروار ٹھہرایا ہے اور میں نے سنا ہے کہ اگر وہ انکا بن گیا تو مجھ سے انتقام لے گا اور مجھے زندہ نہ چھوڑے گا اور اگر وہ مجھے قتل نہ کر سکا تو مجھے میرے عہدے سے ہٹا کر میرے سارے اختیارات ختم کر دے گا ۔ اور یہ میرے لئے موت سے بھی بدتر ہو گا ۔ چنانچہ میں کاری سے مصالحت کرنا چاہتا ہوں ۔

بشرطیکہ وہ وعدہ کرے کہ مجھے اپنے عہدے اور مقام پر قائم رکھے گا۔ اور یہ مصالحت میں تمہارے ذریعہ ہی کر سکتا ہوں۔ آقا! میرے اور کاری کے درمیان یہ مصالحت کروا دو میں وعدہ کرتا ہوں تم جو چاہو گے تمھیں دلوا دوں گا حتیٰ کہ یہاں کی بادشاہت بھی اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئچا لوگ سفید فام دیوتائے بجم کو خوشی سے بطور انکا قبول کرلیں گے کیونکہ اس نے جنگ میں بڑی بہادری کا ثبوت دیا ہے اور وہ عقلمند، ہوشیار اور حکمرانی کے قابل ہے۔ لیکن آقا!" اس نے آہستہ سے اضافہ کیا" اس صورت میں نہ صرف اودا کو بلکہ کاری سے بھی چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہوگا۔"

"اور یہ میں کبھی نہ کروں گا" میں نے کہا "کیونکہ کاری میرا دوست ہے اور اس نے مصائب اور خطرات میں میرا ساتھ دیا ہے اس کے علاوہ میں انکا بننا نہیں چاہتا۔"

"تو پھر کوئی اور چیز ہے آقا جسے تم بہر حال حاصل کرنا چاہتے ہو؟ جانکا لوگوں کے شہر میں ہی مجھے ایک خیال آیا تھا خاتون قیولا کس قدر حسین اور پروقار عورت ہے۔ یہ واقعی عجیب بات ہے کہ اس کا دل اودیا جیسے بوڑھے پر آگیا۔"

"ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"واقعی بے حد عجیب بات ہے" میں نے کہا "اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ اس حسینہ کو عمر بھر کے لئے راہبہ بنا کر خانقاہ میں ڈال دیا گیا ہے۔ میں تم سے صاف لفظوں میں کہتا ہوں بہنت اعظم کہ کسی بھی مرد کا اکیلے رہنا مناسب نہیں۔ اس لئے میں نے، اگر یہ واقعہ

نہ ہو گیا ہوتا، قیولا سے شادی کر لی ہوتی اور وہ بھی خوشی سے میری بیوی بن جاتی۔“

ایک بار پھر ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور میں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

”میں نے یہی بات اشاروں کنایوں میں کاہری سے بھی کہی تھی اور اس سے پوچھا تھا کہ اگر وہ انکا بن گیا تو کیا وہ قیولا کو میرے حوالے کر دے گا؟“

”کیا جواب دیا اس نے؟“

”اس نے کہا کہ وہ مجھے ایک بھائی کی طرح چاہتا ہے تاہم وہ مجھے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دے گا کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ گزشتہ رات خود انکا ادیانگی نے بھی ایسی ہی بات کہی تھی۔“

”ضرور کہی ہو گی۔ لیکن یہ بات یا یہ اعتقاد خود ہم مہنتوں نے انکاؤں کے دلوں میں راسخ کیا ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو پھر ہمیں قوت اور اختیارات حاصل نہ ہوتے۔“

”لیکن تمہارے خیالات اور اعتقادات ایسے ہی راسخ رہتے ہیں ہمیشہ؟“

”دیوتاؤں اور انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین سے بچ نکلنے کے راستے ہوتے ہی ہیں۔ مثلاً ایسا ہی ایک راستہ مجھے اس عورت قیولا کے معاملے میں نظر آ رہا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم اس سلسلے میں بات کریں تم یہ بتاؤ سفید فام دیوتا کہ تم قیولا کو حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اگر ہاں تو اس کا عوض یا قیمت مجھے کیا دو گے؟ قیمت صرف شہزادہ کاری کی دوستی ہے جو تم میرے لئے حاصل کر دو گے یعنی یہ کہ اگر وہ انکا بن گیا

تو میرا عہدہ اور میرے اختیارات بدستور قائم رکھے گا۔"

"بے شک مہنت اعظم میں اس خاتون کو حاصل کرنا چاہتا ہوں اگر ہو سکا تو میں کاری سے اس کا وعدہ لے لوں گا جو تم چاہتے ہو۔ اچھا اب بتاؤ کہ اسے حاصل کرنے کا کون سا راستہ ہے؟"

"مجھے یاد آتا ہے سفید فام آقا کہ ایک قدیم قانون ہے کہ معذور عورت سورج کی دلھن نہیں بن سکتی یہ صحیح ہے کہ یہ قانون ان عورتوں کے لئے ہے جو دلھن بننے سے پہلے ہی معذور یا ناقص ہو گئی ہوں۔ اس کے باوجود یہ نکتہ اٹھایا گیا تو میں فتویٰ دے دوں گا کہ یہ قانون اس کے لئے بھی ہے جو اس مقدس شادی کے بعد معذور ہو گئی ہو۔ اس قسم کا یہ پہلا کیس ہے چنانچہ اس کی نفی میں ثبوت تلاش کیا گیا تو نہ ملے گا۔ اب اس لوراکو کی شیطنت سے قیولا اندھی ہو گئی چنانچہ وہ آنکھوں سے معذور چنانچہ ناقص ہے۔ غالباً تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے؟"

"سمجھ تو گیا ہوں لیکن اس معاملے میں اوبانکی یا کاری کا رویہ کیا ہو گا؟ تم نے کہا ہے کہ انکا شروع سے ہی متعصب اور مذہب کے معاملے میں کٹر ہوتے ہیں چنانچہ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے اس فتوے کی مخالفت کریں۔"

"یہ تو میں نہیں کہہ سکتا آقا لیکن گول گول باتیں کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ اگر ممکن ہوا تو میں تمہاری مدد کروں گا اور اگر ممکن ہوا تو تم میری مدد کرو گے البتہ میں یہ ضرور کہوں گا کہ چونکہ تم متعصب اور کٹر نہیں ہو اس لئے آخر میں قانون تمہیں خود ہاتھ میں لینا ہو گا اگر ضرورت ہوئی تو اور خاتون قیولا تمہارا ساتھ دے گی کیونکہ وہ سورج کی نہیں بلکہ چاند کی پرستش کرتی ہے۔"

آخر میں یہ ہوا کہ اس عیار مہنت اور سیاست داں کے اور میرے درمیان ایک سودا طے ہوا۔ اگر میں نے کاری کو اس کا دوست بنا کر اس کے فائدے کے تمام شرائط اس سے منظور کروا دیئے تو یہ لاریکو مجھے قیولا تک پہونچا دے گا اور اسے لے کر فرار ہو جانے میں میری مدد کرے گا۔ یہ اس نے سورج کی قسم کھا کر کہا اور میں نے بھی قسم کھا کر کہا کہ میں کاری سے اس کی سفارش کر دوں گا۔ اس کے علاوہ اس نے بڑی عیاری سے کہا کہ ہم دونوں میں سے کوئی بھی اپنی قسم توڑنے کی جرأت نہ کرے گا کیونکہ اب ہم ایک دوسرے کے اختیار میں تھے اور یہ کہ ہم دونوں کا مفاد ایک دوسرے سے وابستہ تھا۔

اس کے بعد ہم دوسرے عام معاملات پر گفتگو کرنے لگے۔ مجھے ہوراکا اور جانکا سے معاہدہ کرنے کا اختیار دیا گیا کہ انھیں ایک وادی میں، جو کوزا کو کے قریب تھی، اس وقت تک قیام کرنے کی اجازت تھی جب تک کہ صلح اور جنگ بندی کی شرائط طے نہیں ہو جاتیں۔ جانکا فوج کے لئے غلے اور رسد کا انتظام انکا کے ذمہ ہوگا۔ اس معاہدے کی رو سے جانکا لوگوں کی آزادی اور ہر وہ چیز دے دی جائے گی جو ان کی ضرورت کی ہو اور بیرونی حملوں سے ان کی حفاظت کی جائے گی۔ اس کے علاوہ مجھے کاری اور ان لوگوں کو جو کوبجا فوجوں سے الگ ہو کر جانکا سے جا ملے تھے، دوسرے دن کوزا کو میں اپنے ساتھ لانا تھا۔ ان کی حفاظت کا بھی انکا کی طرف سے وعدہ کیا گیا۔

اس کے بعد مہنت اعظم لاریکو چلا گیا اور اس وقت میں خوش تھا قیولا کے الوداع کہنے کے بعد آج پہلی دفعہ میں خوشی اور اطمینان محسوس کر رہا تھا کیونکہ اب میرے دل میں امید کی شعاع روشن تھی۔ بے شک بے حد وہم اور

کمزور تھی یہ شجاع تاہم شجاع تھی۔ اس توہم پرست اور اندھیر نگری میں آخر کار مجھے ایک ایسا شخص مل گیا تھا جو اپنے اعتقاد میں اندھا اور مذہبی طور پر مجنون نہ تھا۔ بے شک یہ لاریکو مجھے دھوکا دے سکتا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایسا نہ کرے گا کیونکہ اسے یقین تھا کہ میں کاری کو اس کے خلاف کر سکتا تھا بلکہ اس کا سخت اور جانی دشمن بنا سکتا تھا۔ بہر حال مجھے اپنی قسمت پر بھروسا کرنا تھا حالانکہ یہ حقیقت تھی جہاں تک عورتوں کا سوال ہے قسمت نے میرا ساتھ اب تک تو نہ دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی میں خود انکا کی ڈولی میں سوار ہو کر اور ملک کے مشہور اور بلند عہدہ امرا کے وفد کے ساتھ چانکا کے پڑاؤ کی طرف جا رہا تھا ہم میدان جنگ میں سے گزرے جہاں دونوں فوجیں پیچھے ہٹ کر اپنے اپنے مردے دفن کرنے میں مصروف تھیں۔ ہم اس ٹیلے کے قدموں میں پہونچ گئے جس پر سے اتر کر ہم نے گزشتہ کل انکا لوگوں پر حملہ کیا تھا۔ یہاں چانکا پہرے داروں نے ہمیں للکار کر روکا تو میں ڈولی میں سے نکل کر باہر آیا۔ جب چانکا لوگوں نے مجھے اپنی زرہ پہنے ہوئے اور زندہ دیکھا تو انھوں نے خوشی کے نعرے لگائے اور پھر مجھے اور میرے ساتھ وفد کے امرا کو ہورا کا کے خیمے میں لے جایا گیا۔

ہورا کا ایک کاؤچ پر لیٹا ہوا تھا۔ ہر چند اسے کوئی ظاہری زخم نہ آیا تھا لیکن اوراکو کے ڈنڈے کی ضرب سے اندرونی چوٹ آئی تھی اور میں سمجھتا ہوں اس کے احشاء کو کچھ نقصان ہو گیا تھا ہورا کا نے بے حد خوش ہو کر مجھے خوش آمدید کہا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ گرفتار کرنے کے بعد مجھے قتل

کردیا گیا ہوگا۔ پھر اس نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ میں دشمنوں کے وفد کے ساتھ اس کے پڑاؤ پر آیا ہوں؟ میں نے بغیر کسی تمہید کے سارے واقعات بیان کردئے اور یہ بھی بتا دیا کہ میرے سپرد جو خدمت کی گئی ہے اسے پورا کرکے بعد مجھے کوزا کو واپس جانا ہے۔ اب انکا کے وفد نے صلح کی شرائط پیش کیں اور پھر وہ لوگ وہاں سے ہٹ گئے کہ ہوراکا اپنے مشیروں اور کاریگری سے مشورہ کرلے۔ یہ لوگ بھی مجھے زندہ دیکھ کر بے حد خوش ہوئے تھے۔

آخر میں صلح کے شرائط طے ہوگئے یعنی جانکا اس وادی تک پیچھے ہٹ جائیں گے جس وادی کا پتہ میں نے دیا تھا، کھانے پینے کا انتظام انکا کردے گا اور یہ کہ ان کا پڑاؤ اس وقت تک اس وادی میں رہے گا جب تک کہ جنگ بندی کا اور امن وسکون کا اعلان نہیں کردیا جاتا۔ جانکا لوگ خوش تھے کہ صلح کے شرائط طے ہوگئے تھے اور فی الحال جنگ بندی ہوگئی تھی کیونکہ انھیں بڑا بھاری جانی نقصان برداشت کرنا پڑا تھا اور اب وہ کوزا کو پر نئے سرے سے حملہ کرنے کے قابل نہ رہے تھے کیونکہ اب بھی انکا کی فوجیں بہت زیادہ تھیں اور کوزا کو اور اپنے گھروں اور خاندان کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں لڑا دینے کے لئے تیار تھیں۔

چنانچہ ساری باتیں طے ہوگئیں کہ تیس دنوں کے اندر اندر صلح کا معاہدہ ہوجائے گا اور امن قائم کردیا جائے گا اور اگر اس مقررہ مدت میں ایسا نہ ہوا تو پھر جنگ شروع کردی جائے گی۔

اس کے بعد میں نے اکیلے میں وہ ساری باتیں ہوراکا کو بتادیں جو مجھے قیولا کے متعلق معلوم ہوئی تھیں اور یہ کہ اسے بچا لینے کی مجھے اب بھی امید تھی۔ چند ثانیوں کے غور وخوض کے بعد اس نے کہا کہ اب قیولا کی قسمت کا فیصلہ وہ دیوتاؤں کے اور میرے ہاتھ

میں دے رہا تھا کیونکہ اب وہ انکا سے جنگ کرنے کے قابل نہ تھا اور قیولا کی خاطر صلح کے اس موقع کو ہاتھ سے نہ دے گا۔ وہ خود زخمی تھا' میں' میعنی بیوبرٹ' انکا کا قیدی تھا چنانچہ چانکا لوگوں کے جی چھوٹ گئے تھے۔

اس کے بعد میں اس سے رخصت ہوا اور میں نے وعدہ کیا کہ میں مکمل امن قائم کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کروں گا اور یہ کہ اگر ممکن ہوا تو اس سے ملنے کے لئے آتا رہوں گا۔

اب میں کاری کو ایسی جگہ لے گیا جہاں کوئی ہماری باتیں سن نہ سکتا تھا اور میں نے لاریکو کی پیش کش سے اسے آگاہ کیا اور بتایا کہ صورت حال کیا تھی البتہ قیولا کے متعلق میں نے اسے کچھ نہ بتایا حالانکہ اس سے یہ بات چھپاتے میرا دل دکھتا تھا۔ لیکن میں کیا کرتا۔ مجبوری تھی کیونکہ جانتا تھا کہ اگر وہ انکا یا ولی عہد بن گیا تو اپنے اندھے اعتقاد کی بنا پر میرے خلاف ہو جائے گا اور شاید کسی مہنت کے ذریعہ قیولا کو قتل کروا دے گا۔ چنانچہ اس معاملے میں خاموش رہا اور سچ تو یہ ہے کہ خود کاری قیولا کے متعلق کچھ بھی سننا نہ چاہتا تھا۔

کاری جب سب کچھ سن چکا تو بولا :-

"آقا! مجھے تو اس میں فریب کی بو آتی ہے۔ اس لاریکو پر مجھے بھروسا نہیں۔ کیونکہ وہ میرا دشمن اور اوراکو کا دوست رہا ہے"

"میرے خیال میں وہ اپنے علاوہ کسی کا دوست نہیں" میں نے جواب دیا "اور جانتا ہے کہ اگر اوراکو تندرست ہوگیا تو اسے زندہ نہ چھوڑے گا کیونکہ جب اوپانکی اور اوراکو میں جھگڑا ہوا تو لاریکو نے تمہارے باپ کا ساتھ دیا تھا"

"یقین سے کچھ بھی کہنا مشکل ہے" کاری نے کہا "تاہم یہ خطرہ مول

لینا پڑے گا۔ جب ہم تمہارے ملک کے دریا میں سفر کر رہے تھے تو میں نے کہا نہیں تھا کہ ہمیں اپنے دیوتاؤں پر اعتبار کرنا چاہیئے۔ اور دیوتاؤں نے ہماری مدد نہیں کی اور ہمیں بچایا نہیں! اب ایک بار پھر میں اپنے دیوتا پر بھروسا کرتا ہوں "

اور اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس نے یا جایک کا بت نکال کر اسے چوما۔ اور پھر سورج کی طرف گھوم کر اس کے سامنے جھک گیا۔

"میں تمھارے ساتھ چلوں گا آقا" اس نے کہا "اور تو زندہ رہ کر انکا بنوں گا یا مر جاؤں گا۔ جیسی سورج دیوتا کی مرضی"

چنانچہ وہ میرے ساتھ چلا۔ اور وہ چند افسر بھی ساتھ آئے جو کاری کے حامی تھے اور عین جنگ میں کو تیا کا ساتھ چھوڑ کر ہم سے آملے تھے لیکن پانچ ہزار سپاہی یا یوں کہو کہ ان میں جو زندہ بچ گئے تھے پڑاؤ میں رہے کیونکہ انھیں خوف تھا کہ کہیں اورا کو کے دستے ان پر ٹوٹ پڑیں اور ان کا خاتمہ کر دیں

ہم کوزاکو میں پہنچ گئے اور اسی رات کاری اور مہنت اعظم لاریکو میں خفیہ ملاقات ہوئی۔ ان دونوں میں کیا باتیں ہوئیں اور کیا طے پایا یہ میں نہیں جانتا کیونکہ کاری نے مجھے صرف اتنا بتایا کہ ان میں ایک معاہدہ ہو گیا تھا اور یہ کہ دونوں اس معاہدے سے مطمئن تھے۔ لاریکو سے میری ملاقات ہوئی تو اس نے بھی ایسا ہی کہا اور پھر اضافہ کیا:۔

" دیوتائے بحر! تم نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اب وقت آنے پر میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ البتہ میں تمھیں خبردار کیے دیتا ہوں کہ شہزادے کاری سے تیولا کے متعلق کبھی ایک لفظ نہ کہنا کیونکہ جب میں نے اس سے کہا کہ اگر ہم نے تیولا کو اورا کو کے سپرد کر دیا تو صلح آسان ہو گی تو اس نے سختی سے کہا

کہ ایسا اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ انکا کا ایک بھی آدمی زندہ ہے اور یہ کہ اگر ہوراکا تیولا کے لئے بضد رہا تو کاری اس سے جنگ کرے گا۔

"وہ سورج کی پناہ میں گئی ہے" کاری بولا "اور سورج کی پناہ میں وہ رہے گی۔ ورنہ سورج اور اس سے بھی بڑے دیوتا پاچانک کا عذاب مجھ پر اور پوری قوم پر نازل ہوگا"

لاریکو نے یہ بھی بتایا کہ خطرہ محسوس کر کے وہ امرا جو اوراکو کے حمایتی ہیں، اوراکو کو اس ڈولی میں ڈال کر اس قلعہ میں لے گئے ہیں جو پہاڑوں میں اورکوزاکو سے پانچ لیگ کے فاصلے پر ہے۔ پانچ ہزار منتخب سپاہی بھی اس کے ساتھ گئے ہیں جو قلعے کی اور اس کی حفاظت کریں گے۔

دوسرے دن انکا اوبانکی نے مجھے بلا بھیجا۔ چنانچہ میں اپنی زرہ پہن کر اسی کمرے میں پہونچا جس میں پہلے دن مجھے لے جایا گیا تھا۔ اس وقت انکا اپنے شاہانہ لباس میں کاؤچ پر بیٹھا ہوا تھا اور تنہا بھی نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ انکا خاندان کے امرا بھی بیٹھے ہوئے تھے اور مہنت اعظم لاریکو بھی موجود تھا۔

اوبانکی نے، جو اس صبح اپنے آپ میں معلوم ہوتا تھا، مجھے خوش آمدید کہا اور مجھ سے کہا کہ میرے اور ہوراکا کے درمیان جیسی بات چیت ہوئی تھی اور جو کچھ ہوا تھا بیان کر دوں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا البتہ یہ نہ بتایا کہ چانکا لوگوں کو کتنا بھاری جانی نقصان ہوا تھا اور یہ کہ وہ صلح کرنے کے لئے کتنے بے قرار تھے۔

انکا نے کہا کہ ٹھیک ہے صلح کا معاہدہ ہو جائے گا۔ میں نے سمجھا کہ اب دربار ختم ہوا۔ لیکن نہیں۔ عین اسی وقت ایک حاجب نے آکر بادشاہ کو

سجدہ کیا اور کہا کہ ایک فریادی حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے اوپا نکی نے اپنا شاہی عصا ہلایا۔ جس کا مطلب تھا کہ اجازت ہے۔ دوسرے لمحے انکا شہزادے کے لباس میں کاری کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے کان کی لو کے چھید میں سورج کی تصویر والی بالی کھنچی ہوئی تھی اور اس کے گلے میں سونے کی زنجیر پڑی ہوئی تھی اور وہ اکیلا بھی نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ وہ امرا اور افسر تھے جو جنگ میں انکا فوجوں سے الگ ہو کر ہماری فوجوں سے آملے تھے۔ کاری آگے بڑھا اور اوپانکی کے سامنے جھک گیا۔

"کون ہے یہ جس نے انکا کے مقدس خاندان کی علامتیں لگا رکھی ہیں اور جس نے شہزادوں کا لباس پہن رکھا ہے؟"

اوپانکی بے پروائی سے اور انجان بن کر پوچھ رہا تھا لیکن میں نے دیکھا کہ اس کے گالوں پر سرخی دوڑ گئی تھی اور عصائے شاہی اس کے ہاتھ میں کانپ رہا تھا

"میں وہی ہوں جس کی رگوں میں انکا کا مقدس خون گردش کر رہا ہے اور میں وہی ہوں جو سورج کے مقدس خاندان کا ہی فرد ہے،" کاری نے جواب دیا۔

"نام کیا ہے؟" انکا نے پوچھا۔

"کاری — انکا کا پہلا بیٹا"

"ہاں۔ اس نام کا میرا ایک بیٹا تھا لیکن اسے تو مرے مدتیں گزر گئیں کم سے کم مجھ سے تو ایسا ہی کہا گیا ہے۔"

"وہ مرا نہیں انکا۔ وہ زندہ ہے اور اس وقت تمہارے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا ہوا ہے اور اکو نے اسے زہر دے دیا تھا لیکن سورج نے اس کی مدد کی اور پاچاک نے اسے زندگی بخشی۔ سمندر اسے دور دراز

ملک کی طرف لے گیا جہاں اسے ایک سفید فام دیوتا ملا جو اس کا دوست بنا اور اسے اپنے پاس رکھا" اور یہاں کاری نے سر سے میری طرف اشارہ کیا۔ "اس دیوتا کے ساتھ وہ اپنے وطن واپس آیا اور اس وقت وہ تمھارے سامنے جھکا ہوا ہے انکا۔"

"یہ نہیں ہو سکتا" اوپانگی نے کہا "کیا ثبوت ہے تمھارے پاس کہ تم کاری ہو؟ وہ بت مجھے دکھاؤ جو دیوتاؤں کے دیوتا کی علامت ہے اور جو بچپن سے اس کی گردن میں ڈالا گیا تھا جس کا نام کاری تھا اور جو میری ملکہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔"

کاری نے اپنے چغے کا گریبان کھول کر پاچامک کا بت برآمد کیا۔

اوپانگی نے بت لے کر اپنی جالا پڑی آنکھوں کے قریب لے جا کر اسے دیکھا۔

"معلوم تو وہی ہوتا ہے" وہ بولا "لیکن کیسے یقین کر لوں کہ ایسی چیزوں کی نقل کی جا سکتی ہے۔"

اس نے بت کاری کو دے دیا اور خود سر جھکا کر سوچنے لگا پھر بولا۔

"شاہی دائی کو حاضر کرو"

صاف ظاہر تھا کہ یہ انتظام پہلے سے ہی کر دیا گیا تھا اور یہ عورت بلاوے کی منتظر کھڑی تھی۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحے وہ حاضر ہوئی۔ یہ عورت بہت بوڑھی تھی جس کی کمر جھک گئی تھی۔

"مادر!" انکا نے کہا "تم اس وقت کویا (یعنی ملکہ) کے پاس تھیں جب اس نے میرے بیٹے کو جنم دیا تھا اور اس کے بعد تم نے میرے اس بیٹے کو برسوں تک کھلایا تھا۔ اب اگر وہ میرا بیٹا تمھارے سامنے آجائے تو کیا تم اسے

پہچان لو گی ؟"

"ہاں انکا"

"کس طرح ؟"

"ان تین تلوں سے جسے ہم عورتیں "یوٹی، قیبولا، اور چاسکا (سورج، چاند اور ستارہ) کہتے ہیں۔ یہ تینوں تل جو ایک دوسرے کے اوپر تھے خوش بختی کی علامت کے طور پر دیوتاؤں نے شہزادے کی پشت پر بنا دیے تھے۔"

"اے وہ جو اپنے آپ کو کاری کہتا ہے۔ تم اپنا جسم اس بوڑھی مادر کو دکھانے کے لئے تیار ہو ؟" انکا نے پوچھا۔

جواب میں کاری نے مسکرا کر اپنا اوپری لباس اتار دیا اور اب وہ ہمارے سامنے اس طرح کھڑا تھا کہ اس کا اوپری جسم برہنہ تھا۔ اب وہ بڑھیا کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو گیا۔ بڑھیا نے آگے بڑھ کر اس کی پیٹھ کا معائنہ کیا

"بہت سے نشانات ہیں" وہ بولی "زخموں کے، چوٹوں کے آگے اور پیچھے۔ اس سپاہی نے بہت سی جنگیں کی ہیں اور بہت سی لڑائیاں لڑی ہیں۔ لیکن یہ کیا؟ دیکھو انکا — یوٹی، قیبولا اور چاسکا۔ تینوں تل اوپر تلے ہیں۔ حالانکہ چاسکا ایک زخم کے نشان سے قریب قریب دب گیا ہے۔ میرے بیٹے، جسے میں نے اپنا دودھ پلایا تھا، اے میرے شہزادے! کہاں تھے تم ؟ تم کہاں سے اپنا حق حاصل کرنے آ گئے ؟ کاری — مقدس خون والے — کاری — جسے سب مردہ کہتے تھے — تمھارا آنا مبارک ہو۔"

اور پھر وہ بوڑھی عورت کاری سے لپٹ گئی اور اسے چومنے لگی۔ کاری نے بھی جواب میں اس کے ماتھے پر بوسے دیے۔

"اسے شہزادے کا لباس دے دو" انکا نے کہا "اور وہ فیتہ لاؤ جو ولی عہد

پہنتا ہے۔"

مہنت اعظم لاریکو نے فوراً فیتہ پیش کیا اور میرے کان میں کہا کہ یہ سارا ڈرامہ پہلے سے ہی تیار کیا گیا تھا۔ اویانگی نے فیتہ لاریکو کے ہاتھ سے لے لیا اور کاری کو اپنے قریب بلا کر مہنت اعظم کی مدد سے اس کے ماتھے پر باندھ دیا اور یوں اس کو انکا کے تاج و تخت کا وارث نامزد کر دیا۔ اب اس نے کاری کے ماتھے پر بوسہ دیا اور کاری نے جھک کر باپ کے قدم چوم لئے۔

اس کے بعد اویانگی، کاری، لاریکو اور دوسرے امرا اندرونی کمرے میں چلے گئے اور، جیسا کہ بعد میں لاریکو نے مجھے بتایا، آپس میں مشورہ کیا کہ اوراکو کی تمام تدبیریں الٹ دی جائیں اور اگر ضرورت ہو تو اوراکو اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔

دوسرے دن کاری نے خود اپنے مکان میں قیام کیا جو محل سے زیادہ قلعہ تھا کہ موٹے موٹے پتھروں کا بنا ہوا تھا، اس میں تنگ دروازے تھے اور چاروں طرف کھلا میدان تھا۔ اس میدان میں ان تمام سپاہیوں کی چھاؤنی بنا دی گئی جو جنگ میں ہماری فوجوں سے آملے تھے اور اب واپس کوزاکو میں آ گئے تھے۔ وہ دوسرے دستے بھی، جو انکا کے وفادار تھے، قریب ہی پڑاؤ ڈال کر پہرہ دینے لگے۔ رہے وہ دستے جو اوراکو کے حامی تھے وہ چپکے سے کوزاکو سے نکل کر اس قلعے کی طرف چلے گئے جہاں اوراکو تھا۔ اس کے علاوہ اعلان کر دیا گیا کہ نئے چاند کے دن، جو مہنتوں کے بقول مبارک دن تھا، کاری کو عوام کے سامنے پیش کر کے اس کے ولی عہد ہونے کا اعلان عام کر دیا جائے گا۔ اور اوراکو

کو ولی عہدی سے برطرف کر دیا جائے گا۔ یہ رسم سورج کے مندر کے چوک میں ادا کی جائے گی۔

میں اس کامیابی پر اسے مبارکباد دینے پہونچا تو کاری نے کہا:۔

"برادر!" چونکہ اب وہ شہزادہ تھا اس لئے مجھے آقا نہیں برادر کہتا تھا "برادر! میں نے کہا نہیں تھا کہ ہمیں ہمیشہ اپنے دیوتاؤں پر بھروسا کرنا چاہئے؟ دیکھو۔ میرا بھروسا بیکار نہیں گیا۔ حالانکہ یہ سچ ہے کہ ابھی خطرات ٹل نہیں گئے ہیں۔ اور شاید خانہ جنگی باقی ہے"

"ہاں کاری تمہارے دیوتاؤں نے تمہیں وہ سب کچھ دے دیا جو تم چاہتے تھے" میں نے جواب دیا "لیکن میری قسمت میں اب بھی محرومیاں ہیں"

"برادر! کیا چاہتے ہو تم؟ تم چاہو تو آدھی حکومت لے سکتے ہو"

"کاری!" میں نے جواب دیا "مجھے زمین نہیں چاند چاہئے"

کاری سمجھ گیا اور اس کے چہرے پر کرختگی آ گئی۔

"برادر! چاند تمہاری پہونچ سے باہر ہے کیونکہ وہ آسمان میں ہے اور تم زمین پر" اس نے ابرو پر بل ڈال کر جواب دیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔

دسواں باب (۱۰)

زلزلہ

نئے چاند کا دن آیا تو اپنے ساتھ وہ زبردست سنسنی لایا جس نے پورے تاد نیٹیو میں زلزلہ ڈال دیا اور لوگوں کو خوف ہوا کہ آسمان ان پر ٹوٹ پڑے گا۔

اوباگی کو اپنا بڑا بیٹا واپس مل گیا تھا اس لئے اب وہ اس پر فدا تھا اور اسے اپنی نظر سے دور نہ کرتا تھا اور اس کی گردن میں ہاتھ ڈالے اکثر باغ میں ٹہلا کرتا اور جو بھی بات اسے یاد آجاتی کہہ دیتا اور کبھی خاموش نہ ہوتا۔ کاری بھی اس کی اس بکواس سے تھکتا نہ تھا۔ اس کے علاوہ اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا کیونکہ اس نے کاری سے ناانصافی کی تھی۔ اور اوراکو کی ماں کی محبت میں اندھے ہو کر اوراکو کو اس پر ترجیح دی تھی۔

"سچ تو یہ ہے بیٹے!" خود میں نے اسے کاری سے کہتے سنا "کہ ہر مرد بظاہر تو دنیا پر حکومت کرتے ہیں لیکن دراصل ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ عورتیں ہم پر حکومت کرتی ہیں۔ ہم اپنے جذبات کے غلام ہیں اور انہیں جذبات کے ذریعے عورتیں ہمیں اپنے قبضے میں کر لیتی ہیں۔ بظاہر عورتیں مردوں کی غلام ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں مرد ان کے غلام ہوتے ہیں۔ اور ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ اور فساد کی جڑ یہی عورت ہوتی ہے"

"ہاں۔ میں نے بھی یہی سبق لیا ہے اے میرے باپ" کاری نے جواب دیا "اسی لئے میں نے عورتوں سے کوئی تعلق نہیں رکھا اور نہ رکھوں گا۔ اس ملک میں، جہاں میں پہونچ گیا تھا، میں نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے امیروں کی تباہی اور بربادی کا باعث عورت ہی بنی ہے۔ اس کے علاوہ میں نے یہ بھی دیکھا ہے عورت ناقص العقل ہوتی ہے اور جس بات سے نقصان اٹھاتی ہے وہی بات دوبارہ کرتی ہے۔ اور پھر مردوں کو تو دیوانہ ہی بنا دیتی ہیں اور مرد عورت کے پیچھے ایسا اندھا اور بیوقوف بن جاتا ہے کہ اس کی خاطر دیوتاؤں کے غضب کی بھی پروا نہیں کرتا۔"

اور یہاں کاری نے عجیب نظروں سے میری طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر کہ میں ان کی باتیں سن رہا تھا وہ دوسرے معاملات پر گفتگو کرنے لگا۔

مقررہ دن اور مقررہ وقت پر انکا خاندان کے تمام امرا اور زمیندار اور سردار کاری کو ولی عہد بنائے جانے کی رسم میں شریک ہونے کے لئے کوزاکو میں جمع ہوئے۔ یہ رسم سورج کے عظیم الشان مندر میں ادا کی گئی۔ یہ مندر اب میں نے پہلی دفعہ دیکھا۔

یہ بہت زبردست اور حیرت انگیز مقام تھا۔ اسے "خانۂ زریں" کہتے تھے تو یہ سچ ہی تھا کیونکہ ہر چیز سونے کی تھی۔ مغربی دیوار پر بیس فٹ کا سونے کا سورج لٹک رہا تھا۔ جس کے کناروں پر ہیرے جڑے ہوئے تھے اور اس سورج کی آنکھیں تھیں جو زمرد کی تھیں ہونٹ تھے جو یاقوت کے تھے اور منہ میں دانت تھے جو بھرے ہیروں کے تھے چھت

اور دیواروں پر بھی سونے کی چادریں لگی ہوئی تھیں حتیٰ کہ طاق اور ستون بھی ٹھوس سونے کے تھے۔

ایک دیوار پر چاند، تارے اور سیارے تھے۔ یہ بھی چاندی اور سونے کے تھے اور یہ دیوار آسمان کا سماں پیدا کر رہی تھی اور ایسا جگر جگر کرتا ہوا آسمان تھا کہ اس پر نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ ایک چھوٹا سا مندر بجلی اور دھنک کا تھا اور اس کی دیواروں پر چاندی کی بجلیاں کوندرہی تھیں اور دھنک اپنے ساتوں رنگوں میں نادر جواہر سے جگمگا رہی تھی۔ ان ہیروں اور جواہرات سے جو جگمگاہٹ پھوٹ رہی تھی اس کا اثر خیرہ کن تھا۔

یہ زبردست دولت بلکہ خزانہ دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے اور میں نے سوچا کہ اگر اس خزانے کی خبر کسی طرح یورپ تک پہونچ جائے تو اسے حاصل کرنے کے لئے لوگ ہزاروں کی تعداد میں اپنی جانیں دے دینے سے دریغ نہ کریں گے۔ اور یہ سارا سونا، یہ ساری چاندی اور یہ سارے جواہرات یہاں کسی کام میں نہ آتے تھے۔ ان سے مکانات اور مندر سجائے جاتے اور انھیں دیوتاؤں کے حضور پیش کیا جاتا تھا۔

لیکن سورج کے اس مندر میں سونے چاندی سے بڑھ کر ایک اور عجوبہ تھا۔ سونے کو کاٹ کر اور تراش کر بنائے ہوئے سورج کے دائیں اور بائیں سونے کی ہی منقش کرسیوں کی قطاریں تھیں اور ان کرسیوں میں یہاں کے انکاؤں اور ان کی ملکاؤں کی لاشیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ جی ہاں۔ یہ مردہ بادشاہ اور ملکائیں اپنے زرق برق شاہانہ لباسوں میں اور ہاتھوں میں عصائے حکومت لئے سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ ان لوگوں نے ان لاشوں کو مسالہ بھر کر اس خوبی سے محفوظ کیا تھا کہ یہ لوگ مردہ نہیں

بلکہ ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے کرسیوں پر بیٹھے ہی بیٹھے سو گئے ہوں۔ البتہ غور سے دیکھنے سے ان کے بشروں پر موت کی سرد مہری نظر آجاتی تھی۔ اور بس۔ انھیں لاشوں کے درمیان ایک کرسی میں ایک ملکہ بڑی شان اور تمکنت سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے میں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ کاری کی ماں تھی کیوں کہ اس کی شکل و صورت کاری سے ملتی جلتی تھی۔ بادشاہوں اور ملکاؤں کی لاشیں اتنی بہت سی تھیں کہ میں انھیں شمار کرتے کرتے پریشان ہو گیا۔ کیونکہ یہاں کے سب سے پہلے انکا اور سب سے پہلی ملکہ سے لے کر ادیانگی سے پہلے والی ملکہ کی لاش تک کو حنوط کر کے رکھا گیا تھا۔ یہ میں نہیں جانتا کہ ان لوگوں کا لاشوں کو حنوط کرنے کا طریقہ بھی وہی تھا جو قدیم مصریوں کا تھا۔ بہر حال یہاں کے بادشاہ اور ملکائیں دنیا سے رخصت ہونے کے بعد یہاں اپنے دیوتا سورج کے دائیں بائیں اور اس کی پناہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور یہاں کی خاموشی اور یہاں کا ماحول بھی ایسا تھا کہ اعصاب پر اثر انداز ہو رہا تھا خصوصاً اس لئے بھی یہاں کے لوگ جوتیاں اتار کر ننگے پاؤں چلتے اور اشاروں سے باتیں کرتے تھے اور اگر کچھ کہنا ضروری ہوتا تو دبی ہوئی سرگوشی میں ہی کہتے تھے۔

بوڑھا انکا ادیانگی اپنے مکمل ترین شاہانہ لباس میں آیا۔ اس کے پیچھے کاری اپنے دوستوں اور خدم و حشم کے ساتھ داخل ہوا ادیانگی سورج کے گولے کے سامنے اور مردہ انکاؤں کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کی تقلید کی۔ تنہا میں کھڑا رہا اور میں نے یوں محسوس کیا جیسے میدانِ جنگ میں مقتولوں کے درمیان کھڑا ہوا ہوں۔ انکا اٹھا، اس کا اشارہ پا کر دوسرے لوگ بھی اٹھے اور اب انکا اپنے جڑاؤ سونے کے تخت پر بیٹھ گیا۔

سورج کے عین نیچے تھا۔ کاری انکا کے دائیں طرف دوسرے تخت پر جو نیچا اور چھوٹا تھا، بیٹھ گیا۔

میں نے کاری کی طرف دیکھا جو اب اصلی کاری تھا، جس کی اصلیت سب پر ظاہر ہو چکی تھی اور جو زرق برق لباس میں ملبوس تھا۔ ہاں میں نے اس کی طرف دیکھا اور مجھے ریڈ انڈین کاری یاد آ گیا جو بھوکا، پیاسا، پریشان حال اور آوارہ گرد تھا اور جسے میں نے انگلستان میں ان غنڈوں سے بچایا تھا جو اسے پریشان کر رہے تھے اور اسے پتھر مار رہے تھے۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی کاری تھا۔ یقین نہیں آتا تھا کہ اس کی قسمت نے یکایک ایسا پلٹا کھایا تھا کہ وہی آوارہ، مجبور اور بھوکا پیاسا ریڈ انڈین کاری آج دنیا کی وسیع ترین اور امیر ترین مملکت کا شہزادہ اور ولی عہد بنا بیٹھا تھا غالباً اسے ہی زمانے کے اتفاقات اور اسے ہی زمانے کی گردش کہتے ہیں۔

کاری کی ہی نہیں خود میری بھی قسمت پلٹ گئی تھی۔ اتفاقات نے مجھے بھی کچھ سے کچھ بنا دیا تھا۔ پہلے میں اپنے طور پر دولت مند تھا اور خوش تھا۔ لیکن اب میں ایک بے گھر اور بے وطن آوارہ گرد تھا۔ بے شک اس نئی، سنہری، جگمگاتی ہوئی اور عجیب و غریب دنیا میں مجھے خوش آمدید کہا گیا تھا، مجھے دیوتا ئیت کے درجہ تک پہونچا دیا گیا اس کے باوجود میں یہاں کچھ نہ تھا سوائے ایک بے گھر اور بے وطن آوارہ گرد کے۔ اس عجیب و غریب دنیا میں مجھ سے پہلے کبھی سفید فام کے قدم نہ پہونچے تھے بلکہ دوسرے ممالک اور دوسری حکومتیں سونے کی اس دنیا کے وجود تک سے واقف نہ تھیں۔ لیکن قسمت اور اتفاقات نے مجھے یہاں پہونچا دیا تھا اور یہاں میں ہر چند کہ ایک دیوتا تھا لیکن بہر حال اجنبی تھا۔ اجنبی ملک میں اور

اجنبی لوگوں میں تھا، ان کے طریقے میرے طریقے نہ تھے، ان کا مذہب میرا مذہب نہ تھا اور ان کی رسومات میری رسومات نہ تھیں لیکن انھیں لوگوں میں مجھے جینا تھا اور انہی لوگوں میں مجھے مرنا تھا اور یہ میرے لئے مقدر ہو چکا تھا جیسا میں نے سوچا و لیا، ہی کاری نے بھی سوچا کیونکہ عین اسی وقت ہماری نگاہیں ملیں اور میں نے اس کی آنکھوں میں اس کے خیالات پڑھ لئے۔

سامنے میرا خادم بیٹھا ہوا تھا جو اب میرا آقا بن گیا تھا اور ہر چند کہ وہ اب بھی میرا دوست تھا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ جلد ہی وہ اس زبردست مملکت کا انتظام اور سیاسی و ملکی معاملات میں ایسا کھو جائے گا کہ پھر میں پہلے سے بھی زیادہ تنہا رہ جاؤں گا۔ اور پھر اس کے خیالات میرے خیالات نہ تھے، اس کا خون میرا خون نہ تھا اور وہ اس مذہب کا اندھا پیرو تھا جو میرے نزدیک شیطانی مذہب تھا اور وہ ایسا توہم پرست تھا جو میرے لئے نفرت انگیز تھا اور یہ لوگ "کو پائے" کے نام سے میرے خیال میں اسی شیطان کی پرستش کرتے تھے حالانکہ کہتے یہ تھے کہ یہ "کو پائے" دراصل مُردوں کا دیوتا ہے۔

ہائے — کاش کہ میں قیولا کو لے کر یہاں سے فرار ہو سکتا اور زندگی کے بقیہ دن اس کے ساتھ اور اس کے پہلو میں گزار سکتا۔ ان بے شمار لوگوں میں تنہا قیولا ہی وہ ہستی تھی جو میرے بہت قریب تھی اور مجھے سمجھ سکتی تھی کیونکہ محبت کی اس آگ نے، جو ہم دونوں کے دلوں میں روشن تھی، مذہب و نسل کی خلیج پاٹ دی تھی، سارے اختلافات ختم کر دئے تھے اور تمام دوریاں مٹا کر قیولا کی آنکھیں کھول دی تھیں لیکن ان لوگوں

کہ لعنتی اعتقادات نے فیولا کو مجھ سے چھین لیا تھا اور کاری مجھے سب کچھ دے سکتا تھا لیکن یہ دختر ماہتاب کبھی نہ دے گا کیونکہ، جیسا میں نے خود اس سے کہا تھا، یہ ناقابل عفو گناہ ہوگا۔

رسومات شروع ہوئیں۔

پہلے سورج کے مہنت اعظم لاریکوتے، جو اپنے سفید مقدس لباس میں ملبوس تھا سورج دیوتا کے حضور اس قربان گاہ پر، جو انکا کے تخت کے عین سامنے تھی، چڑھاوے چڑھائے۔

یہ بے حد سادہ چڑھاوا تھا جو پھولوں، غلے کے دانوں، تازہ پھلوں اور عجیب شکل کے سونے کے ٹکڑوں پر مشتمل تھا۔ کم سے کم میں نے تو کچھ اور نہ دیکھا اور مجھے یقین ہے کہ کسی جاندار چیز کی بھینٹ نہ چڑھائی گئی۔

دعائیں مانگی گئیں۔ جہاں تک میں سمجھ سکا یہ دعائیں اثر انگیز اور پاک تھیں میں نے "جہاں تک میں سمجھ سکا" اس لیے کہا کہ یہ دعائیں ایک قدیم زبان میں مانگی جا رہی تھیں، جو اس زبان سے جو اس وقت ٹاونٹیسو میں بولی جا رہی تھی قدرے مختلف تھی۔ اس کے علاوہ پجاری اور مہنت بار بار گھٹنوں کے بل جھک رہے تھے۔ اب یہ میں نہیں جانتا کہ ان کی یہ ڈنڈوت سورج دیوتا کے لئے تھی یا انکا کے لئے۔

جب چڑھاوے چڑھائے جا چکے اور قربان گاہ پر جلتی ہوئی چھوٹی سی آگ کے، جو کہتے ہیں کہ ہزاروں سال سے برابر جل رہی تھی اور کبھی بجھی نہ تھی، شعلے مدھم پڑ گئے تو انکا نے حاضرین کو مخاطب کیا۔ بڑی تفصیلات کے بعد، جو پہلے میں نے کبھی سنی نہ تھیں، اس نے کاری کی داستان بیان کی اور اس سے اپنی گیندگی کا

ذکر کیا جو اوراکو کی ماں نے، جو اب کاری کی ماں کے ساتھ مُردوں میں بیٹھی ہوئی تھی، اپنے سحر سے پیدا کر دی تھی۔ اس عورت نے، انکا نے کہا، کاری کے خلاف اس کے کان بھرے کہ وہ، یعنی کاری، انکا کے خلاف زبردست سازش کر رہا ہے چنانچہ اس نے اوراکو کو حکم دیا کہ کاری کو گرفتار کر لیا جائے لیکن اوراکو کاری کی بیوی کو اپنے ساتھ لے کر آیا اور کہا کہ کاری نے خودکشی کر لی ہے۔

یہاں اودیانگی ایک دم سے جذباتی بن گیا جس طرح کہ عموماً بوڑھے بن جاتے ہیں اور وہ اپنا سینہ کوٹنے اور آنسو بہانے لگا کہ اس نے ایسی ناانصافی کی اور بُرائی کو اچھائی پر فتحمند ہونے دیا اور کہا کہ اس کا یہ گناہ سورج دیوتا کبھی معاف نہ کریں گے اور اس کی سزا اسے، اودیانگی کو دے گا۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ اودیانگی کا یہ خیال غلط ثابت نہ ہوا اور اسے اس کے گناہ کی سزا اس کی توقع کے خلاف بہت جلد مل گئی۔

خیر تو آمدم برسر مطلب۔ اب اودیانگی نے اوراکو کے تمام مظالم، عیاشیوں اور دیوتاؤں کے حضور گستاخیوں کی فہرست بیان کی اور ان امرا کے نام بھی بتائے جن کو اوراکو نے قتل کیا تھا اور ان کی بیویوں کو اپنے تصرف میں لایا تھا۔ آخر میں اس نے کاری کی آمد کا ذکر کیا اور اس کی سرگزشت بیان کی جو میں تحریر کر چکا ہوں۔

یہ سب بیان کرنے کے بعد اوراکو کو ولی عہدی سے برطرف کر دیا اور اس کی جگہ کاری کو اپنے تاج و تخت کا جائز وارث نامزد کر دیا اور اس کی علامت کے طور پر شہزادگی کا فیتہ اسکے ماتھے پر باندھ دیا اور فیتہ باندھتے وقت اس نے یوں کہا۔

"اے شہزادے! اے کاری! وہ وقت دور نہیں جب تم اس زرد

فیتے کی جگہ یہ سرخ فیتہ اپنے ماتھے پر باندھو گے جو اس وقت میرے ماتھے پر ہے۔ اور اس کے ساتھ حکومت کا تمام بار بھی اپنے شانوں پر لے لو گے۔ کیونکہ جان لو کہ میں جلد از جلد اپنے یوکاٹی کے محل میں گوشہ نشین ہو جاؤں گا اور جب تک دیوتا مجھے اپنے پاس نہ بلا لیں تب تک وہیں بیٹھ کر اپنی عاقبت کا توشہ سمیٹنا چاہتا ہوں"

جب وہ فیتہ باندھ چکا تو کاری نے اٹھ کر اپنے باپ کے قدم چومے اور اپنی مخصوص پرسکون اور گمبھیر آواز میں ان تمام مصائب اور زیادتیوں کا ذکر کیا جو اسے اورا کو کے ہاتھوں برداشت کرنی پڑی تھیں۔ اس نے بتایا کہ وہ کس طرح سمندر کے دوسرے کنارے تک پہونچ گیا جہاں اس کی ملاقات دیوتائے بحر (یعنی اس ناچیز ہمبرٹ ہیسٹنگز) سے ہوئی۔ انگلستان کے متعلق اس نے کچھ نہ کہا۔ اور یہ کہ کس طرح دیوتائے بحر اسے اپنی پناہ اور اپنے سائے میں صحیح سلامت اس کے وطن میں لے آیا۔ آخر میں اس نے وہاں موجود دو مہنتوں پجاریوں اور امرا سے پوچھا کہ وہ اسے ہونے والے انکا کے طور پر قبول کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اورا کو نے اس سے جنگ کی تو وہ اس کا، یعنی کاری کا ساتھ دیں گے۔

سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ وہ اسے قبول کرتے ہیں اور یہ کہ اس کا ساتھ دیں گے۔

اس کے بعد دوسری بہت سی رسومات ادا کی گئیں۔ مثلاً یہ کہ مہنت اعظم کی زبانی کرسیوں میں بیٹھے ہوئے مردہ انکاؤں کو یکے بعد دیگرے کاری کی نامزدگی سے آگاہ کیا گیا اور پھر سورج کے حضور دعائیں مانگی گئیں۔ یہ دعائیں اتنی طویل تھیں کہ ان کے ختم ہونے تک دن بھی ختم ہو گیا۔

چنانچہ یوں ہوا کہ جب شام کا دھندلکا پھیل رہا تھا تب بوڑھا انکا "کاری" مجھے اور اپنے تمام امرا کو ساتھ لے کر مندر سے باہر آیا کہ ان لوگوں کے سامنے، جن کی زبردست بھیڑ مندر کے چوک میں لگی ہوئی تھی، اپنے وارث کے طور پر پیش کرے۔

میدان میں لوگوں کی ایسی بھیڑ تھی کہ کہیں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ اس بھیڑ کے درمیان ایک پلیٹ فارم سا تھا جس کے چاروں طرف سونے کے رستے بندھے ہوئے تھے یا انھیں زنجیریں کہنا مناسب ہوگا۔ یہ زنجیریں اتنی وزنی تھیں کہ کہتے ہیں کہ پچاس آدمی مل کر ایک زنجیر کو اٹھا سکتے تھے۔ ہم لوگ اس پلیٹ فارم پر کھڑے ہو گئے۔

اب اوپانکی، جس کی جسمانی قوت ایک دم سے عود کر آئی تھی۔ غالباً اس لئے کہ اس نے کوئی دوا کھائی تھی یا شاید اس زبردست واقعے نے اس کے بدن میں جوش حیات کی لہر دوڑا دی تھی، آگے بڑھ کر پلیٹ فارم کے کنارے پر جا کھڑا ہوا اور لوگوں کے سامنے وہی تقریر دہرائی جو مندر کے "مردہ خانے" میں کر چکا تھا۔ آخر میں اس نے لوگوں سے پوچھا:۔

"اے سورج کے پرستارو! تم قبول کرتے ہو کہ میرے بعد میرا بیٹا کاری انکا بنے؟"

ایک عام شور کی آواز میں سب نے قبول کیا اور جب یہ شور تھما۔ تو اوپانکی کاری کی طرف گھوم گیا کہ اسے اپنے قریب بلا کر لوگوں کے سامنے پیش کرے۔

عین اسی وقت شام کے گہرے ہوتے ہوئے دھندلکے میں میں نے ایک غضبناک چہرے والے دیوہیکل آدمی کو دیکھا جس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی

میں نے پہلی ہی نظر میں اسے پہچان لیا۔ یہ اوراکو تھا۔ اس نے ایک چھلانگ لگائی اور سونے کی زنجیر کو صاف پھلانگ کر پلیٹ فارم پر آیا اور چیخ کر بولا :۔

"میں اسے قبول نہیں کر رہا ہوں اور اس فریب کا بدلہ اس طرح لے رہا ہوں"

یکایک تانبے کا ایک بڑا سا چاقو یا تلوار بلند ہو کر چمکی اور تڑپ کر بوڑھے اوپانکی کے سینے میں اتر گئی۔

دوسرے ہی لمحے اور اس سے پہلے کہ اس جم غفیر میں کوئی حرکت کرتا" اوراکو پلیٹ فارم پر سے نیچے کودا اور بھیڑ میں غائب ہو گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرف خود اوراکو کے حمایتی شہریوں کے بھیس میں بھیڑ لگائے کھڑے تھے جن میں اوراکو کود کر غائب ہوا تھا۔

جس نے بھی یہ منظر دیکھا خوف سے منجمد ہو کر جیسے پتھر بن گیا کیونکہ اس ملک میں شروع سے اب تک ایسا گناہ کبھی نہ کیا گیا تھا۔ کبھی کسی نے انکا کا جیسے سورج دیوتا کا بیٹا اور اس کا اوتار یقین کیا جاتا تھا خون کرنے کی جرأت نہ کی تھی۔ وہاں شہر خموشاں کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔

لمحہ بھر تک بوڑھا اوپانکی اپنی ٹانگوں پر اپنے آپ کو سنبھالے رہا خون اس کی سفید ڈاڑھی اور اس کے شاہی لباس کو سرخ کرتا ہوا۔ پلیٹ فارم پر ٹپک رہا تھا۔ وہ آہستہ سے کاری کی طرف گھوم کر کمزور آواز میں بولا :۔

"کاری! تم خلاف توقع فوراً ہی انکا بن رہے ہو۔ اے میرے باپ! اے دیوتا! اپنے اس گنہگار بندے پر اپنی رحمتیں نازل کر اور اسے

قبول کر اور میرے قاتل کو معاف کر دے جو، میرے خیال میں، میرے نطفے سے نہیں ہے اور میرا بیٹا نہیں ہے۔"

اور پھر وہ اوندھے منہ گرا اور جب ہم نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا تو وہ مر چکا تھا۔

خاموشی، مکمل ترین خاموشی اب بھی طاری تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے انتہائی خوف سے لوگوں کی زبانیں گنگ ہو گئی تھیں۔ آخر کار کاری ایک قدم آگے بڑھا اور بلند آواز میں بولا :۔

"انکا مر گیا لیکن لیکن میں ــ انکا کاری اس کا انتقام لینے کے لئے زندہ ہوں۔ میں خونی اوداکو اور اس کے سارے حمایتیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں"

اور اب جیسے سحر ٹوٹ گیا اور بھیڑ میں سے اوداکو کے خلاف نفرت اور غصے کی آوازیں بلند ہوئیں اور لوگ قصاب اور پدر کش اوداکو کو تلاش کرنے لگے۔ لیکن وہ کہیں اندھیرے میں غائب ہو چکا تھا۔

دوسرے دن چند خاص رسومات ادا کر کے کاری کے سر پر انکا کا تاج رکھا گیا۔ بہت سی رسومات ادا نہ کی گئیں کیونکہ پورے شہر میں اوداکو کے کافرانہ گناہ سے خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی تھی اور لوگ سہمے ہوئے تھے کاری کے ماتھے پر سے زرد فیتہ کھول کر سرخ فیتہ باندھا گیا اور وہ اپنے مرحوم باپ کا نام اوپانگی اختیار کر کے تخت پر بیٹھا۔ پورے کوزاکو میں کوئی بھی اس کی تخت نشینی کی مخالفت کرنے والا نہ تھا کیونکہ، جیسا کہ میں نے کہا اوداکو کے گناہ نے پورے شہر پر سنسنی اور خوف طاری کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اوداکو کے

حمایتی اس کے ساتھ اس شہر کی طرف فرار ہو گئے تھے جس کا نام "ہورانیا" تھا اور جو کوزاکو سے بہت دور تھا۔ یہ شہر اس زبردست جھیل کے کنارے پر تھا جسے "ٹیٹی کاکا" کہتے تھے اور وہاں ایک جزیرہ تھا جس پر ملک کے حیرت انگیز مندر تھے جو سونے سے بھرے ہوئے تھے۔

اس کے بعد خانہ جنگی شروع ہوئی جو پورے تین مہینوں تک جاری رہی۔ اس عرصے میں جتنے واقعات ہوئے اور جو کچھ ہوا اس کی تمام تفصیلات بیان نہ کروں گا کیونکہ مجھے اپنی داستان بیان کرنی ہے اور میرے پاس وقت بہت کم ہے۔

اس خانہ جنگی میں میں نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ کاری کو خوف تھا کہ اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر چانکا کوزا کو پر حملہ کر دیں گے۔ چنانچہ چانکا کے حملے کو روکنے کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی۔ میں کاری کا سفیر بن کر ہوراکا کے پڑاؤ میں پہونچا اور اس کی خدمت میں کاری کی طرف سے وہ تحائف پیش کئے جنھیں وہ بزور شمشیر کبھی حاصل نہ کر سکتا۔

بوڑھا ہوراکا اوراکو کے ڈنڈے کی ضرب سے اب تک پوری طرح ٹھیک نہ ہوا تھا اور اس کی نقاہت انتہا کو پہونچی ہوئی تھی۔ البتہ اب وہ بیساکھیوں کی مدد سے قدم بہ قدم چل سکتا تھا۔ میں نے کاری کا پیغام اسے دیا تو اس نے کہا کہ وہ کاری سے جنگ کرنا نہیں چاہتا کہ اس نے اس کے شایان شان اور باعزت شرائط پیش کی ہیں اور خصوصاً اس لئے بھی کہ وہ اوراکو سے جنگ کر رہا ہے جس سے دشمنی ہوراکا ہی جیسی نفرت کرتا ہے۔ کیونکہ اس نے اس کی بیٹی قیولا کو زہر دینے کی کوشش کی تھی۔ اور خود اسے اپنے ڈنڈے سے ایسی چوٹ لگائی

تھی کہ اسے صاحب فراش کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ نئے انکا کاری سے مضبوط مکمل اور مستقل صلح کرنے کے لئے تیار تھا بشرطیکہ وہ اپنی پیش کردہ شرائط کے ساتھ اس کی بیٹی قیولا کو بھی اس کے حوالے کر دے کہ وہ چانکا کے تاج و تخت کی تنہا وارث تھی۔

چنانچہ میں ہوراکا کا یہ پیغام لے کر کاری کے پاس پہونچا تو معلوم ہوا کہ قیولا کے معاملے میں وہ ٹس سے مس ہونے والا نہ تھا۔ پہاڑ کو تو اپنی جگہ سے ہٹانا ممکن تھا لیکن کاری کو اپنا ارادہ تبدیل کرنے پر راضی کرنا ممکن نہ تھا۔ میری ساری التجائیں محض بیکار ثابت ہوئیں اور بہنت اعظم لاریکو نے بھی کاری کا دل نرم کرنے اور قیولا کے سلسلے میں اپنا ارادہ بدلنے کی اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی لیکن سب بیکار۔

میری ساری التجاؤں اور درخواستوں کو بڑے صبر و سکون سے سننے کے بعد کاری نے اپنے مخصوص پر سکون لہجے اور گھمبیر آواز میں مجھ سے کہا:۔

"برادر! معاف کرنا اگر میں یہ کہوں کہ تم نے ہوراکا کی اس خاص درخواست کو اپنی طرف سے بہت بڑھا چڑھا کر میرے سامنے پیش کیا ہے۔ ایک لفظ تم نے ہوراکا کی طرف سے کہا ہے تو چار الفاظ تم نے اپنی طرف سے کہے ہیں کیونکہ تم بد قسمتی سے سورج کی اس داسی کی محبت میں گرفتار ہو اور اسے اپنی بیوی بنانا چاہتے ہو۔ میرے بھائی! میرے پاس جو کچھ اور جتنا کچھ ہے اس میں سے جو چاہو اور جتنا چاہو لے لو لیکن قیولا کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور میرے بھائی! اسے بھول جاؤ۔ اگر میں قیولا کو ہوراکا کے یا تمہارے سپرد کر دوں تو جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں سورج کا قہر مجھ پر اور میری قوم پر نازل ہوگا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مقام

مقدس میں داخل ہونے کے بعد بھی میرے باپ نے قیولا کو اپنے سامنے طلب کیا اور اس کی طرف دیکھا چنانچہ تم نے دیکھ لیا ان کے اس گناہ کی سزا انھیں یہ ملی کہ ان کا انجام خون اور تکلیف میں ہوا۔ معبد کے مہنتوں اور ساحروں نے مجھ سے کہا ہے کہ دیوتا نے اپنے "اوریکل" کی زبانی ایسی ہی پیشین گوئی کی تھی۔ چنانچہ یہ بڑا گناہ کرنے کی بہ نسبت میں یہ پسند کروں گا کہ ہورا کا میرے خلاف جنگ کرے اور یہ کہ تم بھی اس کا ساتھ دو یا اوراکو کا ساتھ دو اور مجھے میرے تخت سے اتار کر مجھے قتل کر دو کہ اس طرح میں عزت کی موت مروں گا۔"

"یہ میں کبھی نہ کروں گا۔" میں نے اداسی سے جواب دیا۔

"ہاں برادر ہیوبرٹ!" اب کاری مجھے میرے انگریزی نام سے بھی بلاتا تھا "میں جانتا ہوں کہ تم ایسا کبھی نہ کرو گے۔ چنانچہ ہم سب کی طرح تمھیں بھی اپنا دکھ خود ہی برداشت کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آخر میں کسی نہ کسی طرح خود دیوتا یہ عورت تمھارے حوالے کر دیں۔ کس طرح اور کب یہ میں نہیں جانتا البتہ یہ سمجھ لو کہ میں اپنی مرضی سے قیولا کو تمھارے حوالے نہ کروں گا کبھی نہیں۔ تم ہی بتاؤ اگر تمھارے ملک میں میرا دل کسی خوبصورت نن پر آگیا ہوتا اور میں اسے خانقاہ میں سے نکال کر اپنی بنا لیتا تو تم کیا کہتے اور تمھارا بادشاہ کیا مجھے بخش دیتا؟"

کاری کے ان الفاظ میں اتنی صداقت تھی کہ میرے دل پر چوٹ لگی اس کے باوجود میں نے کہا کہ میرے لئے یہ معاملہ مختلف ہے اور یہ کہ قیولا اپنی مرضی سے سورج کی داسی نہیں بنی بلکہ اوراکو سے بچنے کے لئے اس نے یہ قدم اٹھایا تھا۔

"ٹھیک ہے برادر!" کاری نے کہا "اور یہ تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ تمہارے نزدیک ہمارا مذہب جھوٹا ہے اور تم اسے کافرانہ سمجھتے ہو۔ یہی میں تمہارے مذہب کے متعلق کہہ سکتا ہوں۔ میرے نزدیک تو سورج خدا کا مظہر ہے اور ہم یعنی انکا اسے اپنا باپ سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ ہم اس کی اولاد یا اس کے اوتار ہیں۔ چنانچہ ہم اس کی شان میں گستاخی نہیں کر سکتے۔ دوسری باتیں تو ان کا تو یہ ہے قیبولا کو کسی نے مجبور نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی مرضی سے سورج کی داسی بنی ہے۔ رہیں اس کے داسی بننے کی وجوہات تو ان کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا۔ چند خاص وجوہ سے وہ انکو کی بیوی بننے کے لئے تیار ہو گئی تھی لیکن وہاں جزیرے پر تمہیں دیکھنے کے بعد اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ یہ اس کا ذاتی معاملہ تھا جس سے مجھے نہ اس وقت کوئی سروکار تھا اور نہ اب ہے۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ اب وہ سورج کی داسی ہے اور اسے حاصل کرنا تو ایک طرف اب اسے کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا برادر! تمہاری قسمت میں اگر محرومیاں رہیں تو انہیں خندہ پیشانی سے قبول کرو اور سورج کی داسی کو بھول جاؤ۔"

وہ اپنے پرسکون آواز اور لہجے میں مجھے ایسی ہی نصیحتیں کرتا رہا یہاں تک کہ میں بیزار ہو گیا اور میں نے کہا:۔

"اے انکا! دو محبت کرنے والے کو ایک دوسرے سے جدا کر دینا نہ صرف ظلم ہے بلکہ گناہ ہے اور اسے خدا اور تمہارے دیوتا نہ پسند کرتے ہیں اور نہ کریں گے۔ چنانچہ سن لو کاری کہ تم عظیم اور پر قوت سہی اور تم میرے دوست سہی لیکن اگر میں قیبولا کو اس کی سنہری قبر میں سے نکال سکا تو بیشک نکال لے جاؤں گا۔"

"ہاں۔ میں جانتا ہوں برادر!" کاری نے غصہ ہوئے بغیر کہا "چنانچہ اگر میں دوسرے انکاؤں کا سا ہی ہوتا تو میں اس مقدس دلھن کو اس کے وقت سے پہلے ہی آسمان کی طرف بھیج دیتا۔ لیکن میں ایسا نہ کروں گا۔ کیونکہ جانتا ہوں کہ مقدر سب پر مقدم ہے اور جو کچھ مقدر میں ہے وہ کسی بھی انسان کی کوشش یا مدد کے بغیر ہو کر رہے گا۔ تاہم برادر میں تمھیں خبردار کئے دیتا ہوں کہ میں تمھیں اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کروں گا اس کے باوجود اگر تم اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئے تو پھر میں اگر ہو سکا تو تمھیں اور اس خاتون کو بھی قتل کر دوں گا جو تم گناہ کرو گے اس کی سزا سوائے قتل کے اور کچھ نہیں۔ ہاں۔ ہر چند کہ تم مجھے ہر شخص سے زیادہ عزیز ہو لیکن میں تمھیں قتل کر دوں گا اور اگر بادشاہ ہورا کا اسے جبراً یا بہ زور نکال لے گیا تو میں اس سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ میں اور میری قوم یا ہورا کا اور اس کی قوم صفحۂ ہستی سے مٹ نہیں جاتی اب اس ذکر کو ختم کرو اور اب ہم اوراکو کے معاملے کے متعلق گفتگو کریں چونکہ اس معاملے میں کوئی عورت نہیں ہے اس لئے کم سے کم یہاں تو تم میرے وفادار رہو گے"

چنانچہ میں بوجھل اور اداس دل لئے جانگا لوگوں کے پڑاؤ میں پہونچا اور ہورا کا کو کاری کے فیصلے سے آگاہ کیا۔ ہورا کا مارے غصے کے آپے سے باہر ہو گیا کیونکہ اس کے دیوتا انکا کے دیوتا سے مختلف تھے اور وہ سورج اور اس کی داسی کے تقدس کو محض بکواس سمجھتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک بار پھر انکا سے جنگ کرنے کے متعلق سوچنے لگا۔

لیکن چند در چند وجوہات کی بنا پر، جن میں کی ایک وجہ اس کی علالت بھی تھی جو عود کر آئی تھی، وہ اپنے اس ارادے کو جامۂ عمل نہ پہنا سکا۔ اس کے علاوہ میں نے اس سے کہا کہ ہر چند کہ میں قیبولا کو حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن اس کے ساتھ مل کر کاری کے خلاف جنگ نہیں کر سکتا کیونکہ میں اوراکو کے خلاف کاری کی مدد کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں اور وعدہ خلافی میری سرشت میں داخل نہیں۔ اس کے علاوہ باغی یونکاؤں کو گھر اور بیوی بچوں کی اور وطن کی یاد ستا رہی تھی اور پھر نئے انسکا نے انھیں معاف کر دیا تھا اور انھیں آزادی بخش دی تھی چنانچہ اس طرف سے مطمئن ہو کر وہ اپنے گھروں اور وطن کی طرف چلے گئے۔ اور ان کی دیکھا دیکھی بہت سے چانکا بھی چپکے ہی چپکے اپنے گھر اور بیوی بچوں کی طرف نکل گئے تھے اور یہ سلسلہ ابھی جاری تھا۔ چنانچہ ہورا کا کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ رہی تھی اور کچھ بھی کرنے کا وقت نکل چکا تھا۔

چنانچہ آخر میں فیصلہ یہ کیا گیا کہ صرف قیبولا کو بچانے کی غرض سے کوزاکو پر حملہ کرنا سراسر حماقت تھی۔ اول تو فتح کی امید نہ تھی اور اگر بفرضِ محال ہورا کا کامیاب ہو بھی گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو نہ پا سکے اسے پہلے ہی سے ٹھکانے لگا دیا گیا ہو یا کسی دور دراز کی خانقاہ میں بھیج دیا گیا ہو۔ چنانچہ اب ہم سوائے اس کے کچھ اور نہ کر سکتے تھے کہ قسمت پر بھروسا کریں کہ وہی قیبولا کو ہمارے پاس لے آئے۔ ہم نے یعنی میں نے اور ہورا کا نے یہ بھی طے کیا کہ ہورا کا صلح کا پروانہ اور دوسری تمام چیزیں شرائط کے مطابق حاصل کر چکا تھا چنانچہ اب بہتر یہی تھا کہ وہ اپنی فوجوں کے ساتھ اپنی مملکت کو لوٹ جائے۔ البتہ پانچ ہزار منتخب سپاہی میرے ماتحت چھوڑ جائے کہ یہ سپاہی اوراکو کے خلاف جنگ میں میری مدد

اور حفاظت کریں اور اگر میں فیولا کو مقام مقدس سے نکالنے میں کامیاب ہو جاؤں تو میری اور فیولا کی حفاظت کریں اور بعد بھی۔

جب سپاہیوں کو اس فیصلے سے آگاہ کیا گیا تو پانچ ہزار جوان جانکا پاہی جو میرے تربیت یافتہ تھے اور ہم جو اور جانباز تھے رہ گئے آئے اور انھوں نے آخر تک میرا ساتھ دینے کی قسم کھائی چنانچہ ہوراکا کو خدا حافظ کہہ کر میں ان پانچ ہزار سپاہیوں کو لے کر کاری کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سپاہیوں کی آمد کی غرض سے اسے آگاہ کیا تو وہ خوش ہو گیا اور اس نے میری قیام گاہ کے گرد ان سپاہیوں کے رہنے کے لئے کوارٹر دے دئے۔

اس کے چند دنوں کے بعد ہم زبردست لشکر کے ساتھ ہورانیا کے شہر کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچے تو ہماری ٹکر اس سے بھی بڑے لشکر سے ہوئی جو اوراکو کا تھا۔ یہ جنگ ایک دن اور ایک رات تک جاری رہی لیکن خونی میدان کی جنگ کی طرح فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا۔

جب ہزاروں لاشوں کو دفن کیا جا چکا تو ہم نے ہورانیا کے شہر پر حملہ کر دیا۔ سب کے آگے میں اپنے پانچ ہزار بہادروں کے ساتھ تھا۔ ہم ایک ہی حملے میں شہر میں گھس گئے اور میرے ماتحت جانکا ایسی بہادری سے لڑے کہ اوراکو اور اس کی فوج کو دوسرے سرے سے باہر ڈھکیل دیا اوراکو نے اپنی فوجوں کے ساتھ پہاڑوں میں پناہ لی۔

اس کے بعد جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہوا اور کسی بڑی جنگ کی نوبت نہ آئی آخر کار ہم نے، حالانکہ ہمیں خاصا جانی نقصان ہوا تھا، اوراکو کو "ٹیٹی کاکا" جھیل کے کنارے تک ڈھکیل دیا اور یہاں اس کی فوج تتر بتر ہو گئی۔ چند ستے دلدلوں میں بھاگ گئے۔ چند جنگلوں سے بھری ہوئی نشیبی

وادیوں میں غائب ہو گئے اور خود ادراکو اپنے مخصوص ساتھیوں کے ساتھ کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگا اور جھیل کے مقدس جزیرے میں پناہ گزیں ہو گیا۔

ہم نے "بالساؤں" کا بیڑا بنا کر اس کا تعاقب کیا اور مندروں کے جزیرے پر حملہ کر دیا۔ یہ مقدس شہر کوزاکو سے بھی زیادہ حیرت انگیز اور سونے اور قیمتی پتھروں سے گویا لبریز تھا۔

یہاں ادراکو کے ساتھیوں نے جان توڑ کر جنگ کی لیکن ہم انھیں شہر کی گلیوں اور سڑکوں پر ڈھکیلتے اور پسپا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ لوگ ایک بہت بڑے مندر میں پناہ گزیں ہو گئے لیکن پتہ نہیں کس طرح مندر کی گھاس پھوس کی چھت میں آگ لگ گئی اور یہ چھت یکا یک پناہ لینے والوں پر بیٹھ گئی اور سب کے سب جل مرے۔ یہ منظر بڑا ہی دل ہلا دینے والا تھا۔ لیکن ادراکو اپنے چند افسروں کے ساتھ جلتے ہوئے مندر میں سے نکلا اور گاڑھے دھوئیں کی چادر میں بچ نکلا اور ایک بالسا میں بیٹھ کر یا اکثر لوگوں کے بقول پیر کر جزیرے سے نکل گیا۔ بہر حال ادراکو اور اس کے ساتھی بچ نکلے اور تلاش کے باوجود ہمارے سپاہی انھیں نہ پا سکے۔

ادراکو سے یہ جنگ ختم ہو گئی تھی حالانکہ ادراکو اپنی جان بچا لے گیا تھا۔ چنانچہ ہم واپس لوٹے اور کاری فتح و نصرت کے پھریرے اڑاتا دار السلطنت کوزاکو میں داخل ہوا۔

ہم سب ان مسلسل جنگوں اور خون خرابے سے تھک چکے تھے۔

گیارھواں باب (۱۱)

حجرۂ موت

ادراکو کے خلاف جنگوں کے اس طویل سلسلے میں ایک دفعہ فتح اس پر مسکرائی تھی حالانکہ بعد میں پلڑا ہمارا بھاری ہو گیا تھا۔ ایک دست بدست جنگ میں کاری کو شکست ہوئی۔ اسی جنگ میں میں ایک فوج کی کمان کر رہا تھا چنانچہ پسپائی کی افراتفری میں میں خود ایک وادی میں دشمنوں کے نرغے میں تھا۔ جب میں اور کاری اور ہمارے سپاہی ہر طرف سے مایوس ہو چکے تھے اور مکمل شکست سامنے نظر آ رہی تھی تو میں اپنے چانکا سپاہیوں کے ساتھ گھیرا توڑ کر نکلا، چکر کاٹ کر ایک ٹیلے پر پہنچا اور ڈھلان پر سے اتر کر اپنے جانباز چانکا کو لے کر ادراکو کی فوج کی پشت پر حملہ کر دیا اور دشمن کو سراسیمہ کر دیا۔ یہاں اس کی تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

جب ہمارے لئے ہر طرف تاریکی اور مایوسی تھی تو اس وقت ایک افسر کو پکڑ کر میرے پاس لایا گیا۔ یہ افسر ہماری فوجوں سے نکل جانے یا یوں کہو کہ طلایہ دستے کی نظریں بچا کر فرار ہونے کی کوشش کرتا ہوا پکڑا گیا تھا۔

اس افسر کو میں نے فوراً پہچان لیا۔ اس افسر کو میں نے ایک دن پہلے لاریکو سے چھپکے چھپکے باتیں کرتے دیکھا تھا حالانکہ ان لوگوں نے مجھے نہ دیکھا تھا کہ میں چھپا ہوا تھا۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ لاریکو اور چند

دوسرے محنت میری نوج کے ساتھ تھے غالباً مجھ پر نظر رکھنے کے لئے بہر حال میں اس افسر کو ایک طرف لے گیا اور اس سے کہا کہ اگر اس نے اپنے فرار ہونے کی غرض سے مجھے آگاہ نہ کیا تو میں اسے زندہ دفن کر وادوں گا بڑی دھاک دھمکیوں کے بعد اس افسر نے خوفزدہ ہو کر آخر کار اپنی زبان کھولی :-

معلوم ہوا کہ وہ لاریکو کا پیغام لے کر اوراکو کے پاس جا رہا تھا۔ یہ سوچ کر کہ ہماری شکست یقینی ہے لاریکو اوراکو سے دوستی کرنا چاہتا تھا اور اس کی قیمت یوں ادا کر رہا تھا کہ کاری کے اور میرے ارادوں سے اوراکو کو واقف کر رہا تھا اور اسے بتا رہا تھا کہ ہمیں کس طرح آسانی سے پوری طرح تباہ کیا جا سکتا تھا۔ اس افسر نے یہ بھی کہا کہ لاریکو دیانکی اور اس کے بعد کاری کا ساتھی محض موت کی دھمکیوں سے خوفزدہ ہو کر بنا تھا۔ ورنہ دریردہ وہ اوراکو کا ہی حمایتی تھا جسے وہ انکا بنانے کے لئے اپنے تمام مذہبی اثر ورسوخ کو بروئے کار لانے کے لئے نہ صرف تیار بلکہ بے چین تھا۔

لاریکو نے اپنے اس جاسوس کے ذریعہ اپنا خفیہ پیغام ڈوری پر گرہیں لگا کر بھیجا تھا۔ جو لوگ اس قسم کے خفیہ طریقے سے واقف تھے وہ ڈوری میں لگائی گرہوں سے پیغام کھلی ہوئی کتاب کی طرح آسانی سے پڑھ لیتے تھے۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں ہر علم حاصل کرنے کا شوق رکھتا ہوں۔ چنانچہ اس ملک میں آنے کے بعد میں نے یہاں کی اور بہت سی باتوں کے ساتھ یہ "گرہی تحریر" پڑھنے کا علم بھی سیکھا تھا اور اب گرہوں کے ذریعے آسانی سے پیغام پڑھ لیتا تھا۔ چنانچہ میں نے لاریکو کا پیغام بھی پڑھنے میں کامیاب ہو گیا تھا

یہ پیغام جو ایک لمبی ڈوری پر چھوٹی بڑی گرہیں لگا کر اوراکو کو دیا گیا تھا، مختصر لیکن صاف تھا کہ لاریکو جانتا تھا کہ اوراکو اب بھی خاتون تیولا کو حاصل کرنا چاہتا ہے چنانچہ وہ، یعنی لاریکو، بطور مہنت اعظم اس دختر ماہتاب کو اوراکو کے سپرد کر دے گا۔ اس کو علاوہ لاریکو سفید فام دیوتا ئے بحر (یعنی مجھے) کو بھی جو خود تیولا کو خانہ مقدس سے نکال لے جانا چاہتا ہے اوراکو کے حوالے کر دے گا کہ وہ اس دیوتا کو قتل کر کے راستے کا یہ روڑا بھی ہٹا دے۔

یہ پیغام پڑھا تو مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے سوچا کہ لاریکو کی غداری کا بھانڈا پھوڑ کر اسے وہ سزا دلوا دوں جو غداروں کے لئے مخصوص تھی لیکن پھر کچھ سوچ کر میں نے اپنا یہ ارادہ بدل دیا اور اس جاسوس کو سخت نگرانی میں رکھ کر، جہاں کوئی پہونچ نہ سکتا تھا، میں نے خود لاریکو پر بھی کڑی نگرانی رکھنے کا انتظام کر دیا اور میں نے جو کچھ معلوم کیا تھا اس کے متعلق نہ تو لاریکو سے کچھ کہا اور نہ کاری سے۔

چند دنوں بعد بازی پلٹ گئی اور اوراکو شکست کھا کر ٹیٹی کا کا جھیل کی طرف بھاگ گیا اس کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ اب اس لومڑی کے سے مہنت اعظم سے کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ بہر حال وہ اپنا مقام قائم رکھنا اور مہنت اعظم کے عہدے پر قائم رہنا چاہتا تھا۔ اس موقع پرست لاریکو کو اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ انکا کون بنتا ہے۔

اب لاریکو میرے قبضے میں تھا اور میں جانتا تھا کہ اب میں اس سے اپنا کام نکال سکوں گا اور اسی کے ذریعے تیولا تک پہونچ سکوں گا اور لاریکو کو شکنجے میں لینے کے لئے میں مناسب وقت کا منتظر تھا۔

اور یہ وقت اس وقت آیا جب جنگ ختم ہو گئی اور ہم فتح و نصرت کے ترانے گاتے کوزاکو میں داخل ہوئے اور کاری ہر طرف سے مطمئن ہو کر بے خطر تخت پر بیٹھ گیا۔ اور اب میں نے لاریکو کو بلا بھیجا۔ اور انکا کے بعد پوری مملکت میں میں ہی "سب سے بڑی شخصیت" تھا۔ اس لئے جب چاہوں اور جسے چاہوں طلب کر سکتا تھا۔

وہ فوراً حاضر ہوا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو جھک کر سلام کیا۔ لاریکو نے میری تعریف کے پل باندھ دیئے اور میرے فنون حرب کو سراہا اور کہا کہ اگر میں نہ ہوتا تو اواکو کی فتح ہوتی اور یہ کہ انکا کاری نے مجھے اپنا بھائی بنایا اور لوگوں کے سامنے جو یہ اعلان کیا ہے کہ میری وجہ سے اس کا تخت ملا ہے تو یہ غلط نہیں۔

"بے شک ایسا ہی ہے" میں نے کہا "اور لاریکو میری ہی وجہ سے تم اپنے عہدے پر قائم رہے ہو اور میرے بعد ملک میں تمہارا ہی اثر و رسوخ ہے اور میری ہی وساطت سے تم انکا اور میرے بعد ملک کی عظیم ترین ہستی ہو چنانچہ اب میں تمہیں اس خاص سودے کی یاد دلاتا ہوں جو میرے اور تمہارے درمیان طے ہوا تھا۔"

"کون سا سودا دیوتا کے بچے؟"

"یہی کہ تم مجھے اور آفتاب کی دلھن کو، جو اس دنیا میں قیولا کہلاتی ہے، ملا دوگے اور اسے آفتاب کی آغوش میں سے نکال کر میری آغوش میں لے آؤ گے۔"

یکایک لاریکو کے بشرے سے پریشانی کے آثار ظاہر ہوئے اور اس نے کہا:۔

"آقا میں نے اس مسئلے پر بہت غور و خوض کیا کہ جلد از جلد اپنا وعدہ وفا کردوں لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ ناممکن ہے"

"کیوں لاریکو؟"

"اس لئے کہ میرے مذہب کا قانون اس کی اجازت نہیں دیتا"

"اتنی سی بات لاریکو" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں آقا معلوم ہوا ہے کہ انکا اسے برداشت نہ کرے گا اور اس نے قسم کھائی ہے کہ ہر اس شخص کو ختم کر دے گا جو اس کی کوشش کرے گا"

"بس لاریکو؟"

"نہیں آقا تیسری بات جو مجھے معلوم ہوئی ہے یہ ہے کہ جس عورت کی منگنی ایک دفعہ شاہی خاندان کے کسی شہزادے سے ہو چکی ہو وہ کبھی دوسرے کو نہیں دی جا سکتی"

"ہاں۔ اب مطلب کی بات کہی تم نے۔ تو تمھارا مطلب یہ ہے کہ اگر کاری مر گیا — اور زندگی کا کیا اعتبار — اور اوراکو تخت پر بیٹھا تو پھر وہ بازپرس کرے گا"

"ہاں آقا اگر ایسا ہوا تو۔ اور ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ اوراکو ابھی زندہ ہے اور سنا ہے کہ پہاڑوں میں فوج اکٹھی کر رہا ہے — بے شک وہ مجھ سے بازپرس کرے گا اور ہمارا باپ سورج مجھ سے بازپرس کرے گا اور انکا بازپرس کرے گا کہ وہ سورج کا اوتار ہے"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں لاریکو کہ یہ باتیں تم نے اس وقت کیوں نہ سوچی تھیں جب تم نے مجھ سے سودا کیا تھا؟ تم اب یہ باتیں کہہ رہے ہو جبکہ تمھیں وہ وہ چیز اور وہ مقام مل چکا ہے جو تم حاصل کرنا چاہتے تھے"

"اس وقت یہ ساری باتیں میرے دھیان میں نہ آئی تھیں۔ بعد میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ صورت حال کیا ہے۔"

اور اب میں نے بناوٹی غصّے سے کہا:۔

"لاریکو! تم عیّار اور بد معاش ہو۔ تم اپنا اُلو سیدھا کر لیتے ہو۔ جب تمہارا کام بن جاتا ہے تو اپنے وعدے سے انحراف کر جاتے ہو۔ سن لو کہ آج سے میں تمہارا دشمن ہوں اور دشمن بھی وہ جس کی ہر بات انکا سنتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔"

"سفید فام!" اس نے گستاخی سے کہا "انکا سب سے پہلے سورج دیوتا کی سنتا ہے اور پھر میری سنتا ہے کہ میں دیوتا کی آواز ہوں" اور پھر اس نے اور بھی گستاخی لہجے میں اضافہ کیا "اب وقت گزر چکا ہے سفید فام۔ میں اور میری قسمت اب تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔ مجھ پر سے اور میری قسمت پر سے تمہارا اثر ختم ہو چکا سفید فام"

"واقعی ۔ تم سچ کہتے ہو لاریکو" میں نے بظاہر خوفزدہ ہو کر کہا "چنانچہ بہتر ہوگا کہ ہم اس ذکر کو ختم ہی کر دیں۔ بہر حال سورج کی حسین دلھن کے علاوہ کوزاکو میں دوسری بھی خوبصورت عورتیں ہیں۔ خیر۔ مہنت اعظم جانے سے پہلے تم ایک معاملے میں میری مدد کرو گے؟ تم جانو میں زرا جاہل ہوں اور تم عالم و فاضل ہو۔"

"کیا ہے؟" اس نے ترش روئی اور بے پروائی سے کہا۔

"میں نے تمہاری گرہوں کی زبان سمجھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کچھ پلے نہیں پڑا۔ ڈوری پر ایک کے بعد ایک گرہ لگا کر آدمی اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے نا؟ ایسی ہی ڈوری کا ایک گچھا ہے میرے پاس جس پر گرہیں لگی ہوئی ہیں

اور ان کا مطلب میں سمجھ نہیں سکا۔ چنانچہ اے عظیم و مقدس مہنت! اے دیوتا کی آواز! براہ کرم ان گرہوں کا مطلب مجھے سمجھاؤ گے اور بتاؤ گے کہ ان میں کون سا پیغام پوشیدہ ہے۔"

اور میں نے اپنے چغے کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس ڈوری کا گچھا برآمد کیا جو میں نے لاریکو کے جاسوس سے حاصل کیا تھا۔ یہ ڈوری میں نے لاریکو کے سامنے پیش کر دی۔

اس نے ڈوری اور اس پر کی گرہوں کو دیکھا اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ ایک دم سے اس کا ہاتھ خنجر کے دستے کی طرف بڑھا لیکن جب لاریکو نے دیکھا کہ میرا ہاتھ پہلے ہی سے شعلہ بار کے دستے پر ہے تو وہ ٹھٹک گیا۔ پھر یہ سوچ کر کہ حقیقت میں میں گرہ کی تحریر پڑھنا نہیں جانتا، اس نے غلط سلط پڑھنا شروع کیا۔

"بس۔ بہت ہوا غدار" میں ہنسا "تم سمجھتے ہو کہ میں اسے نہیں پڑھ سکتا تو سنو اوراکو نیولا سے شادی کر سکتا ہے اور میں نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ اپنے اس جاسوس کی فکر نہ کرو جسے تم ملک کے طول و عرض میں تلاش کروا رہے ہو کیونکہ تمہارا وہ جاسوس میری قید میں محفوظ ہے۔ کل میں اسے لے جاؤں گا اپنے ساتھ تاکہ تمہارا وہ پیغام دے دے ـــــ لیکن اوراکو کو نہیں کاری کو۔"

اور اب لاریکو جو عیار اور مغرور ہونے کے ساتھ ہی ساتھ حد درجے کا بزدل تھا کانپ کر میرے قدموں پر گرا اور گڑگڑانے لگا کہ اس کی عزت اور اس کی جان میرے ہاتھ میں ہے چنانچہ میں اسے معاف کر دوں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس کی غداری کی خبر کاری کو ہو گئی تو وہ اسے کبھی نہ بخشے گا چاہے وہ سورج کا مہنت اعظم ہی کیوں نہ ہو۔

"اگر میں نے تمہیں معاف کر دیا تو اس کے عوض میں تم مجھے کیا دو گے؟" میں نے پوچھا۔

"دنیا کی تنہا وہ چیز جسے تم حاصل کرنا چاہتے ہو۔" مینی خاتون تیولا۔ "سنو آقا! شہر کے باہر اس انکا اوپانکی کا محل ہے جسے اوراکو نے قتل کر دیا تھا اس محل کے بڑے حجرے میں مقدس انکا بیٹھا ہوا ہے۔"

"کیا۔آ۔آ۔!" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں آقا۔ حنوط کیا ہوا مقدس انکا بیٹھا ہوا ہے۔ اس مقدس مقام میں کوئی نہیں جا سکتا سوائے سورج کی داسیوں کے جن کا فرض عظیم پردے کی حفاظت کرنا ہے۔ کل، پو پھٹنے سے پہلے، میں تمہیں مہنت کا لباس پہنا کر اس حجرے میں لے جاؤں گا تاکہ وہاں جاتے وقت اگر کوئی تمہیں دیکھ بھی لے تو تمہیں پہچان نہ سکے حالانکہ اس وقت پورے شہر میں حمنا پڑا ہوگا تاہم احتیاط لازمی ہے۔ جب تم اس حجرے میں پہنچ گے تو وہاں صرف ایک داسی ملے گی۔۔۔ ڈری خاتون تیولا جسے تم حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تم اسے لے کر فوراً فرار ہو جانا۔ دوسری باتیں میں سنبھال لوں گا۔"

"میں کیسے یقین کر لوں لاریکو کہ تم میرے لئے جال نہیں بچھا رہے ہو؟"

"آقا میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گا اور تمہارے اس گناہ میں شریک رہوں گا۔ اس کے علاوہ میری زندگی اور موت تمہارے ہاتھوں میں ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "اور یاد رکھو لاریکو اگر تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تو اس کا انجام یہ ہوگا۔" اور میں نے گرہوں والی ڈوری اس کی آنکھوں کے سامنے نچائی۔ "یہ ڈوری اور اس کے ساتھ تمہارا وہ جاسوس پیغام بھی جو اسے اوراکو کے پاس لئے جا رہا تھا کاری کے پاس بھیج جائے گا۔"

"لاریکو نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا :-

"یقین کرو سفید فام - میری تو اب ایک ہی آرزو ہے کہ تمھیں اور اس عورت کو، جسے تم حاصل کرنا چاہتے ہو جلد از جلد کوزاکو سے بہت دور بھیج دوں اور پھر تمھاری صورت دیوتا مجھے کبھی نہ دکھائیں "

اس کے بعد دوسری ضروری باتوں کے علاوہ یہ طے کیا گیا کہ ہمیں کب اور کہاں ملنا تھا۔ اس کے بعد لاریکو چلا گیا۔

اور جب وہ جا رہا تھا تو میں اپنے آپ سے کہہ رہا تھا کہ لاریکو سے بڑا عیار اور بدمعاش روئے زمین پر اور کوئی نہ ہوگا اور پھر میں نے سوچا کہ خدا جانے اس دفعہ اس عیار اور خود غرض مہنت نے میرے لیے کیا جال بچھایا تھا کیونکہ اس کا تو مجھے یقین تھا کہ اس نے کوئی جال ہی بچھایا تھا۔

آپ پوچھیں گے کہ اگر مجھے یقین تھا تو پھر میں جانتے بوجھتے اس کے جال میں کیوں پھنس رہا تھا؟ اس کی دو وجوہات تھیں ۔ اول تو یہ کہ قیولا کو آخری دفعہ دیکھے، جب وہ جانکا کے شہر سے رخصت ہوئی تھی، مہینے گزر چکے تھے اور اب میں چونکہ اس کے بہت قریب تھا اس لئے اسے دیکھنے کو دل تڑپ رہا تھا اور اسے دیکھنا اور اس سے ملنا لاریکو کی مدد کے بغیر ممکن نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ کوئی غیبی آواز مجھے تمام خطرات مول لینے کو کہہ رہی تھی کیونکہ اگر اب میں پیچھے ہٹا، اب اگر میں نے ہمت نہ کی تو پھر کم سے کم اس دنیا میں میری اور قیولا کی ملاقات کبھی نہ ہو گی۔ یہی غیبی آواز مجھ سے یہ بھی کہہ رہی تھی کہ اگر میں نے قیولا کو جلد از جلد بچا نہ لیا تو پھر وہ نہ رہے گی۔ جیسا کہ ہوراکا نے کہا تھا کہ کوزاکو میں قاتل زہر کی کمی نہ تھی اور پھر خون کرنے والے آسانی سے مل جاتے ہیں یا ہو سکتا ہے کہ وہ خودکشی ہی کر لے جیسا کہ اس

نے ایک دفعہ کہا تھا۔ چنانچہ مجھے آگے بڑھنا تھا چاہے یہ راستہ مجھے میری موت کی طرف ہی کیوں نہ لے جاتا ہو۔"

اس دن میں نے ضروری انتظامات کر لیے۔

ان لوگوں میں، اس شہر میں مجھے ایک بلند درجہ حاصل تھا بلکہ میں دیوتا تھا اور ساتھ ہی فوج کا افسر اعلیٰ بھی چنانچہ میرے ماتحت اور میرے اردگرد وہ لوگ تھے جنھوں نے مجھ سے وفاداری کی قسم کھائی تھی اور جن پر مجھے بھروسا تھا۔ انہی لوگوں میں ایک شہزادہ تھا جو کاری کی ننھیال کا فرد تھا۔ یعنی اس کی ماں کے خاندان سے تھا۔ میں نے اس شہزادے کو بلا بھیجا اور اسے وہ گرہیں لگی ڈوری دے کر کہا کہ اگر میرے ساتھ کوئی واقعہ ہو جائے یا اگر میرا کہیں پتہ نہ چلے تو وہ یہ ڈوری اور اس کے ساتھ اس قیدی جاسوس کو، جو خود اسی شہزادے کی زیر نگرانی تھا، کاری کی خدمت میں پیش کر دے ـــ ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں ہی لاریکو کی غداری کا ٹھوس ثبوت تھیں جسے وہ جھٹلا نہ سکتا تھا ـــ میں نے اسے ہدایت کر دی کہ اب تک وہ ڈوری کسی کو نہ دکھائے اور اس قیدی کا ذکر کسی سے نہ کرے۔ اس نے میرے سامنے جھک کر قسم کھائی کہ وہ ایسا ہی کرے گا اس نے سوچا کہ چونکہ اس ملک میں میرا کام ختم ہو چکا تھا اس لئے میں واپس سمندر میں لوٹ جانا چاہتا تھا جہاں سے میرا ظہور ہوا تھا اور چونکہ میں دیوتا تھا اس لئے میں ایسا کر سکتا تھا۔

اس کے بعد میں نے ان جانثار سپاہیوں کے افسروں کو طلب کیا جنھوں نے طویل خانہ جنگی میں میرے ماتحت رہ کر جنگ کی تھی اور جن میں کے اب آدھی تعداد کے ہی افسر زندہ تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ اپنے ماتحت دستوں کو لے کر اس ٹیلے پر پہونچ جائیں جس کی چوٹی پر میں خونی میدان کی جنگ میں کھڑا ہوا

تھا اور اس وقت تک وہیں ٹھہرے رہیں جب تک کہ میں ان کے پاس پہونچ نہیں جاتا۔ لیکن ــــ میں نے ان سے کہا ــــ اگر میں چھ دنوں میں وہاں نہ پہونچوں تو وہ واپس اپنے ملک کو لوٹ جائیں اور ہوراکا کو اطلاع دے دیں کہ میں "جہاں سے آیا تھا وہاں ــــ یعنی سمندر میں ــــ لوٹ گیا ہوں" کیوں لوٹ گیا ہوں ؛ اس کی وجہ وہ اندازاً معلوم کرنے لگا۔ اس کے بعد میں نے آٹھ مشہور سپاہیوں کے نام دے کر کہا کہ یہ آٹھ سپاہی ایک ڈولی لے کر اور ڈولی برداروں کا بھیس بدل کر رات کا اندھیرا اترنے کے بعد میرے محل کے دروازے پر پہونچ جائیں۔ البتہ یہ آٹھوں نہتے نہ ہوں بلکہ اپنے ہتھیار لباس کے نیچے چھپا کر آئیں۔ یہ آٹھ سپاہی وہ تھے جو میرے محافظ تھے اور میرے ساتھ آگ کے دریا میں بے دھڑک پھاند سکتے تھے۔

یہ انتظامات کر کے میں انکا کاری کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے سفر پر روانہ ہونے کی اجازت چاہی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں خون خرابے اور جنگ و جدل سے تھک گیا ہوں اور اب چانگا لوگوں میں جو میرے دوست ہیں، چند دنوں کے لئے آرام کرنا چاہتا ہوں۔

کاری چند ثانیوں تک میری صورت تکتا رہا اور پھر اپنا شاہی عصا میری طرف بڑھا دیا۔ یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ اس نے میری درخواست منظور کر لی تھی۔ اور پھر اس نے اداس لہجے میں کہا :۔

"تو میرے بھائی! تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو محض اس لئے کہ میں تمھیں وہ چیز نہیں دے سکتا جو تم چاہتے ہو۔ سوچ لو برادر۔ اگر تم یہاں، کوزاکو میں، رہے تو چاند کے قریب رہو گے پھر یہاں انکا کے بعد سب سے بلند درجہ تمھارا ہے اور تم انکا کے بھائی اور اس کی فوجوں کے سپہ سالار ہو چاںکا

میں تم چاند سے دور ہو گے اور تمہیں وہ مرتبہ بھی حاصل نہ ہو گا"

میں سمجھ گیا کہ چاند سے اس کی مراد تیولا سے تھی۔

کاری کے ان ہمدردانہ الفاظ سے میرا دل بھر آیا لیکن میں نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا:۔

"کاری! میرے دوست میرا چاند تو ہمیشہ کے لئے غروب ہو چکا ہے اور میں اسے کبھی نہ دیکھ سکوں گا۔ رہیں دوسری باتیں تو ان کا تو یہ ہے کاری کہ ہوراکا نے قسم کھائی ہے وہ مجھے اپنا بھائی نہیں بلکہ بیٹا بنائے گا اور کہتے ہیں کہ ہوراکا بستر مرگ پر پڑا ہوا ہے"

"مطلب یہ کہ تم انکا کے تخت کے پہلو میں بلند مقام پر کھڑے رہنے پر چانکا کا بادشاہ بننا پسند کرتے ہو"

"ہاں کاری" میں نے بدستور جھوٹ بولتے ہوئے کہا "چونکہ مجھے اس اجنبی ملک میں مرتے دم تک رہنا ہی ہے تو پھر بادشاہ بن کر کیوں نہ رہوں"

"اور اس کا تمہیں حق ہے برادر کیونکہ تم ہم سب سے بلند اور اعلیٰ ہو۔ لیکن بادشاہ بننے کے بعد تم کیا کرو گے؟ کیا تم میرے خلاف اعلان جنگ کر کے تاؤنٹیہو کے شہنشاہ بننے کی کوشش کرو گے؟ اور شاید تم شہنشاہ بن سکتے ہو"

"نہیں کاری۔ میں تم سے کبھی جنگ نہ کروں گا الا یہ کہ تم چانکا سے اپنی صلح توڑ دو اور انہیں کچل دینے کی کوشش کرو"

"اور ایسا میں کبھی نہ کروں گا برادر"

پھر وہ چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ جب وہ پھر بولا ہے تو اس قدر جذباتیت تھی اس کی آواز میں کہ پہلے کبھی میں نے اسے اتنا جذباتی بنتے نہ دیکھا تھا۔ اس نے کہا:۔

"کاش کہ یہ عورت مرجائے جو ہمارے درمیان آگئی ہے۔ کاش کہ وہ پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔ میں تو اپنے باپ سورج سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس عورت کو اپنے پاس بلالے۔ اس کے بعد ہمارے درمیان شاید حالات ایسے ہی ہو جائیں گے جیسے کہ پہلے تھے، یعنی انگلستان میں جبکہ ہم نے سمندر پر اور جنگل میں شانہ بہ شانہ خطرات کا مقابلہ کیا تھا۔ لعنت ہو عورت ذات پر، جو تفرقہ ڈالنے والی ہے اور تمام لعنتیں ہوں اس عورت پر جسے میں تمھیں نہیں دے سکتا۔ اگر یہ عورت میرے گھرانے کی ہوتی بلکہ اگر میری بیوی ہوتی تب بھی میں اسے دے دیتا لیکن وہ دیوتا کی بیوی ہے۔ چنانچہ میں اسے تمھیں نہیں دے سکتا — افسوس نہیں دے سکتا۔"

اور وہ اپنے چغے میں منہ چھپا کر رو پڑا۔

میں نے کاری کے یہ الفاظ سنے تو لرز گیا کیونکہ جانتا تھا کہ انکا سورج سے جس کی موت کی دعا کرتا ہے وہ بہرحال مرجاتا ہے۔ اس کی فوری موت یقینی ہوتی ہے۔

"کاری! یہ خاتون اپنی آزادی اور بینائی کھو کر اپنی غلطی کا خمیازہ بھگت رہی ہے اب تم اس کی زندگی لے کر اس کے مصائب میں اضافہ نہ کرنا" میں نے کہا۔

"ڈرو نہیں برادر" وہ بولا "میرے ہاتھوں اسے کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ میرے ہونٹوں سے ایسا کوئی لفظ نہ نکلے گا تاہم میں دل سے یہ ضرور چاہتا ہوں کہ وہ مرجائے۔ میرے دوست! میرے بھائی! جاؤ تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔ اور جب تم بادشاہت سے اکتا جاؤ جیسا کہ میں اکتانے لگا ہوں تو میرے پاس چلے آنا اور تب ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں

یہ بھول کر کہ ہم بادشاہ ہیں، یہاں سے سیاحت کے لئے روانہ ہو جائیں۔
اور ساتھ ساتھ دنیا کے کنارے تک کا سفر کریں۔"

پھر وہ اپنے تخت پر کھڑا ہو گیا اور میری طرف ہاتھ بڑھا کر میرا بڑھا ہوا ہاتھ چوما جیسے حقیقت میں میں دیوتا ہی تھا اور پھر اپنے گلے میں سے سونے کی زنجیر اتار کر، جو ہر انکا پہنا کرتا تھا، میری گردن میں ڈال دی اور مزید کچھ کہے بغیر پلٹا اور سر جھکا کر چلا گیا۔

میں اپنی قیام گاہ پر پہونچا تو اداس تھا۔

سورج غروب ہوا تو میں نے کھانا کھایا۔ خادموں کو رخصت کر دیا۔ میرے یہ خادم صرف دو تھے کیونکہ میں بے حد سادہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ پھر میں سو گیا اور آدھی رات گزرنے پر بیدار ہوا اور محل سے باہر آیا تو اپنے آٹھ افسروں کو ڈولی برداروں کے بھیس میں مع ڈولی کے اپنا منتظر پایا۔ میں انھیں ایک خالی کمرے میں لے آیا اور ان سے کہا کہ وہ خاموشی سے یہیں بیٹھے رہیں۔

پھر میں اپنے کمرے میں آیا اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔

پو پھٹنے میں دو گھنٹے باقی تھے کہ لاریکو آ گیا۔ جیسا کہ طے پایا تھا اس نے آہستہ سے عقبی دروازے پر تین دفعہ دستک دی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور لاریکو ٹوپی والا اونی چغہ پہنے کمرے میں داخل ہوا۔ اس چغے نے اس کے چہرے اور لباس کو چھپا رکھا تھا۔ ایسا چغہ یہاں کے مہنت سرد موسم میں پہنتے تھے۔

اس نے مجھے سورج دیوتا کے مہنتوں کا وہ لباس دیا جو وہ اپنے ساتھ ایک کپڑے میں لپیٹ کر لایا تھا۔ یہ لباس میں نے پہن لیا لیکن اس کی سلائی ایسی تھی کہ میں اپنی زرہ نہ پہن سکا۔ لاریکو چاہتا تھا کہ میں اپنی

تلوار شعلہ بار بھی کھول دوں لیکن چونکہ مجھے اس عیار پہ قطعی بھروسا نہ تھا اس لئے میں نے تلوار اور خنجر بھی لبادے کے نیچے چھپا لیا۔ زرہ میں نے گٹھڑ میں لپیٹ کر ساتھ لے لی۔

چند منٹوں بعد ہی ہم محل سے باہر تھے اور ہم میں کچھ زیادہ باتیں نہ ہوئیں کیونکہ اس خیال نے ہماری زبانیں بند کر دی تھیں کہ پتہ نہیں اب کیا ہو دوسرے کمرے میں چانکا سپاہی میرے منتظر تھے۔ لاریکو نے عجیب نظروں سے ان کی طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ کہا۔ چانکا کو میں نے اپنی زرہ کا گٹھڑ دے دیا کہ اسے ڈولی میں چھپا دیں اور اس کے ساتھ میری کمان بھی ڈولی میں رکھ دی گئی آگے آگے میں اور لاریکو چلے اور ہمارے پیچھے میرے آٹھ ساتھی تھے جن میں سے چار نے خالی ڈولی اٹھا رکھی تھی اور بقیہ چار پیچھے چل رہے تھے۔ یہ ترتیب بہت عمدہ اور مناسب تھی۔ چنانچہ راستے میں ہماری مڈبھیڑ ایک دو دفعہ گشت کرتے ہوئے محافظوں سے ہوئی تو انھوں نے یہی سمجھا کہ ہم کسی بیمار کو یا کسی لاش کو دفن کی تیاری کے لئے اندر لئے جا رہے ہیں۔ البتہ ایک دفعہ ہمیں للکارا گیا لیکن لاریکو نے ان کے افسر سے چند ثانیوں تک کچھ کہا۔ اور پھر انھوں نے ہم سے کوئی تعرض نہ کیا۔

آخر کار ہم مرحوم اوپانکی کے بنجی محل کے سامنے پہونچ گئے اور ابھی اندھیرا ہی تھا۔ لاریکو نے کہا کہ میں چانکا لوگوں کو ڈولی سمیت باغ کے پھاٹک کے باہر ہی ٹھہرنے کا حکم دوں۔ لیکن میں نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ لوگ میرے ساتھ محل کے دروازے تک آئیں گے۔ لیکن جب اس نے اصرار کیا تو میں نے اپنی تلوار پر ہاتھ مار کر غصے سے کہا کہ مناسب ہوگا کہ وہ مجھے مجبور نہ کرے ورنہ میرے ساتھیوں کے بجائے خود وہ باغ کے پھاٹک پہ ٹھہر جائے گا کہ اس کے

جسم میں جان بھی نہ ہو گی۔ چنانچہ وہ خاموش ہو رہا اور ہم باغ عبور کر کے محل کے دروازے پر پہونچے۔ لاریکو نے اپنے چغے میں سے کنجی نکال کر دروازہ کھولا اور میں اور لاریکو اندر داخل ہو گئے۔ جانکا میرا اشارہ پاکر دروازے کے باہر ہی میری واپسی کا انتظار کرنے کے لئے ٹھہر گیا۔

ہم دونوں اس تنگ گزرگاہ میں چل پڑے جس کے انتہائی سرے پر پردے لٹک رہے تھے۔ پردے اٹھا کر ہم دوسری طرف پہونچے اور ادیانگی کے "دعوت خانے" میں تھے۔ کمرے کی چھت سے ایک سنہرا فانوس لٹک رہا تھا اور اس کی مدھم روشنی میں میں نے ایک ایسا حیرت انگیز اور اپنے طور پر ایسا دہشت ناک منظر دیکھا کہ ایسا منظر میں نے اس عجیب ملک میں کبھی نہ دیکھا تھا۔

اپنے سونے کے تخت پر اور پورے شاہانہ لباس میں ملبوس مردہ ادیانگی بیٹھا ہوا تھا اور ایسی مہارت سے مسالہ لگایا گیا تھا کہ وہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سو رہا ہے۔ اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اور اپنا عصائے شاہی پہلو میں رکھے وہ بے نور آنکھوں سے سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ موت کی آغوش میں زندگی کی بھیانک تصویر۔ اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اور چبوترے کے، جس پر تخت تھا، چاروں طرف اس کی ساری دولت، سونے چاندی کے برتن، صراحیاں، جام، پیالے اور فرنیچر رکھا ہوا تھا اور ہیرے جواہرات کے انبار تھے اور یہ سارا خزانہ اس وقت تک یہیں رہنے والا تھا جب تک کہ صدیوں بعد اس کمرے کی چھت اور اس کی دیواریں بیٹھ کر اسے دفن نہیں کر دیتیں کیونکہ یہ خزانہ مقدس تھا جسے چرانے کی جرأت کوئی نہ کر سکتا تھا۔ کمرے کے عین بیچ میں میز پر دعوت کا اہتمام تھا کہ اس پر سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا چنا ہوا تھا۔ گوشت اور شراب ہر روز

سورج کی داسیاں آکر بدل جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس کمرے میں بہت سے عجائبات تھے لیکن میں انھیں دیکھ نہ سکا اوّل تو اس لئے کہ ناکافی روشنی ان عجائبات تک پہونچ نہ پاتی تھی اور دوم اس لئے کہ وہاں کچھ اور بھی تھا جس نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

چبوترے کے قدموں میں کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ پہلے تو میں نے سمجھا کہ یہ بھی کسی کی حنوط شدہ لاش ہوگی، اوبانگی کی بیوی یا شاید بیٹی کی جسے یہاں بٹھا دیا گیا ہوگا۔ لیکن میں اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ہمارے پیروں کی چاپ سن کر اس ہستی نے حرکت کی۔ وہ اٹھی اور ہماری طرف گھوم گئی۔ چھت سے لٹکتے ہوئے فانوس کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی۔ یہ فیولا تھی جس نے سفید و سرخ ڈھیلا لباس پہن رکھا تھا جس کے سینے پر سونے کا سورج کڑھا ہوا تھا۔

اپنی بے نور آنکھوں سے وہ ہمیں دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی، اس کے سر پر رکھے ہوئے تاج کے نیچے سے اس کے گھنے کالے بال نکل کر اس کے شانوں اور پیٹھ پر ریشمی ڈھیر کی طرح پڑے ہوئے تھے اور اس قدر حسین معلوم ہو رہی تھی کہ میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔

"لو۔ جس کی تمھیں تلاش تھی وہ تمھارے سامنے کھڑی ہے" لاریکو نے سرگوشی میں کہا۔ کیونکہ یہاں وہ بھی اونچی آواز سے بولنے کی جرأت نہ کرسکتا تھا اس کے لہجے میں میں نے تضحیک کی جھلک محسوس کی لیکن اس طرف دھیان نہ دیا "جاؤ۔ بے جاؤ اسے۔ لوگ تمھیں دیوتا کہتے ہیں لیکن میں تمھیں ایک ایسا احمق کہتا ہوں جو عورت کے ہونٹوں کے عوض اپنا سب کچھ حتیٰ کہ اپنی جان بھی خطرے میں ڈال رہا ہے۔ جاؤ۔ لے جاؤ اسے اور اپنے بوسوں کے بعد اس بادشاہ کو یاد کرنا جس کی ابدی نیند میں تم نے خلل ڈالا ہے"

"بکومت ، میں نے سرگوشی میں ہی اسے ڈانٹا۔

اور پھر میں میز کا چکر کاٹ کر تیولا کے سامنے جا کھڑا ہوا اور پھر ایک عجیب بات ہوئی۔ مجھ پر جیسے کسی نے جادو کر دیا۔ یا مردہ بادشاہ کی لعنت مجھ پر پڑی کہ میری زبان گنگ ہو گئی اور میرے ہونٹ جیسے سل گئے۔

میں کھڑا ان خوبصورت اندھی آنکھوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ اندھی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ اور پھر تیولا کا چہرہ متغیر ہوا۔ جیسے اس نے سب کچھ سمجھ لیا ہو اور پھر اس نے دبی آواز میں اپنے آپ سے کہا:۔

"یہ تو عجیب بات ہے — لیکن میں محسوس کر رہی ہوں — ہائے اپنی شب بیداریوں میں میں اس بوڑھے کے پاس رہی ہوں جو زندگی میں اتنا احمق تھا اور مرنے کے بعد جیسے عقلمند بن گیا اور یہاں اس کے قدموں میں میں سوئی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ان پیروں کی چاپ سن رہی ہوں جنھیں میں کبھی بھلا نہ سکوں گی اور جنھیں میں کبھی سن نہ سکوں گی۔ میں نے خواب میں دیکھا وہ میرے قریب ہے جسے میں اب کبھی چھو نہ سکوں گی۔ میں پھر سو جاؤں گی کیونکہ میرے اس ابدی اندھیرے میں میرے لئے اب نیند اور موت کے علاوہ اور رہ ہی کیا گیا ہے؟"

اور اب میری قوت گویائی عود کر آئی اور میں نے کہا:۔

"محبت اور زندگی رہ گئی ہے تیولا۔"

وہ چونکی اور اس کا پورا جسم انتہائی خوشی سے تن گیا۔ اس کی اندھی آنکھیں چمکنے لگیں اور ہونٹ کانپنے لگے۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کی انگلیاں اندھیرے میں ٹٹولنے لگیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے میرا ماتھا چھو لیا اور پھر وہ میرے چہرے پر رینگنے لگیں۔

"وہی ہے ——— زندہ یا مردہ ——— لیکن وہی ہے"

وہ بولی۔

اور اس نے اپنی بانہیں کھول دیں۔

اس حجرۂ موت میں میرے لئے اپنی بانہیں کھولتی ہوئی تیولا ——— دنیا میں اس سے زیادہ خوبصورت منظر اور کوئی ہو سکتا ہے؟"

ہم دونوں لپٹ گئے۔ ہم نے ایک دوسرے کے ہونٹ چومے اور پھر میں نے اسے اپنے سے الگ کر کے کہا:۔

"تیولا! اس منحوس جگہ سے چلو فوراً۔ ساری تیاریاں ہو چکی ہیں۔ چانکا انتظار کر رہے ہیں"

تیولا نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا اور میں اسے لے کر جانے کے لئے پلٹا۔

اور تب میں نے ایک دبا ہوا اور میرا مذاق اڑاتا ہوا قہقہہ سنا۔ یہ لاریکو تھا اور ساتھ ہی میں نے رینگتے ہوئے پیروں کی چاپ سنی۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرے کے دائیں طرف کے دروازوں میں سے یا یوں کہو کہ اس طرف کے اندھیرے میں سے ایک دیو نکل کر روشنی میں آ گیا۔ یہ اوراکو تھا۔ اور اس کے پیچھے اس کے ساتھی تھے۔ میں نے بائیں طرف دیکھا۔ اس طرف بھی اوراکو کے ساتھی کھڑے تھے اور سامنے میز کے دوسری طرف، غدار لاریکو کھڑا ہنس رہا تھا۔

"دیوتائے بحر! پہلے پھل تو تم نے لئے لیکن معلوم ہوتا ہے فصل کوئی اور کاٹے گا" وہ بولا۔

"پکڑو اسے" اوراکو تیولا کی طرف اشارہ کر کے گرجا" اور اس سفید فام

بچور کی کھوپڑی پاش پاش کر دو ؟

میں شعلہ بار گھسیٹ کر اور اکو کی طرف لپکا۔ لیکن دونوں طرف سے اس کے ساتھی مجھ پر لوٹ پڑے۔ ایک کی تو گردن میں نے اڑا دی لیکن دوسروں نے قیولا کو مجھ سے الگ کر دیا۔ میں گھر گیا تھا اور تلوار چلانے کی جگہ نہ تھی اور دشمنوں کے ہتھیار میرے سر پر چمک رہے تھے۔

ایک خیال بجلی کی سی تیزی کے ساتھ میرے دماغ میں کوند گیا۔ میرے ساتھی چانکا کمرے کے دروازے کے باہر ہی تھے چنانچہ اگر میں ان تک پہونچ گیا تو شاید قیولا کو بچا سکتا تھا۔ سامنے وہ میز تھی جس پر مُردوں کی دعوت کے لئے کھانا چنا ہوا تھا۔ میں نے چھلانگ لگائی اور چشم زدن میں میز پر تھا۔ سونے کی طشتریاں اور پیالے اور جام کھنکھنا کر فرش پر گرے۔ میز کے دوسری طرف غدار لاریکو کھڑا ہنس رہا تھا جس نے مجھے پھنسایا تھا۔ میں اس پر جھپٹ پڑا۔ اپنی تلوار شعلہ بار دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بلند کی اور پوری قوت سے لاریکو پر جھکا دی۔ وہ اس کی کھوپڑی پر پڑی اور لاریکو کے دو ٹکڑے کر گئی۔ وہ گرا۔

پھر شاید کسی نے میری طرف بھالا پھینکا جو چھت سے لٹکتے ہوئے فانوس کے لگا۔

فانوس چھناکے کی آواز کے ساتھ ٹوٹ گیا اور بجھ گیا۔

بارھواں باب (۱۲)

آخری معرکہ

کمرے میں ایک ہڑبونگ مچا ہوا تھا۔ چیخ پکار، کراہیں، میز پر سے گرتے ہوئے برتنوں کی جھنکار اور ان سب سے بالا عورت کی چیخیں جو چھت اور دیوار سے یوں ٹکرا کر لوٹ رہی تھیں کہ میں کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ کس طرف سے آ رہی تھیں۔

گھپ اندھیرے میں میں اندازاً بھاگتا ہوا پردوں کی طرف پہونچا میں نے انھیں نوچ لیا۔ پو پھٹ رہی تھی اور اس کی روشنی میں میں نے اپنے جانگا ساتھیوں کو بھاگ کر اپنی طرف آتے دیکھا۔

"میرے پیچھے آؤ" میں نے کہا۔

اور میں وہیں سے پلٹ کر ان کے آگے آگے بھاگ کر حجرۂ موت میں پہونچا کہ تیولا کو تلاش کروں۔ وہاں اب بھی اندھیرا تھا۔ میں نے لاریکو کی لاش سے ٹھوکر کھائی اور میز کا سہارا لے کر آگے بڑھا۔ یکایک کمرے کے انتہائی سرے کا دروازہ کھل گیا اور اس میں سے آتی ہوئی صبح کی اندھی روشنی میں میں نے اوراکو کے آخری ساتھی کو باہر جاتے دیکھا۔ ہم چبوترے پر چڑھ کر اس کی طرف بھاگے۔ سونے کا تخت الٹ گیا اور اس میں بیٹھا ہوا اوبانگی لڑھک گیا اور اب وہ چبوترے پر ایک گٹھڑ کی طرح پڑا میری طرف دیکھ رہا تھا۔

ہم بھاگم بھاگ دروازے تک پہونچ گئے۔ اوراکو اور اس کے ساتھی

خوش قسمتی سے دروازہ بند کرنا بھول گئے تھے۔ دروازے سے نکل کر ہم ایک قسم کے پارک میں پہونچ گئے۔ صبح کی بڑھتی ہوئی روشنی میں مجھے کوئی سو قدم دور، ایک ڈولی نظر آئی جسے لوگ بھاگم بھاگ لئے جا رہے تھے اور اسے مسلح آدمیوں نے اپنے درمیان میں لے رکھا تھا۔

میں نے سمجھ لیا کہ اس ڈولی میں قیولا تھی۔

ہم اس ڈولی کے پیچھے بھاگے۔

ڈولی پارک کے پھاٹک میں سے نکل چکی تھی لیکن جب ہم وہاں پہونچے تو پھاٹک باہر سے بند کیا جا چکا تھا۔ قریب پڑے ہوئے ایک درخت کے تنے سے شہتیر کا کام لے کر ہم نے بڑی کوششوں سے پھاٹک توڑ کر کھولا۔ اور اس میں کافی وقت ضائع ہو گیا۔

جب ہم باہر نکلے ہیں تو سورج افق مشرق سے سر ابھار رہا تھا اور اس طرف ٹیلے کے قدموں سے دھند لپٹی ہوئی تھی اور دھند میں سے ہمیں وہ ڈولی دھندلی دھندلی نظر آ رہی تھی۔ جو ہم سے نصف میل آگے تھی۔

ہم ٹیلے کی ڈھلان چڑھنے لگے اور ہماری رفتار نسبتاً تیز تھی کیونکہ ہم ڈولی یا کوئی اور بوجھ، سوائے اپنے ہتھیاروں کے، اٹھائے ہوئے نہ تھے۔ ایک جانکا نے میری زرہ کا بنڈل اور میری کمان اٹھا رکھی تھی۔

ہمارے اور ڈولی کے درمیان فاصلہ دم بدم کم ہوتا جا رہا تھا۔

اس ٹیلے کے، جس پر ہم چڑھے تھے، اور دوسرے ٹیلے کے درمیان ایک گھاٹی تھی۔ جیسی کہ اس ملک میں عام ہیں، جو اتنی گہری اور تنگ تھی کہ اکثر مقامات پر روشنی اس کی تہہ میں سے گزرتے ہوئے راستے تک پہونچتی تھی۔

اس گھاٹی یا سرنگ میں ڈولی غائب ہوگئی اور جب ہم وہاں پہونچے تو دیکھا کہ اس کے دہانے پر چھ سات مسلح آدمی راستہ روکے کھڑے ہیں۔ چانکا سپاہی سے اپنی کمان لے کر میں تیر چلے میں چڑھا کر چھوڑا۔ جس شخص کو میں نے نشانہ بنایا تھا وہ مردہ ہو کر گرا۔ میں نے دوسرا تیر چلایا اور دوسرا شخص گرا۔ یہ دیکھ کر دوسرے پتھروں کے پیچھے دبک گئے۔

میں نے کمان چانکا کو دے دی کیونکہ اب یہ بیکار تھی اور ہم نے حملہ کر دیا۔ یہ معاملہ دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہوگیا۔ سرنگ کے دہانے پر اوراکو کے جتنے ساتھی بھی تھے سب کو ہم نے ٹھکانے لگا دیا البتہ ایک آدمی جو اپنی جان بچا گیا تھا، ٹیلے کی ڈھلان اتر کر شہر کی طرف بھاگا کہ اوراکو کے حجرۂ موت میں جو کچھ ہوا تھا اس کی اطلاع شہر والوں یا شاید انکا کو کر دے۔

ہم لوگ گھاٹی میں گھس گئے۔ اتفاقاً دہانے کا رخ مشرق کی طرف تھا چنانچہ سورج کی شعاعیں اس میں اندر تک رینگ آئی تھیں کیونکہ سورج اب بلند ہو چکا تھا اور گھاٹی میں گھپ اندھیرا نہ تھا۔

میں یوں بھی تیز بھاگنے والوں میں سے تھا اور پھر جوش اور غصے نے میری ٹانگوں میں بجلیاں بھر دی تھیں۔ چنانچہ میں اپنے ساتھیوں سے آگے نکل گیا۔

راستے میں ایک بڑا سا پتھر آیا۔ میں اسے پھلانگ کر دوسری طرف پہونچا تو سامنے ڈولی نظر آئی جو صرف سو گز دور تھی۔ ایک دم سے ڈولی ٹھہر گئی کیونکہ ایک یا شاید دو ڈولی برداروں کے پیر کسی پتھر سے پھسل گئے تھے۔ میں دوزخ کے عفریت کی طرح چیختا ہوا ان کی طرف لپکا۔ شاید

مجھے اپنے ساتھیوں کا انتظار کرنا چاہئے تھا لیکن میں جیسے دیوانہ ہو رہا تھا۔

ان لوگوں نے مجھے دیکھا اور خوف سے چلائے :۔

"سفید فام دیوتا ۔۔۔ سفید فام دیوتا"

اور ان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ انھوں نے ڈولی زمین پر رکھی اور اسے وہیں چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔

سب کے سب بھاگ گئے سوائے اوراکو کے۔

وہ سامنے کھڑا اپنے دیدے گھما رہا تھا۔ اور دانت پیس رہا تھا۔ اور گھاٹی کے سایوں میں وہ دوزخ کے شیطان کی طرح خوفناک اور مہیب معلوم ہو رہا تھا۔ یکایک اسے کچھ خیال آیا۔ وہ دوڑ کر ڈولی کے قریب پہونچا، اس کے پردے گھسیٹ کر الگ پھینکے اور ڈولی میں سے قیولا کو یوں گھسیٹا کہ وہ زمین پر چت گر پڑی۔

"اگر میں اسے حاصل نہیں کر سکتا تو سفید چور تم بھی اسے حاصل نہ کر سکو گے۔ دیکھو۔ میں سورج کی اس دلھن کو واپس دے رہا ہوں" وہ چیخا اور اس نے قیولا کے سینے کے آر پار کر دینے کے لئے اپنی تانبے کی تلوار بلند کی۔

میں اب اوراکو سے دس قدم دور تھا اور جانتا تھا کہ میرے وہاں پہونچنے تک تلوار قیولا کے سینے میں اتر چکی ہوگی۔ خدایا! میں کیا کروں ؟ یقیناً سینٹ ہیوبرٹ میری مدد کو آئے ہوں گے کیونکہ فوراً ہی مجھے ایک خیال آیا۔ میرے ہاتھ میں شعلہ بار تھی جو میں نے پوری قوت سے اوراکو کے سر کی طرف پھینکی۔

وہ ہوا کو چیرتی اور سنسناتی ہوئی چلی اور میں نے دیکھا پھل پر سورج کی شعاعوں کو کروٹ بدلتے دیکھا۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر اس سے بچنے کی کوشش کی لیکن اب وقت نکل چکا تھا۔ تلوار اس کے ہاتھ پر پڑی جو اس

نے اپنا سر بچانے کے لئے اوپر اٹھایا۔ اس کی دو انگلیاں کٹ گیئں، اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

دوسرے ہی لمحے میں نے ایک زبردست نعرے کے ساتھ اس دیو پر چھلانگ لگائی کہ اب وہ بھی میری طرح نہتا تھا اور وہاں گھاٹی میں ہم آپس میں گتھم گتھا ہوگئے۔ اوراکو بڑا ہی پر قوت تھا لیکن اب میرے جسم میں دس آدمیوں کی طاقت آگئی تھی۔ میں نے اڑنگا لگا کر اسے پٹخ دیا اور اب ہم لڑھک رہے تھے۔ ایک دفعہ وہ میرے سینے پر سوار ہوگیا اور اگر اس کے دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں نہ کٹ گئی ہوتیں تو وہ میرا گلا گھونٹ کر میرا کام تمام کرنے میں کامیاب ہوگیا ہوتا۔

میں نے زور لگا کر کمر اوپر اٹھائی اور ایک جھٹکے کے ساتھ اوراکو اپنے اوپر سے پھینک دیا اور اب ہم دونوں پاس پاس پڑے تھے۔ وہ چاقو کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ یہ میں نے دیکھا نہیں لیکن محسوس ضرور کیا اوراکو کے قریب ہی ایک نوکدار پتھر، جو ایک ہاتھ اونچا ہوگا، راستے میں گڑا ہوا تھا میں نے یہ پتھر دیکھا تو سمجھ لیا کہ مجھے کیا کرنا تھا۔ ایک بار پھر میں نے اوراکو کو اٹھایا اور اپنے پر سے پھینکا اور تب اس کے ہاتھ میں چاقو آگیا اور اس نے مجھ پر وار کیا۔ چاقو میرے چہرے پر چرکا لگا گیا اور اسی وقت میں نے اوراکو کو گھسیٹ کر اس کی موٹی گردن پتھر کی نوک پر رکھ دی اور اپنا ہاتھ بڑھا کر اسکے بال پکڑ لئے اور اپنے بدن کی ساری قوت اپنے بازو میں سمیٹ کر اس کے سر کو پتھر کے دوسری طرف دباتا اور جھکاتا رہا ـــــ یہاں تک کہ "کڑاک" سے کوئی چیز ٹوٹ گئی۔

اوراکو کی گردن ٹوٹ گئی تھی۔ وہ کانپا، تڑپا اور ٹھنڈا ہوگیا۔

میں اس کے قریب پڑا ہوا ہانپ رہا تھا۔ زمین پر پڑی ہوئی گٹھری میں سے جس کے لئے اور جس کی وجہ سے یہ جان لیوا اور خوفناک لڑائی ہوئی تھی، آواز آئی قیولا کی آواز۔

"ایک مر گیا۔ لیکن زندہ کون رہا؟"

میں جواب نہ دے سکا کیونکہ سانس میرے منہ میں سمانہ رہا تھا۔ میری ساری قوت جیسے بہہ گئی تھی۔ اس کے باوجود زمین پر ہاتھ ٹیک کر بدقت اٹھ کر بیٹھ گیا۔ قیولا نے اپنا چہرہ میری طرف گھمایا بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ اس آواز کی طرف گھمایا جو میرے اٹھ کر بیٹھنے سے پیدا ہوئی تھی اور میں نے سوچا کہ افسوس قیولا اندھی تھی۔ وہ پھر بولی اور اس دفعہ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں دیکھ رہی ہوں کہ کون زندہ ہے" اس نے کہا "میری آنکھوں میں کوئی چیز ٹوٹ گئی ہے۔ میرے آقا! میرے پیارے! میں دیکھ رہی ہوں کہ تم زندہ ہو اور ہائے تمھارے زخم سے خون بہہ رہا ہے!"

اور تب میرے ساتھی جانکا بھاگتے ہوئے گھاٹی میں آئے اور ہمیں پا لیا۔

انھوں نے اس دیو اوراکو کی طرف دیکھا اور دیکھا کہ اس کی موت کس طرح واقع ہوئی تھی۔ اسے تلوار یا کسی ہتھیار سے نہیں بلکہ محض جسمانی قوت سے مارا گیا تھا۔ ہاں انھوں نے دیکھا اور میرے سامنے سجدے میں گر گئے۔ اور کہا کہ بے شک میں دیوتا ہی ہوں کیونکہ کوئی انسان اپنے ننگے ہاتھوں سے دیو اوراکو کی گردن نہیں توڑ سکتا تھا۔

اب ان لوگوں نے قیولا کو ڈولی میں بٹھا دیا، چھ آدمیوں نے ڈولی اٹھائی۔

اور اسے اس اندھیری گھاٹی سے باہر لے گئے۔ دو چانکا، جو باقی رہ گئے تھے، میرے قریب آئے اور انھوں نے مجھے سہارا دیا یہاں تک کہ میری قوت عود کر آئی۔ اوراکو کے چاقو سے میرے چہرے پر جو زخم آیا تھا وہ گہرا نہ تھا۔

اس اندھیری گھاٹی سے باہر نکل کر ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے؟

میں نے جو کچھ کیا تھا اس کے بعد کوزا کو جانا خود اپنی موت کی طرف جانا تھا چنانچہ ہم دائیں طرف چل پڑے اور صبح کے دس بجے کے قریب اس ٹیلے پر پہونچ گئے جس پر میں "خونی میدان" کی جنگ کے دن کھڑا ہوا تھا۔ وہاں میرے حکم کے مطابق، تین ہزار چانکا پڑاؤ ڈالے میرے منتظر تھے۔ جب انھوں نے مجھے زندہ اور صحیح وسلامت دیکھا تو انھوں نے خوشی کے نعرے لگائے اور جب انھیں پتہ چلا کہ ڈولی میں کون تھا تو وہ مارے خوشی کے دیوانے ہو گئے۔

اور پھر ان آٹھ سپاہیوں نے، جو میرے ساتھ تھے، قیولا کو بچانے کی پوری داستان سنائی اور جب انھوں نے بتایا کہ میں نے اوراکو کس طرح مارا تھا تو چانکا افسر دوڑ کر آئے اور انھوں نے میرے قدم چومے اور کہا کہ میں حقیقت میں دیوتا ہی ہوں حالانکہ ان میں کے چند مجھے انسان ہی سمجھتے تھے۔

"میں انسان ہوں یا دیوتا" میں نے کہا "لیکن آرام کی ضرورت تو مجھے بھی ہے۔ عورتوں سے کہو کہ وہ قیولا کی خدمت میں حاضر رہیں اور میرے لئے کھانا پینا لاؤ کہ اس کے بعد میں آرام کرنا اور سونا چاہتا ہوں سورج غروب ہوتے ہی ہم ہوراکا کے مقبرے کی طرف روانہ ہو جائیں گے کہ اس کی بیٹی اس کے سپرد کر دیں۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ کاری کے پاس فی الحال فوج نہیں ہے کہ ہم پر حملہ کرے۔ تاہم احتیاطاً پڑاؤ کے باہر

پہرہ لگا دو اور نگہبان مقرر کر دو۔

چنانچہ میں نے کھانا کھایا، شراب پی اور لیٹ گیا اور فوراً ہی مردے کی طرح سو رہا تھا۔

سورج غروب ہونے میں ایک گھنٹہ باقی تھا کہ افسروں نے مجھے جگا کر بتایا کہ کوزاکو سے ایک وفد آیا ہے جو میری خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے اور یہ کہ اس وفد میں دس آدمی ہیں جو ہمارے پڑاؤ کے باہر میری اجازت کے منتظر کھڑے ہیں۔

چنانچہ میں اٹھا۔ میرے چہرے کے زخم پر پٹیاں باندھ دی گئی تھیں۔ میں نے غسل کیا اور جانکا امرا کا سا لباس پہن کر (میں نے زرہ نہ پہنی) اور ان جانکا افسروں کو ساتھ لے کر وفد کے استقبال کے لئے ٹیلے پر سے اترا۔

وفد ٹیلے کے قدموں میں اجازت کا منتظر کھڑا تھا۔ جب ہم قریب پہونچے تو ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا۔ یہ کاری تھا، شہنشاہ انکا۔

میں اس کی طرف بڑھا اور ہم نے الگ ہٹ کر گفتگو کی اس طرح کہ کوئی ہماری باتیں سن نہ سکا۔

"میرے بھائی!" اس نے کہا، "جو کچھ ہوا اس کی پوری کہانی میں نے سن لی ہے اور میں تعریف کرتا ہوں تمہاری کہ تم دنیا کے سارے انسانوں میں سب سے زیادہ بے دھڑک اور سب سے زیادہ بہادر ہو کہ تم نے ہمارے ملک کے سب سے زیادہ پرقوت شخص اورا کو کو بغیر ہتھیار کے ٹھکانے لگا دیا۔"

"اور یوں تمہارا تخت و تاج تمہارے لئے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا کاری!"

"اور یوں میرا تاج و تخت میرے لئے محفوظ کر دیا اور تم نے میرے باپ اوپانکی کے حجرۂ موت میں لاریکو کے دو ٹکڑے کر دئے ہے"

"اور یوں تمھیں ایک غدار سے ہمیشہ کے لئے نجات دلادی"

"اور یوں مجھے ایک غدار سے نجات دلادی جیسا کہ مجھے تمھارے پینا ببر سے، جو گرہیں لگی ڈوری میرے پاس لایا تھا، اور اس جاسوس سے، جو تمھاری قید میں تھا، معلوم ہوا کہ لاریکو حقیقت میں غدار ہی تھا۔ چنانچہ میں پھر کہتا ہوں کہ تم انسانوں میں سب سے زیادہ جانباز انسان ہو اور سب سے زیادہ بہادر ہو اور تقریباً دیوتا ہو جیسا کہ میری قوم کے لوگ تمھیں سمجھتے ہیں"

میں اس کے سامنے جھک گیا اور کاری نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا :۔

"کاش کہ مجھے اس سے زیادہ کچھ نہ کہنا ہوتا لیکن افسوس مجھے کچھ اور بھی کہنا ہے۔ تم نے میرے باپ سورج کی زبردست بے حرمتی کی ہے اور اس کے لئے میں نے تمھیں پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔ کہ اس کی دلھن اور داسی کو اٹھالائے ہو اور میرے بھائی تم نے میرے سامنے جھوٹ بولا۔ یعنی یہ کہ گزشتہ کل ہی تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم نے اس عورت کا خیال اپنے دل سے نکال دیا ہے"

"کاری! میرے لئے یہ نہ تو بے حرمتی ہے اور نہ گناہ بلکہ یہ ایک نیک کام ہے کہ میں نے اسے اس مذہب اور اعتقاد کے اندھے بندھنوں سے آزاد کرایا ہے جسے نہ تو میں مانتا ہوں اور نہ وہ مانتی ہے اور میں اسے اس قبر سے نکال لایا ہوں جس میں اسے زندہ دفن کر دیا گیا تھا اور اب

میں اسے زندگی اور پیار کی طرف لئے جا رہا ہوں۔"

"اور میرے بھائی! تم نے جو جھوٹ بولا کیا وہ بھی نیک کام ہے؟"

"ہاں" میں نے بے دھڑک جواب دیا "اگر کبھی کوئی جھوٹ نیک ہو سکتا ہے تو وہ یہی تھا۔ غور کرو کاری تم نے دعا کی تھی کہ یہ عورت مر جائے جو تمہارے اور میرے درمیان حائل تھی اور یہ تو میں جانتا ہوں کہ بادشاہ جس کی موت کی دعا کرتا ہے وہ مر جاتا ہے۔ اس کا مرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ پھر بادشاہ اس کے قتل کا حکم زبان سے دے یا نہ دے۔ چنانچہ میں نے جھوٹ بولا کہ میں نے اس کا خیال اپنے دل سے نکال دیا ہے تاکہ وہ زندہ رہے۔"

"اور تمہاری آغوش گرم کرے۔ سنو میرے بھائی! ہم دونوں دوست بلکہ اس سے بڑھ کر تھے لیکن اب ہم دونوں دشمن بلکہ اس سے بڑھ کر ہیں۔ ہمیوبرٹ! تم نے میرے دیوتا اور میرے خلاف اعلان جنگ کیا ہے۔ چنانچہ میں تمہارے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ لیکن سنو۔ میں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں کے جھگڑے کی وجہ سے ہزاروں انسانوں کی جانیں جائیں چنانچہ میری ایک پیش کش ہے۔ ہم دونوں یہیں اور اسی وقت مقابلہ کر لیں اور فیصلہ سورج دیوتا اور پاچا مک کے سپرد کر دیں۔"

"تم سے مقابلہ کر لوں! کاری سے!! انکا سے!!!" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ اس وقت تک جب تک کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک مارا نہیں جاتا کیونکہ تمہارے اور میرے درمیان اب سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ انگلستان میں تم نے مجھے پناہ دی تھی اور مجھے کھلایا پلایا تھا۔ اور

یہاں طلاونٹیسو میں میں نے تمھیں اپنی حفاظت میں لے لیا اور میرے سائے میں تم عظیم بنے حالانکہ یہ سچ ہے کہ اگر تم نہ ہوتے تو شاید آج میں یہاں کا حکمراں نہ ہوتا اور میرا وہ سایہ بھی نہ ہوتا جس کا میں نے ذکر کیا ہے چنانچہ اب ہم دونوں باتوں کو سامنے رکھ کر ایک دوسرے کے احسانوں سے سبکدوش ہو جائیں اور ایک دوسرے کے سامنے جانی دشمن بن کر کھڑے ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ کیونکہ تم زبردست ہو اگر ایسا ہوا تو ہو سکتا ہے کہ میری قوم، جو تمھیں دیوتا سمجھتی ہے، تمھیں انکا بنا دے اگر یہ تمھاری خواہش ہو۔"

"نہیں یہ میری خواہش نہیں ہے" میں نے کہا۔

"اس کا مجھے یقین ہے" وہ بولا "لیکن یہ اس خوبصورت رنڈی کی خواہش نہ ہوگی جس نے میرے باپ سورج سے بے وفائی کی ہے۔"

اس کے ان الفاظ سے میں چونکا اور ہونٹ چبانے لگا۔

"آہ۔ ہاں۔ یہ بات تمھیں بری معلوم ہوئی ہے" وہ بولا "اور سچی بات ہمیشہ بری ہی معلوم ہوتی ہے۔ ایک بات سن لو سفید فام جو کبھی میرا بھائی تھا کہ یا تو تم اسی وقت مجھ سے لڑ لو گے اور یا پھر چانکا سے جنگ کروں گا، اگر ضرورت ہوئی تو مہینوں تک اور ضرورت ہوئی تو برسوں تک یہاں تک کہ چانکا لوگوں کا نام و نشان تک مٹا دوں گا اور یقین کرو کہ ان کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ لیکن تم نے میری پیش کش قبول کر کے مجھ سے لڑائی کی اور اگر سورج دیوتا نے مجھے تم پر فتح دی تو پھر انتقام پورا ہو گا اور میں چانکا لوگوں سے اپنی صلح برقرار رکھوں گا۔ لیکن اگر فتح تمھاری ہوئی تو اس کے بعد بھی، میں قسم کھا کر کہتا ہوں، میرے لوگوں اور

جانکا لوگوں کے درمیان صلح اور امن قائم رہے گا کیونکہ میں اپنا خون دے کر تمہارے گناہ کا کفارہ ادا کر چکا ہوں گا۔ اچھا اب تم اپنے افسروں کو بلاؤ، میں اپنے افسروں کو بلاتا ہوں تاکہ ہم یہ فیصلہ انھیں بھی سنا دیں۔"

چنانچہ میں نے گھوم کر اپنے افسروں کو قریب آنے کا اشارہ کیا کاری نے اپنے ساتھیوں کو بلایا وہ آئے اور کاری نے اپنے مخصوص پرسکون لہجے میں وہ ساری باتیں لفظ بہ لفظ دہرا دیں جو میرے اور اس کے درمیان ہوئی تھیں اور جو طے پایا تھا۔

یہ معاملہ میرے لئے منفرت انگیز تھا لیکن میں پھنس گیا تھا کیونکہ اس ملک کی رسم کے مطابق میں اس قسم کے چیلنج کو قبول کرنے سے انکار کر کے ذلیل بن کر زندہ نہ رہ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس میں جانکا اور انکا، دونوں کا ہی فائدہ تھا۔ میں زندہ رہوں تب بھی اور مارا جاؤں تب بھی انکا اور جانکا کے درمیان صلح اور امن ہمیشہ کے لئے قائم ہو سکتا تھا۔ مجھے یاد تھا کہ جنگ روکنے کے لئے قیولا نے کس طرح اپنی قربانی دی تھی حالانکہ وہ جنگ اس کے بعد بھی ہوئی۔ اور جو قیولا نے کیا تھا وہ میں نہ کر سکتا تھا؟ میں تھکا ہوا تھا اور کاری بہادر بھی تھا لیکن میں اس سے ڈرتا نہ تھا بلکہ میرا خیال تھا کہ میں کاری کو قتل کر سکتا ہوں اور اس کا تخت حاصل کر سکتا ہوں کیونکہ کوئچا دیوتا کی طرح میری پرستش کرتے تھے اور جانکا بھی مجھے دیوتا یقین کرتے تھے۔

لیکن ــــ میں کاری کو قتل نہ کر سکتا تھا۔ میرے خدا کیا میں اسے قتل کر سکتا تھا؟ اسے قتل کرنا تو ایسا ہی تھا جیسے اپنے حقیقی بھائی کو قتل کرنا۔ تو پھر کوئی راستہ نہ تھا؟

اور اس سوال کا جواب فوراً مجھے مل گیا۔

ایک راستہ تھا۔ میں خود اپنی جان دے دوں۔ میں مفتوح ہو جاؤں قصداً تاکہ کاری میرا خاتمہ کر دے۔

لیکن اگر ایسا ہوا تو پھر قیولا کا کیا ہوگا؟"

جو کچھ ہوا تھا، جتنا کچھ میں نے برداشت کیا تھا، جتنے مصائب خود قیولا نے برداشت کئے تھے —— یہ سب کچھ کیا اس لئے کہ میں ہمیشہ کے لئے قیولا کو اور قیولا ہمیشہ کے لئے مجھے گنوا بیٹھے؟

یقیناً قیولا کا دل ٹوٹ جائے گا اور وہ مر جائے گی۔

کوئی بات سمجھ میں نہ آرہی تھی کہ میں کیا کروں؟

اور جب میں یوں پریشان تھا تو ایک غیبی آواز نے جیسے میرے کان میں کہا:۔

"ہیوبرٹ ہسٹینگز! کاری کو اپنے دیوتاؤں پر بھروسا ہے تو کیا تم اپنے خدا پر بھروسا نہیں کر سکتے؟ جاؤ —— آگے بڑھو اور اپنے خدا پر بھروسا رکھو؟"

کاری اپنی تقریر ختم کر چکا تھا۔ اور اب ہر ایک کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔

"بولو کیا کہتے ہو تم لوگ؟" میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

"آقا! ہمیں مقابلہ تو بہر حال کرنا ہے،" افسروں کے نمائندے نے کہا "کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں لیکن تمہارے ساتھ ہم بھی مقابلہ کریں گے۔ ہم دس ہیں چنانچہ سامنے سے بھی دس آدمی ہمارے مقابلے کے لئے آئیں"

"بے شک۔ ایسا ہی ہونا چاہیئے" کاری کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا "یہ بہت اہم معاملہ ہے اور اسے صرف ایک آدمی کی بہادری اور مہارت پر نہیں چھوڑا جا سکتا"

"بس بہت ہوا" میں نے کہا "یہ میرا اور کاری کا معاملہ ہے"

کاری نے اثبات میں سر ہلا کر کہا:۔

"بے شک"

اور اب میں نے اپنی تلوار لانے کے لئے ایک افسر کو پڑاؤ کی طرف دوڑا دیا اور کاری نے اپنی تلوار لانے کا حکم دیا کیونکہ اس ملک کی رسم ہے کہ جب سفیر ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو نہتے ہوتے ہیں چنانچہ ہم بھی اپنے ہتھیار ساتھ نہ لائے تھے۔

میرا ساتھی کچھ ہی دیر بعد میری تلوار لے کر واپس آیا اور اس کے ساتھ میرے خادم میری زرہ بھی لے کر آ گئے۔ اس کے علاوہ جانکا کی پوری فوج بھی آ گئی کہ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے پڑاؤ میں پھیل گئی تھی جانکا سپاہی ٹیلے کی چوٹی پر صف بنا کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ میرے ساتھیوں نے تلوار کو ایک خاص قسم کے پتھر پر، جو یہاں ملتا تھا گھس کر اسے اور بھی چمکا دیا تھا اور اس کی دھار استرے کی طرح تیز کر دی تھی۔

میرے ساتھی نے شعلہ بار میرے ہاتھ میں دے دی۔ کاری کا ساتھی اس کی تلوار لے آیا اور کاری کے سامنے سجدہ کر کے تلوار اس کی خدمت میں پیش کر دی۔ میں اس تلوار کو پہچانتا تھا۔ یہ ڈیلے رائے کی تلوار تھی جو کاری نے اس کی لاش کے ہاتھ سے چھڑائی تھی۔

اب خادم میری زرہ لے کر میرے پاس آیا لیکن میں نے اسے واپس بھیج دیا اور یہ کہتے ہوئے کہ چونکہ انکلا نے زرہ نہیں پہنی اس لئے میں بھی نہ پہنوں گا۔

کاری نے یہ دیکھا اور میرے الفاظ سنے۔

"شریف —— بے حد شریف" وہ بولا " افسوس کہ اس خلوص اور شرافت کو ایک عورت کے سالنوں نے داغدار کر دیا"

ہمارے افسر مقابلے کے متعلق مجھے مشورہ دینے لگے لیکن میں نے ان کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔

آخرکار تیاریاں مکمل ہو گئیں اور میں اور کاری ایک دوسرے کے سامنے بڑھ کر کھڑے ہو گئے کہ اشارہ پاتے ہی مقابلہ شروع کر دیں اور ہم دونوں کے لباس تقریباً ایک جیسے تھے۔ میں نے اپنا اوپری لباس اتار دیا تھا اور ببیبر کی صدری پہنے ننگا سر کھڑا تھا۔ کاری نے بھی اپنا شاہانہ لباس اتار دیا تھا اور وہ بھی نرم زیر جامے میں کھڑا ہوا تھا اس کے علاوہ اس کے سر پر کا پگڑی جیبالباس اور ماتھے پر کا فیتہ بھی کھول دیا تھا۔ اس پر اس کے ساتھیوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا کیونکہ ان کے نزدیک یہ بدشگونی تھی۔

عین اسی وقت میں نے اپنے پیچھے ایک آواز سنی اور گھوم کر دیکھا کہ قیونا ٹھوکریں کھاتی ہوئی ڈھلان پر سے بھاگی آرہی تھی اور جہاں تک اس کی نیم اندھی آنکھیں اجازت دیتی تھیں وہ ٹکرانے اور گرنے سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ ہماری طرف آرہی تھی اور چیخ رہی تھی۔

"آقا ــ مت لڑو ــ انکا! میں سورج کے خانۂ مقدس میں واپس چلوں گی۔ رک جاؤ ــ مقابلہ نہ کرو۔"

"خاموش لعنتی عورت" کاری گرجا "کیا دیوتا تجھ جیسی بے دفا کو اب قبول کرے گا؟ جب تک تیری لائی ہوئی یہ لعنت ختم نہیں ہو جاتی تب تک خاموش رہ اور پھر عمر بھر روتی رہنا۔"

ان سخت الفاظ نے اس کے قدم لڑکھڑا دئیے اور وہ ٹھٹک گئی۔ اور ان عورتوں نے، جو اس کے ساتھ آئی تھیں، اسے سہارا دے کر ایک پتھر پر بٹھا دیا اور وہاں وہ بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔

اب ایک افسر نے بلند آواز میں اس مقابلے کے اصول بیان کئے اور جب وہ خاموش ہوا تو کاری نے کہا:۔

"اور یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ یہ مقابلہ آخری ہے اور اس وقت ختم ہوگا جب تک ہم دونوں میں سے کوئی ایک مارا نہیں جاتا یا دونوں مارے نہیں جاتے کیونکہ اگر ہم زندہ رہے تو میں اپنی قسم پھر کھاؤں گا اور اس چڑیل کو سورج کی قربان گاہ پر زندہ جلاؤں گا اور انتقام کے طور پر اس کے خاندان کو اس کی قوم کو اور اس کے شہر کو ملیا میٹ کر دوں گا کہ یہی سورج دیوتا کا قانون اور یہی اس کا انتقام ہے۔"

میں نے سنا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اور جواب دینا ضروری بھی نہ تھا کیونکہ اس عظیم اور قابل احترام آدمی کا دماغ اندھے اعتقاد اور تعصب نے خراب کر دیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے اشارہ کیا گیا۔

اور دوست اور دوست میں اور بھائی اور بھائی میں موت کا مقابلہ شروع ہوا

کاری نے اپنے ملک کے چیتے کی طرح مجھ پر چھلانگ لگائی لیکن میں اپنے کو بچا گیا اس نے تین دفعہ مجھ پر چھلانگ لگائی۔ اس نے تین دفعہ مجھ پر حملہ کیا اور تینوں دفعہ میں نے مدافعت کی اور ایک دفعہ تو وہ میری تلوار کی زد میں تھا اور میں چاہتا تو ایک ہی وار میں اس کے دو ٹکڑے کر دیتا لیکن میں نے ایسا نہ کیا۔ میں نے تلوار اٹھائی ضرور۔ لیکن وار نہ کیا۔ چانکا حیران تھے کہ یہ میں کیا کر رہا تھا اور کیوں مدافعت کر رہا تھا حالانکہ اس طرح جنگ کرنا میری فطرت کے خلاف تھا اور میں بھی حیران تھا کیونکہ اب تک میں نے فیصلہ نہ کیا تھا کہ مجھے کیا کرنا تھا۔ لیکن بہر حال مجھے کچھ کرنا تھا اور بہت جلد کیونکہ جلد ہی میری مدافعانہ تدبیریں ختم ہو جائیں گی اور ڈیلے راکے کی تلوار اپنا نشانہ تلاش کر لے گی۔

میری اس مسلسل مدافعت سے شاید کاری بھی الجھ گیا اور وار کرتے ہچکچانے لگا۔ بہر حال وہ چند قدم پیچھے ہٹا اور پھر اپنی تلوار سر سے بلند کر کے ایک دم سے میری طرف دھنس آیا اور تب یکایک میں نے ایک فیصلہ کر لیا کہ مجھے کیا کرنا تھا

میں نے شعلہ بار دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر گھمائی اور وار کر دیا لیکن کاری پر نہیں بلکہ اس کی تلوار کے ہاتھی دانت کے دستے پر۔ شعلہ بار کاری کی گرفت اور پھل کے جوڑ کے درمیان پڑی اور جیسا کہ مجھے یقین تھا وہ ہاتھی دانت کے دستے کے جوڑ کو کاٹ گئی۔ تلوار کا پھل کٹ کر زمین پر گرا اور دستے کا ٹھنٹھ کاری کے ہاتھ میں رہ گیا۔

کاری کے ساتھیوں کے منہ سے مایوسی کی کراہیں نکل گئیں اور میرے

ساتھیوں نے خوشی کے نعرے لگائے کیونکہ کاری اب نہتا تھا اور اس "موت تک" کی جنگ کا خاتمہ ہو چکا تھا الّا یہ کہ کاری کی موت میرے ہاتھوں سے باقی تھی اور اب میں آسانی سے اسے قتل کر سکتا تھا۔

کاری نے اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر سر جھکا دیا۔

"دیوتاؤں کی مرضی پوری ہوئی" وہ بولا "اور میں نے اس بدمعاش پر جیسے تم نے قتل کیا تھا، بھروسا کر کے غلطی کی تھی۔ اے فاتح! چلاؤ اپنی تلوار کہ فیصلہ ہو جائے۔"

"نہیں" میں نے کہا "اے انکا! تم اپنی قسم واپس لے سکتے ہو تاکہ انکا اور جانکا کے درمیان کبھی جنگ نہ ہو؟"

"نہیں" اس نے جواب دیا "میں نے جو کہہ دیا بس کہہ دیا۔ اگر اس عورت کو میرے سپرد کر دو کہ اسے وہی سزا دی جائے جو سورج دیوتا کے غداروں کو دی جاتی ہے تو اس کے بعد ہی انکا کے لوگوں اور جانکا لوگوں میں صلح اور امن قائم رہے گا ورنہ نہیں کیونکہ میں زندہ رہا اور جب تک زندہ رہا تب تک اس عورت کے خلاف اور تمہارے خلاف اور جانکا لوگوں کے خلاف کہ وہ تم دونوں کو پناہ دیں گے، جنگ کرتا رہوں گا۔"

اور اب مجھے غصہ آ گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ جب تک یہ آدمی، جو دنیا کی ہر عورت سے نفرت کرتا ہے، زندہ ہے تب تک امن و سکون ہونا ممکن نہیں، اگر یہ زندہ رہا تو خون کی ندیاں بہتی رہیں گی لیکن اگر یہ مر گیا تو ٹاؤ و نٹسو میں امن قائم ہو جائے گا اور نیولا میری ہو جائے گی اور پھر کسی طرف سے کوئی خطرہ نہ ہو گا۔

چنانچہ میں نے اپنی تلوار اٹھائی اور تب قیبولا اس پتھر پر سے اٹھی اور اور بھاگ کر میری طرف آنے لگی۔

"نہیں۔ نہیں" وہ چلائی "آقا میرے لئے انکا کا مقدس خون نہ بہاؤ۔ مجھے اس کے حوالے کر دو۔ مجھے اس کے حوالے کر دو۔"

اور پھر میرے جسم میں جیسے کوئی روح در آئی اور میں نے کہا۔

"خاتون! تمھاری ایک درخواست میں نے قبول کی۔ میں انکا کا خون نہ بہاؤں گا۔ اور تمھیں اس کے حوالے بھی نہ کروں گا۔ کیونکہ تم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ گنہگار تم نہیں ہو کہ تم نہیں آئیں بلکہ وہاں سے میں تمھیں جبراً نکال لایا ہوں جس طرح کہ اورا کو تمھیں نکال لے جانا چاہتا تھا۔

"سنو کاری! جب ہم دوست تھے اور سفر میں تھے تو تم نے ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار مجھ سے کہا تھا کہ ہمیں اپنے خداؤں پر بھروسا کرنا چاہئے۔ یعنی تم اپنے دیوتاؤں پر اور میں اپنے خدا پر سب کچھ چھوڑ تا ہوں اور ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور اس وقت ایک بار پھر میں نے تمھارے اسی مشورے پر عمل کیا اور اپنے خدا پر سب کچھ چھوڑ دیا۔ اب تم دھمکی دے رہے ہو کہ اپنے ملک کی تمام فوجوں کے ساتھ آؤ گے اور اپنی توہم پرستی اور اندھے اور کافرانہ اعتقاد کی وجہ سے چانکا لوگوں کے ایک بچے کو بھی زندہ نہ چھوڑو گے اور ان کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دو گے لیکن میں سمجھتا ہوں میرا خدا ایسا نہ ہونے دے گا البتہ یہ میں نہیں جانتا کہ کس طرح وہ تمھارے انتقام کو پھیر دے گا۔"

"اے کاری! اے ٹاونٹیو کے عظیم انکا! اس عجیب دنیا کے

مالک و مختار! میں — سفید فام دیوتا ئے بجز سے تمہاری جان بخشی کرتا ہوں اور تمہیں بچاتا ہوں جس طرح دور دراز ملک میں ایک بار میں نے تمہیں بچایا تھا۔ اور تمہاری جان کے ساتھ میں یہ دعا تمہیں دیتا ہوں کہ تم سلامت رہو اور کامیاب اور بامراد رہو۔ البتہ ایک چیز سے تم اب ہمیشہ کے لئے محروم رہو گے۔ کاری! میرے دوست امیرے بھائی! آخری دفعہ میری صورت دیکھ لو کہ پھر کبھی تم میری صورت نہ دیکھ سکو گے۔ ہاں۔ میری صورت دیکھ لو اور امن و آشتی سے اپنے گھر کی طرف لوٹ جاؤ"

کاری نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور میری طرف دیکھنے لگا اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور پھر وہ جھک گیا اور اس نے ایک حقیر غلام کی طرح میرے قدم چوم لئے۔

"شریف ترین انسان!" اس نے کھڑے ہو کر کہا "میں تمہاری پرستش کرتا ہوں — ہاں۔ عظیم انکا تمہارا پرستار ہے۔ کاش کہ میں اپنی قسم واپس لے سکتا لیکن افسوس میں ایسا نہیں کر سکتا کیوں کہ اس معاملے میں سورج دیوتا نے میرا دل سخت کر دیا ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے میری قوم پر سورج دیوتا کا قہر نازل ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ، جس کی تم پرستش کرتے ہو، ایسا ہی کرے جیسا کہ تم نے کہا ہے کیونکہ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا جیسا کہ تم نے کہا تھا اور مجھے اپنا ماتھا خاک پر رکھنا پڑا۔ میری دعا ہے کہ ایسا ہی ہو کیونکہ مجھے خون خرابہ پسند نہیں بلکہ دیوتا کریں بلکہ ایسا ہو کہ تمہاری کمان سے نکلا ہوا تیر میری موت کا باعث بنے کہ خون خرابے

کی بہ نسبت مجھے اس طرح مرنا پسند ہے۔"

"میرے دوست — میرے مخلص اور پیارے دوست! الوداع۔ دیوتا تمھیں اس زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی خوشیاں دیں اور تمھیں شادکام رکھیں اور دیوتا کریں کہ مرنے کے بعد دوسری دنیا میں ایک بار پھر ہماری ملاقات ہو اور وہاں ایک بار پھر ہم بھائی بن کر رہیں اور کوئی عورت ہم میں جدائی ڈلوانے نہ آسکے۔ الوداع میرے بھائی۔"

اور کاری پلٹا اور سر جھکائے کوزاکو کی طرف چلا گیا اور اس کے پیچھے اس کے ساتھی یوں چلے جیسے جنازہ لئے جا رہے ہوں لیکن جانے سے پہلے انھوں نے جھک کر وہ سلام کیا جو صرف عظیم اور مقدس انکا کو کیا جاتا تھا۔

تیرھواں باب (۱۳)

بوسہ

بیہوش تیولا کو اس کی خادمائیں اس منحوس میدان سے اٹھا کر لے گئیں اور وہ اس وقت تک اور اس، خاموش اور بیمار سی رہی جب تک کہ ہم جانکا لوگوں کے شہر کے قریب نہ پہونچ گئے لیکن اس عرصے میں اس کی قوت اور بینائی عود کر آتی رہی اور آخر میں یہ ہوا کہ اس کی بینائی اسے پوری طرح سے واپس مل گئی اور اب وہ پہلے ہی کی طرح دیکھ سکتی تھی میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

پیغامبر ہم سے آگے دوڑ گئے تھے۔ چنانچہ جب ہم شہر کے قریب پہونچے تو جانکا لوگ گروہ درگروہ ہمارے استقبال کو شہر سے باہر نکل آئے اور انھوں نے ہمارے راستے میں پھول بچھائے اور خوشی کے ترانے گائے۔

اسی شام مجھے ہورا کا نے طلب کیا اور جب میں اس کے کمرے میں پہنچا تو دیکھا کہ اس کا آخری وقت تھا۔ اس کے خاص خاص مشیر وہاں موجود تھے اور ان کے سامنے میں نے اور تیولا نے اپنی اپنی سرگزشت بیان کی۔ ہورا کا خاموشی سے سنتا رہا اور جب ہم خاموش ہوئے تو اس نے کہا:۔

"اے دیوتائے بحر: میں، تمھارا شکور ہوں کہ تم اپنی جان پر کھیل کر میری بیٹی کو، ایسی پاک صاف۔ جیسی کہ وہ تھی، میرے

پاس لائے آئے کہ مرنے سے پہلے میں اسے دیکھ لوں۔ اب مجھے احساس ہوا کہ اوراکو سیاس کی منگنی کر کے میں نے سخت غلطی کی تھی۔ بہرحال میں خوش ہوں کہ اوراکو اسے حاصل نہ کر سکا۔ لیکن ابھی تمہارے سر سے اور میری قوم کے سر سے خطرہ ٹلا نہیں ہے۔ تم جس طرح مناسب سمجھو اس طرح ان خطرا کا مقابلہ کرنا یا ان سے بچنا کیونکہ اے دیوتائے بحر اب میری قوم تمہاری قوم ہے ـــــ تمہاری اور تمہارے ساتھ میری بیٹی کی کیونکہ یہ میرا حکم ہے کہ مجھے میرے اجداد کے ساتھ رکھ دینے کے بعد فوراً تم دونوں شادی کر لو۔ انکا جب تمہارے اختیار میں تھا تو اس وقت اگر تم نے اسے قتل کر دیا ہوتا تو یہ شاید اچھا ہوتا لیکن انسان وہی کرتا ہے جو دیوتا چاہتے ہیں۔ میری دعائیں اور نیک تمنائیں تمہارے اور میری بیٹی کے اور تمہارے بچوں کے ساتھ رہیں گی۔ دیوتا تم سب کو خوش رکھیں اور تمہاری حفاظت کریں۔ بس اب جاؤ کہ مجھ میں اب بولنے کی سکت نہیں ہے"

اسی رات بادشاہ ہوراکا کا انتقال ہو گیا۔

تین دن بعد ہوراکا کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ ماہتاب کے مندر میں دفن کر دیا گیا۔ چانکا لوگ اپنے بادشاہوں کی لاشوں کو محفوظ کر کے رکھتے نہ تھے جس طرح کہ انکا کی لاشوں کو کوچا لوگ حنوط کر کے محفوظ کر لیتے تھے۔

ماتم کے آخری دن محل کے بڑے کمرے میں ملک کے بڑے بڑے امرا جمع ہوئے۔ یہ مجلس مشاورت قیولا کے نام سے طلب کی گئی تھی جو اب عظیم خاتون یا "ملکہ" کے نام سے مشہور تھی۔ مجھے اس مجلس میں طلب کیا گیا اور میں بڑے شوق سے ؛ ہاں ہو بچا کیونکہ ہوراکا کی موت کے بعد سے اب تک میں نے

اسے دیکھا نہ تھا اور وجہ یہ تھی کہ ماتم یا سوگ کا پورا دور اس نے، یہاں کی رسم کے مطابق، تنہائی میں گزارا تھا۔

میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب محافظ سپاہی مجھے اس کمرے میں جہاں امرا جمع تھے، لے جانے کے بجائے اس کمرے میں لے آیا جہاں میں نے ہورا کا سب سے پہلے ملاقات کی تھی۔ محافظ مجھے یہاں چھوڑ کر چلا گیا۔ چند ثانیوں کے بعد میں نے سرسراہٹ کی آواز سنی۔ نظریں اٹھا کر دیکھا تو پردوں کے درمیان تیولا کھڑی ہوئی تھی۔ وہ شاہی پوشاک پہنے ہوئے تھی اور اس کے ماتھے اور سینے پر چاند کی علامت بنی ہوئی تھی۔

"سلام۔ میرے آقا" اس نے بے حد مترنم آواز میں کہا "میرا آقا مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے؛ اگر ہاں تو جلدی کہہ دے کیونکہ امرا کی مجلس ہمارا انتظار کر رہی ہے۔"

اور میں بیوقوفوں کی طرح اس کی صورت تکنے لگا اور پھر میں نے کہا:
"کچھ نہیں کہنا ہے سوائے اس کے جو پہلے کہہ چکا ہوں ــــ میں تمہیں چاہتا ہوں۔"

وہ مسکرائی اور پھر آہستہ سے کہا:-
"بس۔ اور کچھ نہیں کہنا ہے؟"
"محبت میں زیادہ کہنے کی گنجائش ہوتی ہے تیولا؟"
"یہ تو میں نہیں جانتی لیکن ایک مرد اور ایک عورت کی محبت کی منزل کیا ہوتی ہے؟"

میں نے سر ہلایا۔
"کشمکش ہوتی ہے۔ کسی کی جہنم اور کسی کی جنت"

"میرا مطلب ہے اس دنیا میں ؟"

"اس دنیا میں تو — شادی "

اس نے میری طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں وہ چمک آگئی جس کا مطلب میں نے فوراً سمجھ لیا۔

"تمھارا مطلب ہے کہ — تم مجھ سے شادی کرلوگی قیولا ؟"

"آقا! یہ میرے باپ کی آرزو تھی ۔ لیکن تمھاری آرزو کیا ہے ؟ — ریماک نے کیا پیشین گوئی کی تھی ؟ — یہی کہ سورج کی باہنوں میں پناہ لوں گی — اور پھر کیا کہا تھا میں بھول گئی "

"مجھے یاد ہے " میں نے کہا "اور یہ کہ آخر کار تم اپنے پیارے کی آغوش میں سوؤ گی "

"ہاں " اس کے گال سرخ ہو گئے " یہی کہا تھا ۔ پیشین گوئی کا پہلا حصّہ تو پورا ہوا ...."

"اور دوسرا بھی پورا ہو گا " میں نے جلدی سے کہا اور اسے اپنی باہنوں میں سمیٹ لیا۔

"آقا! " وہ بولی " میں ایک وحشی قوم کی عورت ہوں — اس کے باوجود کیا واقعی تم مجھے اپنی بیوی بنانا چاہتے ہو ؟"

"بے شک "

"سنو آقا ۔ یہ تو میں شروع سے ہی جانتی تھی لیکن محض اپنے اطمینان کے لئے تمھاری زبان سے سننا چاہتی تھی ۔ ایک بات کا یقین دلاتی ہوں کہ میں وحشی، جاہل اور بیوقوف سہی لیکن میں ایسی وفادار بیوی بن کر رہوں گی کہ ایسی بیوی کبھی کسی کی نہ رہی ہوگی ۔ اتنا پیار دوں گی تمھیں کہ کبھی

کسی بیوی نے اپنے شوہر کو نہ دیا ہو گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ میں کنواری ہوں آج تک کسی نے مجھے چھوا تک نہیں۔ اور میری دعا ہے کہ میرے بے انتہا پیار میں تم اس پہلی خاتون کو بھی بھول جاؤ جسے تم اپنے ملک میں اپنی بنانا چاہتے تھے۔"

"اور میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ میری بن کر رہو۔"

"ہاں آقا۔ لیکن کوئی نہیں جانتا کہ ہمیشہ کی زندگی کون سی ہے اور کتنی طویل ہے۔ چنانچہ اس زندگی میں محبت کا پھول توڑ لیا مبادا کہ وہ مرجھا جائے میں پیروں کی چاپ سن رہی ہوں۔ امرا ہمیں بلانے آ رہے ہیں۔ آقا! میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر دربار میں داخل ہونا۔ وہاں میں لوگوں سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ انکاری، جس کی جان بخشی تم نے کر دی تھی، کا سایہ ابھی ہم پر سے ٹلا نہیں ہے۔"

اس سے پہلے کہ میں اس سے اس کا مطلب پوچھتا تین امرا کمرے میں داخل ہوئے اور کہا کہ ہمارا انتظار کیا جا رہا ہے۔ اور پھر وہ پلٹ کر چل دئے اور ہم ان کے پیچھے چلے اور دربار کے بڑے کمرے میں پہونچے جہاں کی ہر جگہ بھری ہوئی تھی۔ میں اور قیولا ہاتھ میں ہاتھ دئے چبوترے پر چڑھے تو کمرے میں موجود ہر شخص کھڑا ہو گیا اور انھوں نے ایک آواز ہو کر خوشی کے نعرے سے ہمارا استقبال کیا۔

قیولا تخت پر بیٹھ گئی اور مجھے دوسرے تخت پر، جو اس کے پہلو میں ہی تھا، بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ تخت جس پر مجھے بیٹھنا تھا، قیولا کے تخت سے ذرا اونچا رکھا گیا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ایسا قصداً کیا گیا تھا۔ اور اس سے جتانا یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس وقت سے میں ان کا بادشاہ ہو گیا

اور قیولا صرف میری بیوی ہے۔

جب درباریوں کے نعرے ختم ہوئے تو قیولا اٹھی اور اس نے حاضرین کو مخاطب کیا اور مجھے اعتراف ہے کہ وہ بہت عمدہ تقریر کر لیتی تھی۔

"اے چانکا قوم کے امرا اور افسرو!" اس نے کہا "میرے والد ہورا کا کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے اور میں ان کی اکلوتی بیٹی ہوں چنانچہ بلاشرکت غیرے میں ان کے تاج و تخت کی حق دار ہوں چنانچہ میں نے اپنے اختیار سے تمھیں یہاں طلب کیا ہے کہ تم سے مشورہ کروں یا "پہلے تو یہ سن لو کہ مجھے، تمھاری ملکہ کو، اس سفید فام دیوتا نے اپنی بیوی بنانے کے لئے منتخب کیا ہے"

اس اعلان پر درباریوں نے ایک بار پھر خوشی کا نعرہ لگایا۔ معلوم ہوا کہ یہ رشتہ انھیں پسند ہے۔ اب بھی اکثر لوگ مجھے دیوتا ہی سمجھتے تھے۔ اور جو نہ سمجھتے تھے وہ بھی یہ تو تسلیم ہی کرتے تھے کہ مجھ جیسا سپہ سالار آج تک ٹاونٹیسو میں پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی آئندہ کبھی ہوگا۔ اور اکو کو اپنے ننگے ہاتھوں سے مارنے کی اور کاری پر دست بدست جنگ میں فتح پانے کی داستان ملک کے طول و عرض میں پھیل چکی تھی اس کے علاوہ وہ سپاہی جنھوں نے میرے ماتحت جنگ کی تھی مجھے اتنا چاہتے تھے کہ اولاد نے اپنے باپ کو بھی کبھی نہ چاہا ہوگا۔ چنانچہ سب نے خوشی کا اظہار کیا اور قیولا کے اس اعلان سے کسی کو حیرت نہ ہوئی کیونکہ سبھی جانتے تھے کہ یہی ان کے مرحوم بادشاہ کی خواہش تھی اور یہ کہ قیولا کو حاصل کرنے کے لئے میں اپنی جان پر کھیل گیا تھا۔

ان کے خوشی کے نعروں کے جواب میں میں بھی اپنے تخت پر سے اٹھا اور اپنی تلوار شعلہ بار کو نیام سے گھسیٹ کر پہلے قیولا کو اور پھر امرا کو سلام کیا اور کہا:-

"جانکا کے امرا! ایک ویران جزیرے پر جب میں نے پہلی دفعہ تمہاری اس ملکہ کو دیکھا تو اسی وقت سے میں اس سے پیار کرنے لگا اور قسم کھائی کہ میں اسی سے شادی کروں گا اور اس دن اور آج کے دن کے درمیانی عرصے میں بہت کچھ ہوگیا۔ اسے یہاں سے جبراً لے جایا گیا کہ اورا کو کی زوجیت میں دے دیا جائے لیکن اوراکو سے، جس سے قیولا نفرت کرتی تھی، بچنے کے لئے اس نے سورج کے خانۂ مقدس میں پناہ لی اور اس کی دلھن اور داسی بنی اور پھر وہ زبردست جنگ ہوئی جس میں تم لوگ شریک تھے اور اس کے بعد میں نے قیولا کو بچایا، اسے اس اندھیری قید سے چھڑایا، اوراکو کا خاتمہ کیا اور کاری پر فتح حاصل کی۔ کاری میرا بھائی تھا لیکن اب وہ میرا دشمن ہے کیونکہ میں اس کے دیوتا کی دلھن اور داسی کو نکال لایا ہوں۔ اب قیولا اپنی خوشی سے میری بیوی بننا چاہتی ہے اور میری تو شروع سے ہی یہی آرزو تھی کہ اسے اپنی شریک حیات بناؤں۔ چنانچہ اب میں تم سب کے سامنے اسے اپنی بیوی کے طور پر اور یہ مجھے اپنے شوہر کے طور پر قبول کرتی ہے اور اس امید کے ساتھ کہ ہم برسوں تک اور ہمارے بعد ہماری اولاد تم پر انصاف کے ساتھ حکومت کرے گی۔ تاہم میں تمھیں خبردار کئے دیتا ہوں کہ جنگ عظیم کے بعد ہم نے انکا سے جو باعزت صلح کی تھی وہ اس سے شادی کے بعد ٹوٹ جائے گی کیونکہ میں نے ان کے دیوتا کی دلھن اور داسی کو اپنی دلھن بنایا ہے چنانچہ مستقبل قریب میں ایک بار پھر جانکا اور کوتچا میں جنگ ہوگی۔"

"یہ ہم جانتے ہیں" درباری چلائے "ہم جانتے ہیں کہ جنگ ضرور ہوگی اور ہم اس کے لئے تیار ہیں۔"

"میرے لئے اور کون سا راستہ رہ گیا تھا؟" میں نے کہا "کیا میں تمہاری

ملکہ کو سورج کی داسی بنی رہنے دیتا؟ کیا میں اسے اوراکو کی بیوی بن جانے دیتا؟ کیا میں اسے کاری کے سپرد کر دیتا کہ وہ اسے اپنے دیوتا پر بھینٹ چڑھا دے؟ کیا تم اسے پسند کرتے؟"

"نہیں۔ ہم تو یہی پسند کرتے ہیں کہ یہ تم سے شادی کرے تاکہ وہ چانکا بادشاہوں کی ماں بنے۔"

"میں جانتا تھا کہ تم اسے ہی پسند کرو گے لیکن جان لو کہ ابھی خطرہ ٹلا نہیں ہے۔ طوفان آنے والا ہے۔ کاری ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو اپنی قسم بھول جاتے یا توڑ دیتے ہیں۔"

"دیوتائے بحر! جب وہ تمھارے اختیار میں تھا تو تم نے اسے قتل کر کے انکا کے تخت پر قبضہ کیوں نہ کر لیا؟"

"اس لئے کہ میں ایسا نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ دیوتاؤں کو یہ بات پسند نہ آتی کہ میں نے اس شخص کو قتل کیا برسوں تک میرا بھائی رہا تھا اگر میں ایسا کرتا تو یہ گناہ ہوتا اور اس کی سزا مجھے اور قیولا کو اور اے چانکا لوگو تمھیں بھی آسمانوں سے ملتی اور ......"

عین اسی وقت کمرے کے انتہائی سرے پر کچھ گڑبڑ ہوئی اور نقیب نے چیخ کر کہا:۔

"وفد آیا ہے — انکا کاری کی طرف سے وفد آیا ہے"

"آنے دو" قیولا نے کہا۔

اور انکا کا وفد حاضر ہوا۔ یہ کوزاکو کے زبردست امرا تھے۔ وہ ہمارے سامنے جھک گئے۔

"کیا پیغام لائے ہو؟" قیولا نے پوچھا

"پیغام یہ ہے خاتون" ان کے نمائندے نے کہا "انکا آخری دفعہ دریافت کر رہا ہے کہ آپ اپنے آپ کو اس کے سپرد کر رہی ہیں کہ وہ آپ کو سورج دیوتا پر بھینٹ چڑھا دے جس سے آپ نے بے وفائی کی ہے؛ انکا یہ آپ سے اس لئے دریافت کر رہا ہے کہ اسے معلوم ہوا ہے کہ ہوراکا اب اس دنیا میں نہیں ہے"

"اور اگر میں اپنے آپ کو انکا کے سپرد نہ کروں تو؟"

"تو پھر انکا آپ کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے اور وہ اس وقت تک جنگ کرے گا جب تک کہ ایک بھی چانکا زندہ ہے اور جب تک کہ اس شہر کا ایک بھی پتھر اپنی جگہ پر قائم ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس جنگ میں ایک عرصہ لگ جائے کیونکہ انکا کو فوجیں اکٹھی کرنی ہیں لیکن جنگ ہوگی ضرور اس سال نہیں تو آئندہ سال اور آئندہ سال نہیں تو اس کے بعد کے سال۔"

قیولا نے یہ سنا اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ خوف سے نہیں بلکہ غصے سے۔ اور پھر اس نے کہا:۔

"اے چانکا! تم نے سن لیا اور جان لو کہ صورت حال کیا ہے۔ اگر میں نے اپنے آپ کو دیوتا پر بھینٹ چڑھنے کے لئے انکا کے سپرد کر دیا تو انکا تم پر رحم کرے گا لیکن اگر میں نے اپنے آپ کو اس کے حوالے نہ کیا تو جلد یا بدیر وہ تمہیں نیست و نابود کر دے گا۔ تو اب بتاؤ تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ کیا میں اپنے آپ کو انکا کے سپرد کر دوں؟"

اور وہ سب کے سب جوش کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے اور سب نے ایک زبان ہو کر کہا:۔

"نہیں۔ کبھی نہیں"

جب یہ شور کم ہوا تو ایک بوڑھا مشیر، جو مرحوم ہورا کا کا چچا تھا، آگے آیا اور انکا کے وفد کے نمائندے کو گھور کر دیکھتے رہنے کے بعد بولا :۔

"تم لوگ انکا کے پاس واپس جاؤ اور کہو اس سے کہ زبان سے دھمکی دینا ایک بات ہے اور اس پر عمل کرنا دوسری بات ہے۔ پچھلی جنگ میں وہ بطور دوست اور بطور دشمن ہماری خصوصیات سے واقف ہو چکا ہے اور شاید ہماری مزید خصوصیات سے وہ اب واقف ہو جائے گا۔ اسے دیکھو" اس نے میری طرف اشارہ کیا " یہ ہمارا بادشاہ اور ہماری ملکہ کا شوہر بننے والا ہے۔ اسی کی اور ہماری مدد سے انکا نے اپنا تخت حاصل کیا ہے اور ابھی کچھ عرصہ کیلئے ہی اس کے رحم وکرم سے انکا کو اس کی زندگی ملی ہے۔ چنانچہ ہوشیار ہو جاؤ کہ اب انکا ہماری اویا کی اپنی زندگی اور تخت دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور اس کے ساتھ سورج کی قدیم حکومت بھی جاتی رہے گی۔ یہ ہیں ہمارے الفاظ اور یہ ہے ہمارا جواب "

"یہ ہے ہمارا جواب " تمام امرا نے کہا اور ایسے زور وشور سے کہ کمرے کی دیواریں لرز گئیں۔ اس کے بعد مکمل خاموشی طاری رہی اور پھر قیولا نے کہا "سفیر! تمھیں اور بھی کچھ کہنا ہے ؟"

"ہاں "

"کہو "

"چاپانکا کا درخت بہت جلد کاٹ دیا جائے گا لیکن انکا اب بھی اس شیر کو پناہ دینے کے لئے تیار ہے جو اس کی ٹہنیوں میں پناہ گزین ہے کیونکہ انکا اس شیر کو چاہتا ہے۔ سفید فام دیوتائے بحر کو، جسے تم نے اپنے سحر کے جال میں گرفتار رکھا ہے، ہمارے ساتھ جانے دو کہ اسے

اختیارات اور دولت اور بلند مقام اور اس کے ساتھ بھائی کا پیار دیا جائے گا ؟

قیولا نے میری طرف دیکھا اور میں اپنی جگہ سے اٹھا اور میں کچھ کہہ نہ سکا کیوں کہ میرے منہ سے ایک بلند قہقہہ نکلا ۔

اور پھر میں نے کہا ۔

" ابھی چند دنوں پہلے جب میں نے اس کی جان بخشی کی تو انکا نے مجھے بے حد شریف کا لقب دیا تھا اب اگر میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی تو وہ خود کیا کہے گا ؛ کیا وہ اس کے بعد بھی مجھے شریف اور جانکا درخت کی ٹہنیوں میں پناہ لینے والا شیر کہے گا ؟ اس کے ہونٹ بھلا ہی کیوں نہ کہیں اس کا دل مجھے بے حد ذلیل اور عیار لومڑ نہ کہے گا ؛ تم لوگ واپس جاؤ اور انکا سے کہو کہ میں یہیں رہوں گا ۔ اور اس کے ساتھ خوش رہوں گا جسے میں نے حاصل کیا ہے اور یہ کہ میری تلوار شعلہ بار کو ابھی زنگ نہیں لگا ہے اور اس بازو میں ابھی قوت باقی ہے جو یہ تلوار چلاتا ہے اور انکا کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اس تلوار کے دیدار دوبارہ کرنے کی خواہش نہ کرے "

اور ایک بار پھر میں نے تلوار بے نیام کر کے لہرائی ۔

اب انکا میرے سامنے جھک گئے کیونکہ اس وفد کا ہر شخص مجھے جانتا تھا اور ہر ایک مجھے چاہتا تھا ۔ پھر وہ گھومے اور چلے گئے ۔ اور یہ آخری دفعہ میں نے انکا امرا کو دیکھا اور اس کے بعد اب تک نہیں دیکھا تاہم ہو سکتا ہے کہ مستقبل قریب یا بعید میں میرا ان کا سامنا ہو جائے ۔

انکا کا وفد چلا گیا اور قیولا نے حکم دیا کہ کمرے کے سارے دروازے بند کر دئے جائیں اور باہر پہرہ لگا دیا جائے کہ کوئی قریب نہ آنے پائے ۔

اب وہ اٹھی اور اس نے یوں کہا :۔

"میرے آقا! تم بہت جلد میرے شوہر بننے والے ہو اور میرے ملک کے بادشاہ بھی۔ اور اے میرے ملک کے امراء تم بھی سنو۔ تم نے انکا کا پیغام سنا۔ اور یہ بھی جان لو کہ یہ محض گیدڑ بھبکی نہیں ہے۔ وہ، جو اکثر معاملات میں عظیم ہو ایک معاملے میں چھوٹا اور تنگ ہے۔ وہ اپنے دیوتا کو اپنی عزت اور عظمت پر ترجیح دیتا ہے اور اپنے دیوتا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے وہ اپنی عزت اور عظمت کی قربانی دینے کو تیار ہے اور اس کو بھی قتل کرنے کے لئے تیار ہے جس کے طفیل اسے اپنا حق ملا ہے اور جس کے ذریعہ اس نے اپنا تخت حاصل کیا ہے" اور اس نے میرے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا" اور بڑی بات تو یہ کہ وہ یہ سب کچھ کر سکتا ہے، فوراً نہ سہی اور یہ یک وقت نہ سہی لیکن رفتہ رفتہ اور الگ الگ کرکے کیونکہ ہمارے ایک آدمی کے مقابلے میں دس آدمی لا سکتا ہے چنانچہ اب ہمارے لئے صورتِ حال یہ ہے کہ موت اور تباہی سامنے کھڑی ہمیں گھور رہی ہے۔"

اور وہ خاموش ہو گئی۔ تب اس بوڑھے شیر نے، جس کا ذکر میں کر چکا ہوں بولا

"اے قبولا! تم نے بڑا تلخ پھل ہمیں کھانے کو دیا ہے۔ اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے؟"

"راستہ ہے۔ تم اس روایت سے واقف ہو کہ ہزاروں برس پہلے ہماری قوم جنگلوں سے نکل کر اس ملک میں آئی تھی۔

"تم جانتے ہو کہ یہ بھی روایت ہے کہ یہاں سے بہت دور اور جنگل کے اس پار ایک زبردست حکومت تھی جہاں کا بادشاہ سنہرے شہر میں، جو پہاڑوں کے درمیان تھا، رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس بادشاہ کے دو بیٹے تھے اور یہ کہ

جب بادشاہ مرگیا تو یہ دونوں بیٹے آپس میں لڑ پڑے اور ان میں سے ایک کو، یعنی میرے جدِامجد کو، اس جنگ میں شکست ہوئی اور وہ جنگل میں بھاگ گئے اور ان کے ساتھی بھی جنگل میں چلے گئے۔ یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر جنگل میں سفر کرتے رہے اور آخرکار اس ملک میں پہونچ گئے اور یہاں پہونچ کر میرے جدِامجد بادشاہ بنے۔"

"ہاں" بوڑھے مشیر نے کہا "ایسا ہی ہے جیسا تم نے کہا۔ یہ روایت نسلاً بعد نسلاً ہم تک پہونچی ہے اور اس کے ساتھ یہ پیشین گوئی بھی کہ وہ وقت آئے گا جب چانکا لوگ واپس اس سنہرے شہر میں جائیں گے جہاں سے وہ آئے تھے اور یہ کہ اس شہر کے لوگ ان کا استقبال کریں گے۔"

"یہ پیشین گوئی میں نے بھی سنی ہے" تیولا نے کہا "اس کے علاوہ جب میں سورج کی داسی تھی تو ایک رات چاند نے میرے خواب میں آکر کہا کہ بیٹی ناامید نہ ہونا کیونکہ کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور یہ کہ جب قدیم پیشینگوئی کے پورے ہونے کا وقت آئے تو اس پر عمل کرنا اور میرے خیال میں، اے لوگو! وہ وقت آگیا ہے۔ میں آج تمہاری ملکہ ہوں اور میرا مشورہ یہ ہے کہ ہم اسی جنگل کی طرف چلے جائیں جس میں سے نکل کر ہمارے اجداد آئے تھے اور اپنا وہی قدیم سنہرا شہر تلاش کرلیں کہ وہاں تک انکا کی فوجیں نہ پہونچ پائیں گی۔ تو اے میرے لوگو! کہو تم کیا کہتے ہو؟"

اور سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا:۔

"بے شک یہ پیشین گوئی پوری ہونے کا وقت آگیا ہے اور تمہارا مشورہ بے حد مناسب ہے۔"

اب تیولا میری طرف گھوم گئی۔

"میرے سرتاج! تم کیا کہتے ہو؟"

"جو تمہاری مرضی ہوگی وہی میری مرضی ہوگی جہاں تم جاؤگی وہاں میں بھی جاؤں گا" میں نے جواب دیا۔

"بس تو ٹھیک ہے" قیولا نے خوش ہوکر کہا "جنگ و جدل اور خون خرابے کا دور ختم ہوا اور اب ہمارے سامنے درخشاں مستقبل ہے چنانچہ لوگو! اب یہاں سے ہجرت کی تیاری کرو کہ ہم جلد از جلد سنہرے شہر کی طرف اور خوشیوں اور سکون کی طرف روانہ ہو جائیں۔

"اے سفید فام دیوتائے بحر! اے آقا! اے میرے سرتاج! تمہاری آمد سے میرا دل بیدار ہوا۔ تمہاری تلوار نے میری عزت بچائی اور تمہاری وجہ سے میرے لوگوں کو آزادی ملی۔ چنانچہ میں، قیولا، دختر ماہتاب اپنے اس بوسے کے ذریعہ اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیتی ہوں..."

اور قیولا نے جھک کر اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ دیے۔

اور قدیم مسودے کے اس کے بعد کے صفحات مقبرے کی نمی کی وجہ سے خراب ہوگئے تھے چنانچہ ہیوبرٹ ہسٹنگز کی تحریر کو یہیں ختم سمجھنا چاہیئے۔

(مؤلف)

ختم شد

فانوس سید واڑہ
احمد آباد

نظر الحق علوی
۲۶ رمئی ۱۹۵۸ء

مظہر الحق علوی کے چند قابل دید ناول جو مل سکتے ہیں

• لیشا کی واپسی	رائیڈر ہیگرڈ	15/-
• مقدس پھول	"	11/-
• لالۂ صحرا	"	9/-
• ابابیل	"	12/-
• گنج سلیمان	"	7/50
• وحشت دل	"	9/-
• گناہ آدم	جیمس ہیڈلے چیز	9/-
• شہر میں صحرا	"	10/50
• دیو استبداد	دکرڈ کنگ	8/-
• سایۂ شیطان	ڈینس وہیٹلی	12/-
• جرم و سزا کامل ۲ حصے	فیوڈور دستووسکی	21/-
• منزل منزل موت کے سائے	جیمس گراہم	10/-
• سورج کا لہو	ولبر اسمتھ	15/-
• سورج کے اندھیرے	"	15/-
• آواز کے جنگل	برکلے ماتھر	8/-
• زہر آب	ایلن ویس	11/-
• پراسرار جزیرہ	ایچ، جی ویلس	7/50

اور گولڈن جبلی ناول

• دام ہرسوج	کیلے انتشاٹ۔ ایڈلاوش ہارز	25/-
• تاجور حسن	خالی ہارڈ گردرہ	30/-

ملنے کا پتہ ۔ نسیم بک ڈپو لکھنؤ ۶

موسم گرما کی پاگل کر دینے والی ایک گرم رات ......

..... جب کیپٹن ہالینڈ نے جو ایک باعزت، شادی شدہ اور بینک کا ایک ذمہ دار آفیسر تھا اپنی مسرت انگیز حال اور مستقبل کو تباہ کر بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کی غیر موجودگی ہی میں ان تمام نشانات کو مٹا دینے چاہے اور اسی لالچ میں خود کو گردن تک سیاسی داؤں پیچ میں اور قتل کی سازش میں پھنسا لیا۔ اس ڈرامے کے پس منظر میں سیاسی گینگسٹر، بلیک میلر، نشانہ باز اور بے حد سخت مزاج کردار کا جمگھٹا ہے جس نے اس سنسنی خیز ناول کو جنم دیا اور یہ پوری کہانی حیرت انگیز طور پر صرف تیس گھنٹے کی مدت پر پھیلی ہوئی ہے لیکن اس تیس گھنٹوں میں کیا کیا واقعات ہوئے ۔ ؟

جسے

سنسنی خیز ناولوں کے شہنشاہ جیمز ہیڈلے چیز نے لکھا۔

موت کے منہ میں

یا

تیس گھنٹے

مترجم ... س۔ ا۔ شاہد

قیمت مجلد دس روپیہ پچاس پیسے

نسیم بکڈپو لکھنؤ
کے
شائع کردہ قابل دید ناول



جانباز	جیمس ہیڈلے چیز	اختر حسین	4/0
متحرک لاش	"	"	7/50
دولت کا جال	"	"	6/-
خاموش تجوریاں	"	"	5/-
انگوٹھی کے شکار	"	"	6/-
ہوشمند پاگل	"	"	7/50
تاش کے پتے	"	"	6/00

مریخی جانباز	ایڈگر رائس بروز	ایم جے عالم	5/-
پراسرار دنیا	"	"	5/-
خونخوار دنیا	"	"	4/-
ڈھائی لاکھ	پراگ رائس	"	5/50
زرد دیوتا	رائیڈر ہیگرڈ	"	6/50

فضائی تسلط	اگاتھا کرسٹی	حسین ایمن	6/50

اعتراف جرم	کورنل میڈوز ٹیلر	محمد آفاق	5/-
بدنصیب حسینہ	جیمس ہیڈلے چیز	مظہر اشفاق	5/-
شیطان کے پجاری	ڈینس وہیٹلی	مسعود جاوید	16/-
ہمزاد	"	"	12/50
موت کا نغمہ	جان سلیٹ	"	6/50
پراسرار پارسل	فریمن ولس کرافٹ	محمود نیازی	5/-
شرلک ہومز ہندوستان میں	کارٹر ڈکسن	مظفر حنفی ہسوی	7/-
ڈاکٹر کی ڈائری	اگاتھا کرسٹی	منظور ناگی	4/50
سرد خون	جیمس ہیڈلے چیز	رشید انجم	6/75
ٹھنڈی موت	"	"	6/-

ملنے کا پتہ

نسیم بک ڈپو لکھنؤ

